PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224226

UNIVERSAL
LIBRARY

Checked

اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

تمدن

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے۔ قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین

	صفحہ
حقیقت زمین ۔ "محمص"	۱
پروانہ (نظم) سید محمد اسمٰعیل صاحب رضا بہدانی گیاوی	۶
نگاہ لطف کے امیدوار ۔ م ۔ م	۷
عدالت اسلام (نظم) حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی	۱۴
فلسفہ بخشش حسن ۔ حافظ امام الدین صاحب اکبرآبادی	۱۵
دارو گیر ۔ ب	۲۰
نادر جنگی ۔ حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی	۲۵
غلب ۔ سید ظفر احسن صاحب علوی	۴۱
لال عید (نظم) ۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی	۴۳
واردات فراق پر ایک نظر ۔ ایک ناظر	۴۵
ناجائز تقلید ۔ سسز مرزا حسین علی بیگ صاحب مرحوم	۴۶
بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر ۔ مولانا نیاز محمد صاحب نیاز فتحپوری	۴۹
شہید ناز کی فاتحہ ۔ مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی	۵۶
حضرات بیباک شاہجہانپوری ۔ حسرت موہانی ۔ دل شاہجہانپوری ۔ محشر لکھنوی ۔ ثاقب قربلاش لکھنوی ۔ سراج لکھنوی ۔	۶۰

پبلشر عباس حسین عاری پرنٹر نواب علی

بابت سالانہ سنہ مقام اشاعت پل بھاؤ لال لکھنؤ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴ھ

ناردرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ اُن کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالے میں شائع ہو چکے ہوں

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ بھیجہ چارآنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہئیں۔

سیرِ عالم

بیسویں صدی کی بہترین ایجاد آلۂ سیرِ عالم کو سرہانے کے نیچے رکھکر سونے سے انسان کی روح جسم سے باہر نکل کر عالمِ بالا میں پرواز کرتی ہے تم سونے سے پہلے سیرِ عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسبِ منشا مکۂ معظمہ یا مدینۂ شریف کی سیر دکھا دے گا۔ اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اُڑتے اُڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو۔ اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہے۔ اِن مزے دار روحانی سیروں سے تم کو ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ دنیا بھر کی خوشیوں کو اسکے مقابل میں ہیچ و پوچ خیال کروگے اور سارے جہان کا آزاد بادشاہ اپنے آپ کو تصور کروگے۔ تجربے کے لیے ادھ آنہ کا ٹکٹ یا سیرنگ کی اجازت۔ پتہ خوشخط۔

المعلم

روح "معلّم" درسگاہ علوم روحانی دی سمر نیم ہاؤس نمبر ۲۳۔ لاہور

Checked 1965

تمدن

ed 1974

حقیقت زمین

(حکمائے قدیم کی نقطۂ نظر سے)

ہم لوگ زمین پر رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم واقف ہیں حالانکہ مدتوں سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے۔ اور حکمائے قدیم نے بھی زمین کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اور جدید حکمائے یورپ نے بھی۔ لہذا ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے بعض اقوال قدیم حکماء کے زمین کی حقیقت کی نسبت لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الم نجعل الارض مہادا والجبال اوتادا۔ ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء۔ ترجمہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو ڈیرہ بنایا

اور فرماتا ہے :۔ "واللہ جعل لکم الارض بساطاً" یعنی اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بساط (بچھونا) بنایا ہے مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ مہاد اور بساط اُس ہموار اور کشادہ بچھونے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز ٹھہر سکے اور قرار پکڑ سکے۔ اور اُس میں متصرف ہو سکے یعنی اُس پر تعمیر مکان وغیرہ ممکن ہو اور کتب لغت میں مہاد۔ بساط۔ فراش۔ کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ صاحب منتخب جہانگیری لکھتا ہے :۔ بساط فتح زمین فراخ و ہموار و بالکسر گستردنی چون حصیر (چٹائی) و بستر" اور کہتا ہے :۔ مہاد بالکسر بستر و بساط و فرش [1]

غرض یہ تو حکیم علی الاطلاق کا ارشاد تھا۔ مگر حکماء نے زمین کی ہیئت و شکل کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو کہا ہے کہ زمین مبسوط یعنی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ اور اُس کی سطح مستوی یعنی برابر ہے۔ جس طرح لکڑی کا تختہ ہوا کرتا ہے۔ اُس کی چار جہتیں ہیں۔ مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال اور بعض حکماء نے خیال کیا ہے کہ وہ دسترخوان کی طرح ہے کہ طول زیادہ اور عرض کم ہے۔ اور انھیں حکماء میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ طبل یعنی ڈھول کی صورت ہے اور بعض حکماء اس طرف گئے ہیں کہ نصف کرہ سے مشابہ ہے یعنی جیسے قبہ ہوتا ہے۔ اور آسمان اُسکے اطراف (کناروں میں) جڑا ہوا ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمین مستدیر یعنی بالکل کرہ کی طرح گول ہے۔ اور آسمان ہر طرف سے اُسکے گرد اس طرح محیط (گھرا ہوا) ہے جس طرح کہ انڈے کا چھلکا اُس کی زردی پر چھایا ہوا ہوتا ہے گویا زمین انڈے کی زردی ہے اور سفیدی

[1] منتخب کانپور ۱۸۷۸ء ورق ۱۰۴ مع الدال۔

پانی ہے اور چھلکا آسمان ہے البتہ انڈے اور زمین میں فرق صرف اسقدر ہے کہ اول الذکر میں کسی قدر لمبا پن ہوتا ہے اور زمین میں یہ لمبوترا پن نہیں ہے بلکہ وہ گیند کی طرح گول ہے۔ کسی طرف سے اُسکی گولائی میں نقص نہیں ہے۔ نہ لمبا پن ہے اور نہ چپٹا پن ہے اور وہ یہاں تک سڈول ہے کہ بقول بعض مہندسین اگر زمین کے کسی نقطۂ ریاضی پر ایک جانب سے گڑھا کھودا جائے تو وہ دوسرے رخ تک پار ہو جائے گا۔ مثلاً اگر سرزمین اندلس میں ایک سوراخ بخط مستقیم کیا جائے تو یقیناً وہ سوراخ سرزمین چین تک وار سے پار ہو جائے گا۔

اور بعض حکماء کا خیال یہ ہے کہ زمین ٹھوس نہیں بلکہ مقعر ہے یعنی اُسکے اندر خلا ہے جس طرح آبخورا اندر سے خالی اور اوپر سے گول ہوا کرتا ہے۔

زمین کی تعداد

جس طرح زمین کی ہیئت میں اختلاف ہوا ہے اسی طرح اسکی تعداد میں بھی کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ لیکن حکیم جلیل یعنے اللہ تعالیٰ جس سے بڑھکر سچا اور کوئی نہیں یوں فرماتا ہے اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمین۔ تمثیل جس طرح زمین کے اعداد کے لیے شاہد ہوسکتی ہے اُسی طرح اُسکے طباق یعنی طبقہ بہ طبقہ ہونے پر شاہد ہے یعنی جس طرح کہ آسمان تہ بہ تہ ایک کے اوپر ایک ہے اور مجموعی تعداد اُنکی سات ہے اسی طرح زمین کی مجموعی تعداد اور نوٹ بھی ایسی ہی ہے جیسے پیاز کا چھلکا ایک کے اوپر ایک ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ زمینیں ایک پر ایک واقع ہوئی ہیں اور مثالی ہر زمین کی اتنی ہے کہ پانچسو سال کی رفتار میں طے ہو۔ اور ہر ایک طبقۂ زمین کے رہنے والے بھی الگ الگ ہیں اور وہ اپنی ہیئت وصفات کے لحاظ سے بھی عجیب وغریب ہیں

اور ہر ایک زمین ایک خاص نام سے موصوف ہے۔ اور زمین کے طبقۂ چہارم میں اہل دنیا رہتے سہتے ہیں۔

وہب۔ اور کعب و مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ ہر طبقۂ زمین پر ایک ایسا ہی آدم ہوا ہے جیسا آدم ہمارے ہاں ہوا ہے اور اسی طرح نوح جیسا ہمارے طبقۂ زمین پر گذرا ہے اسی طرح ایک ایک نوح تمام طبقات ارض میں ہوا ہے۔ اسی طرح ابراہیم وغیرہ۔ واللہ اعلم اور یہ اُن فلاسفہ کے قول سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جن کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں بہ کثرت سورج اور کثیر التعداد چاند ہیں۔ گویا ہر اقلیم زمین کے سورج اور چاند اور ستارے الگ الگ ہیں۔

اور قدماء نے کہا ہے کہ زمین بالکل ایک دوسرے سے مجامد (ملی ہوئی اور جُڑی ہوئی سات ہیں اور اقلیم بھی سب کی جداگانہ اور جُدا جُدا طرز کی ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ زمین سات ہیں۔ مگر اونچائی نیچائی کے لحاظ سے جیسے زینے اور سیڑھی کے درجے ہوا کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء کا گمان ہے کہ زمین پانچ منطقوں پر تقسیم ہے منطقۂ شمالی منطقۂ جنوبی۔ منطقۂ مستوی۔ منطقۂ معتدلہ۔ اور منطقۂ وسطی۔

اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ زمین کی دبازت کتنی ہے۔ چنانچہ مکحول نے کہا ہے کہ اوپر سے نیچے تک یا شمال کی مسافت میں ہے۔ دو سو سال کی مسافت اس حصۂ زمین سے پانی میں اور دو سو سال اُس حصہ پر جہاں کوئی نہیں رہتا اور اسی سال کی مسافت اُس حصہ میں جہاں یاجوج ماجوج ہیں اور بیس سال کی مسافت اُس زمین میں جہاں ساری مخلوق بستی ہے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ چار سو فرسخ کے دور میں زمین واقع ہے

لہ اسرائیلی علماء اسلام سے پہلے کے اور خاص کر بنی اسرائیل سے متعلق ہیں اگرچہ بعض زیادہ تر [illegible] ہیں۔

بارہ ہزار فرسخ کی مسافت میں ملک سوڈان ہے اور آٹھ ہزار کی مسافت میں ملک روم تین ہزار کی مسافت میں ایران و ترکستان۔ اور ایک ہزار فرسخ کی مسافت میں عرب۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ سوڈان کی چوتھائی آبادی ایسی ہے جو کپڑے نہیں پہنتی۔

اور بطلیموس نے زمین کے قطر گہرائی اور گولائی کی مقدار مقرر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زمین کی گولائی اسکے محیط کے اندر ایک لاکھ اسی ہزار اسطاریوس کے برابر ہے اور ایک اسطاریوس چوبیس میل کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے گویا زمین کی گولائی ایک کرور چوالیس لاکھ فرسخ کی ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار ملکی گز کا اور ایک گز تین بالشت کا اور ہر بالشت بارہ انگلی کا اور ایک انگلی پانچ جو کی جو برابر برابر رکھے ہوں۔ اور ایک جو کی چوڑائی (عرض) خچر کے ۶ بالوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور اسطاریوس بہتر ہزار گز کا ہوا۔ اور زمین کی دو بازت یعنی اُس کا قطر سات ہزار چھ سو تیس میل کا ہے جو برابر ہے دو ہزار پانسو پینتالیس اور ایک ثلث فرسخ کے۔ اور زمین کا کل بسط یعنی پھیلاؤ ایک سو بتیس لاکھ۔ چھ سو میل مربع اور یہ دو لاکھ ۸۸ ہزار فرسخ ہوا۔ لیکن اگر واقعی یہ سچ ہے تو گویا اللہ کی جانب سے بطلیموس پر وحی نازل ہوئی یا الہام ہوا۔ اور اگر محض قیاس اور استدلال ہے تو اگر بالکل سچ نہیں تب بھی سچ سے قریب ضرور ہے اور قتادہ و مکحول کا قول بھی واجب الیقین نہیں ہے کہ انکو علم غیب ہوا ہو۔[1]

(باقی آیندہ) الراقم محمص

[1] یہ مضمون عربی کی ایک بہت پرانی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اس کے بعد کی اور نیز جدید تحقیقات اس میں شامل نہیں ہے۔

پروانہ

او ننھے سے پتنگے او جان دینے والے نافہم ناسمجھ اور نادان بھولے بھالے
کیا غم سے تیرے دل میں بھی پڑ گئے ہیں چھالے کیا تو بھی چپکے چپکے کرتا ہے آہ نالے
کیا بات شمع میں ہے جس پر مٹا ہوا ہے
تو آتش محبت سے کیوں جلا ہوا ہے

او چھوٹے سے پتنگے او خون رونے والے بیتاب ہو کے فرقت میں جان کھونے والے
آپ اپنی رہ میں کانٹے دن رات بونے والے آتش میں جلنے والے خود خاک ہونے والے
کیوں اپنی جان سے تو بیزار ہو رہا ہے
کیوں عشق تیری گردن کا ہار ہو رہا ہے

جان عزیز اپنی تو نے عبث گنوائی خود جل کے آگ میں تو ناحق بنا فدائی
تیری وفا شعاری کچھ بھی نہ کام آئی معشوق کی نظر میں عزت نہ تو نے پائی
پورا کسی طرح تو اترا نہ امتحان میں
دی جان تو نے پھر بھی رسوا ہوا جہان میں

لازم تھا رفتہ رفتہ گھل گھل کے غم سے مرنا یوں چاہیے تھا تجھکو دنیا سے کب گذرنا
آسان نہیں پتنگے دعوائے عشق کرنا دریائے عاشقی سے مشکل ہے پار اترنا
دم بھر میں جل کے دیدی جان اپنی ہائے تو نے
صدمے مفارقت کے کس دن اٹھائے تو نے

ہے شمع عاشقی میں ثابت قدم زیادہ رکھتی ہے اپنے دل میں تجھ سے وہ غم زیادہ
بھرتی ہے دمبدم وہ الفت کا دم زیادہ ترجیح تجھ پہ دیتے ہیں اسکو ہم زیادہ
سوز غم دوام سے ہر وقت گل رہی ہے
تا صبح شام سے وہ خاموش جل رہی ہے

رسا ہمدانی گیاوی

نگاہِ لطف کے امیدوار

کرم فرمایم! السلام علیکم۔

زمانۂ موجودہ کی آب و ہوا جنس نازک کی خرید و فروخت اور جنس قوی کی جانچ اور پرکھ کے بے اسقدر موزوں ہے کہ آئے دن ایک نہ ایک دو شیزۂ شوہر طلب کی جانب سے کوئی نہ کوئی اعلان یا ضرورت شائع ہوتی رہتی ہے! حاجی بقاء العلا صاحب عرصہ ہوا کہ میدان جنگ کی طرف مع اپنے بے نظیر دماغ کے سدھار گئے! ان کے متعلقین اس طویل جدائی کا بوجھ نہایت مغموم و مضطرب دل کے ساتھ بیکاری کے رنگ میں اُٹھا رہے ہیں! چند روز ہوئے کہ احباب کی عنایت غیر مترقبہ کی بدولت قریب قریب تمام حلقہ بگوشانِ حماقت اچانک طور پر ایک جگہ جمع ہو گئے اور ذکر بالا مسئلہ پر بحث چھڑ گئی! بڑی بڑی قدح اور پورے غور و خوض کے بعد سب کے سب اس نتیجہ پر پہنچ کر سا کت ہوئے کہ اعلان زوج جو کچھ بھی ہو زوجہ کی طرف سے نہ ہوا کرے!

۱۹۱۷ء کی ضروریات اور خصوصاً موجودہ جنگ عظیم کا قتل عام بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ زوجہ بجائے حضرات اپنی صفات و عادات کا اعلان کیا کریں اور درخواستیں صنف نازک کی طرف سے موصول ہوا کریں! ہندوستان کی شاعری میں۔ میرا مطلب ہندی سے ہے۔ عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے اور اس میں مذکریت کا لطیف عنصر غالب ہوتا ہے! ان تمام وجوہات کے زیر سایہ میرے احباب نے مجھ کو اپنا نام اور مع ضروری صفات کے

اعلان کے لیے بھیجدیا۔ ذیل کی نصرت اُن ہی احباب کے اصرار کا نتیجہ ہے! الفاظ کا ذمہ داریں سہی لیکن خیالات کے ذمہ دار یہ حضرات خود ہیں۔ یا راوی!! مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں ہے!

(۱) ..... ملازمت سرکار کی سیڑھیاں چڑھنے میں ریش اسلامی کو نورِ علےٰ نور بنا چکے ہیں۔ اگرچہ بظاہر خضاب سویشی اُس نور کو کالے آدمی کے رنگ میں مبدل کرتا رہتا ہے!! شباب کا زمانہ یک قلم، قلم انداز کر دیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ فرض تو درکنار سُنت بھی کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی!! پارسائی کی گارنٹی اس حد تک کی جا سکتی ہے کہ اپنی جیب خاص اور اپنے تنہا ارادہ سے کبھی کانوں اور آنکھوں کو بھی گنہگار نہیں بنائیں گے! بہادوست احباب کا اصرار..... تو آپ جانتے ہیں اسلام میں کسی کا سوال رد کرنا اور خصوصاً خاطر شکنی بھی تو گناہ عظیم ہے! قد لمبا، جسم اکہرا، مزاج نہایت سیدھا اور سادہ، معاملہ کے نہایت کھرے، اور "اعلان عام" کرنے کی خاص عادت سے متصف! شادی کی حاجت تو نہیں ہے لیکن اسلامی نقشہ و مزاج والی عورت۔ جو بیعت کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہو۔ اگر مل جائے اور دوست احباب کا اصرار بھی شامل حال ہو تو نکاح کے وقت قاضی کے سامنے "ہر چہ از دوست میرسد نیکوست" کہہ کر خاموشی کے رنگ میں نیم رضامندی کا اظہار کر دیں گے!

درخواستیں خود ان ہی کے نام آنی چاہئیں۔ درخواست دہندہ عورت مسلمان لازمی ہو۔ عملاً اور قولاً۔ دونوں طرح! اگر عورت کے اسلامی ڈاڑھی کسی حد تک بھی ہو تو سبحان اللہ! جسم قابل لحاظ نہیں، رنگ کیسا بھی ہو، عمر کا مطلق بھی خیال نہ کیا جائے گا! واللہ اعلم بالصواب!!

(۲) ..... کم از کم ایک ضلع کی کھوٹی کھری آمدنی پرکھنے کے ذمہ دار ہیں! ریش سبک خضاب لاجواب کی مرہونِ منت ہے! آنکھوں میں نرمادہ کا سا بیّن فرق ہے: عمر پوچھنا فضول ہے۔ ہایں ریش وفش ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جہاں اچھے اچھے جوان چوکڑی بھول جاتے ہیں!! نہایت زندہ دل؛ بذلہ سنج؛ سوتے اور جاگتے، ہر وقت سوائے سچ کے اور کچھ نہ بولنے والے؛ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کے شائق! تمام شرفائے وقت کے حسب ونسب سے واقف! انگریزی لباس کو برا سمجھنے کی وجہ سے پتلون ہمیشہ غرارہ دار اور شرعی پہنتے ہیں! چال۔ ہر قسم کی۔ اپنی نوعیت کی خاص چیز ہے! نقشہ وشکل وصورت آج سے ۲۰ برس پیشتر کی تصویر دیکھنے سے نہایت اچھی اور سجیلی! موجودہ جسم عمر کے بدولت جیسا ہونا چاہیے ویسا ہی! اہل خانہ موجودہ سے خائف اور اس درجہ خائف کہ کوئی ایسی ویسی شخصیت آجائے تو رات بھر حساب دینا پڑے! بہرحال غنیمت ہیں!! بیوی کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن حال ہی میں ایک مس ڈاکٹر نے زوج کا نسخہ لکھ دیا ہے! نظر باز ہیں اس لیے صورت اچھی پسند کریں گے! زیادہ گو کو ترجیح دی جائے گی؛ اگر حسب ضرورت نرم وگرم ہوسکتی ہو تو واہ واہ؛ عمر ۴۰ سے کم نہ ہو مگر ۵۰ سے زیادہ بھی نہ ہو؛ تمام خط وکتابت ان کے پرانے اتالیق سے ہونی چاہیے، ورنہ جواب نہ ملنے کی ذمہ داری نہیں کی جاسکتی!!

(۳) ..... ابھی جوان ہونے جاتے ہیں! غیر معمولی بوجھ نے قبل از وقت پیشانی وچہرے پر جھریاں ڈالنی شروع کی ہیں مگر قسمت نے ساتھ دیا تو بہت جلد اس بوجھ سے سبکدوش ہوئے جاتے ہیں! ہاتھ پاؤں اگر صحت

ل جائے تو اچھے سمجھے جائیں گے۔ صورت باوجود ناسازی طبع اب تک ایک خاص نظر فریبی رکھتی ہے! ناک موزوں؛ آنکھیں۔ سچ یہ ہے کہ۔ تمام خوبصورتی کی جان؛ دانت؟ تجربہ کار لوگ اس سے زمانۂ ماضی کی نسبت بہت کچھ نتیجے نکالتے ہیں! طبیعت کے اچھے۔ مزاج کے اچھے۔ افعال کی نسبت، ذہم کراماً کاتبین ہیں نہ ہمیں معلوم! اسقدر ضرور ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں؛ اپنی بیبیوں کو دیکھکر نہایت ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں اور ہمیشہ شب تاریک میں کرتے ہیں! بہرحال دوستوں کے دوست ہیں اور کہنے سننے سے مان بھی جاتے ہیں عورت کی سخت ضرورت ہے، تنہائی پریشان رکھتی ہے، ڈاکٹر صاحبان امراض کا علاج بھی رفع تنہائی بتاتے ہیں، عورت کی عمر غالباً کم ہو مگر ممکن ہے کہ نابالغ کو بالغ پر ترجیح دی جائے، صورت کی حسین اور گوری ہو، رنگ کشمیر کی آب ہوا سے پیدا ہونے والی سرخی رکھتا ہو، مذہب کے لحاظ سے ہندو ہو یا اور کچھ۔ مسلمان عورتیں درخواست نہ بھیجیں! اور زیادہ شرائط کی تفصیل آپ کے پنکھا تلی سے دریافت کی جا سکتی ہے!!

(۴) ..... نئے گرفتار شدہ ہیں! ناتجربہ کار نہیں تو ناقابل اعتبار ضرور ہیں! ڈاڑھی مع مونچھ کے طبیعت غیر مستقل کا شکار بنتی رہتی ہے! ڈاڑھی ہوگی تو شرعی وضع مونچھیں نہ ہوں گی تو فرنگی۔ مونچھوں سے بھی صاحب بہادر گوں کا مقولہ ہے کہ گائے گالیاں ہیں دودھ قصائی کے کھونٹے پر" اسی لحاظ سے ڈاڑھی رکھتے ہیں تو ڈاڑھی کی طرح ورنہ مطلق نہیں رکھتے! قد درمیانہ بدن اکہرا، زبان واقعات پر بند کرنے کی عادی، چشم بددور کسی کی زلف دراز یا آپ کی شب فراق! "الوان مزاج ہی نہیں نبی بخار" کی ڈلیوٹی بھی نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرتے ہیں! حسن کو مدنظر رکھ کر ہر صورت میں

پالینے کا مذاق عشق رکھتے ہیں! سب کو خوش نہیں تو ناراض ضرور کر سکتے ہیں! اگر اُستاد کو قبلہ و کعبہ سمجھتے رہے تو بہت جلد آٹھوں گانٹھ کمیت بن جائیں گے! شوخون مارنے کی اکثر کوشش کرتے ہیں اگرچہ اسوقت تک ہمیشہ ہاتھ اوچھا ہی پڑا! شعار اسلامی کا خاکہ بھیا چارہ بڑھانے میں کرتے رہتے ہیں! ایک بیوی کہا جاتا ہے کہ موجود ہے۔ مگر وہ مقامی ہے اور انھیں فی الحال سَفَری کی ضرورت ہے! مسلمان عورت۔ کالے رنگ سے ابلق تک۔ ہر رنگ والی، ۳۰ برس کی عمر تک کی، غیر تعلیمیافتہ دقیانوسی خیال والی پردہ نشین، درخواست کر سکتی ہے! چونکہ سفری کی حاجت ہے اس لیے درخواست دہندہ خود سمجھ لے کہ وہ سَفَری بیوی بننے کی قابلیت رکھتی ہے یا نہیں! مثلاً سَفَری کے لیے معمولی سی بات تو یہ ہے کہ وہ تہ ہو سکتی ہو، ہولڈآل میں لپٹ سکتی ہو، اگر ہینڈ بیگ میں بھی آ سکے تو کیا کہنا؟ اس سے زیادہ ہندی کی چندی اُس ملازم سے معلوم ہو سکتی ہے جو ہر لحاظ سے نہایت سعید ہے!

(۵)..... وکیل، شاعر، ناصح، نکتہ چین، یہ اور وہ، غرض سب کچھ! ناک منھ چڑھی آنکھیں چھوٹی، گریجویٹ اور خدا جانے کیا کیا؟ شہر کے اندیشہ میں قاضی کے مانند ہمیشہ دُبلے!! ایک بیوی کو عالم جاودانی کا راستہ دکھا چکے ہیں دوسری کی رہبری کے لیے تیار ہیں! روزے تیسوں رکھتے ہیں، نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لوگوں کے خوف سے۔ یا اور کسی وجہ سے۔ جلسوں میں شرکت کی جرأت نہیں رکھتے! مذہب انکے صالح جوان ہونے سے نہایت ممنون منت ہے! بعض مسخرے کہتے ہیں کہ عصمت بی بی از بے چادری"؛ دروغ بر گردن راوی۔ کہا جاتا ہے کہ عصمت بھی اپنے

ہاتھ سے بُری طرح کھو بیٹھے ہیں)! اصلاح احباب تشہیر کے ذریعہ سے اکثر کرتے رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو جذبۂ توحید سے سرشار ہیں! اللّٰھم زد فزد۔ بیوی ایسی پسند کریں گے جو وزن میں ان سے ½ ہو اور قد میں ½! نہایت اسلامی اور سنت کا لحاظ رکھنے والی ہو! صحت کی ایسی اچھی نہ ہو کہ ہر سال اشتہا کم کرنے کے لیے مسہل دینا پڑے! رنگ نمکین ہو، ہاضمہ کی درست ہو، جلد بارآور ہو سکتی ہو، میاں کو سجدہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہو! تمام معاملات اُن چند لفوس کے ذریعہ سے طے ہو سکتے ہیں جو آپ کے دولتکدہ کے سامنے والے کھنڈر میں ملیں گے!

(۶)..... درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، موزوں آنکھ ناک، بے روک ٹوک پھیلنے والی ڈاڑھی! معدہ اور صحت کے لحاظ سے قابل رشک! بھلے چنگے مرد آدمی! ذات کے لحاظ سے نمبر ۲! بیوی کی چٹنی بنانے میں سرگرم ہیں! دعوت کا انتظام خاص طور پر اسقدر اچھا کر سکتے ہیں کہ مہمانوں کو کھانا کھانے کی تکلیف مطلق بھی برداشت نہ کرنی پڑے! سر بڑا ہے اور خدا کے فضل سے بھاڑ جھنکاڑ کی آلائش سے بالکل پاک ہے!! "القرض مقاصی المحبت" کو اچھی طرح جانتے ہیں! بیوی ایسی پسند کریں گے جو "کم خرچ و بالانشین" ہو۔ اگر مہینہ بھر میں پانچ روپئے اُٹھائے تو کیا بات ہے! دن بھر کا فاقہ ہو جانے پر بھی خدانخواستہ کچھ کہنے کو نہ ملے تو بیوی پر نمک نہ ڈالنے کی ذمہ داری کوئی نہیں کر سکتا! اس سے زیادہ مطلق نہیں بتایا جائے گا اور نہ شرائط میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہے!!

(۷)..... بیرسٹر یقینی ہیں، اور چار پانچ سال کے ہیں! بامذاق ہیں، بذلہ سنج ہیں اور ابھی اپنے کو جوان سمجھتے ہیں! سر کے بال خدا جانے

نازنینانِ فرنگ کی دست درازی کے نذر ہوئے یا اغیار کی عنایت کے فی الحال سراولے پڑے ہوئے گیہوں کے کھیت سے مشابہ ہے! ناک خاصی آنکھیں اچھی، دھانا موزوں: کرالبتہ "کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے؟" کے مصداق شکم مدوّر میں فنا فی اللحم ہوگئی ہے! انگلستان میں جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ اب قوّتِ حیوانی کے کم ہو جانے سے زبانی لطف اکثر اُٹھایا کرتے ہیں! ہنسنے میں فراشخانہ کی کھڑکی دیکھنے والوں کو نظر آجاتی ہے! دال بھات کھانے اور کھلانے میں کبھی گریز نہیں کرتے؛ قورمہ والوں کو کبھی آج تک ممنون نہیں کیا ہے! بیوی ایسی پسند کریں گے جو مذہب کے فضول بوجھ سے صاف اور "نصیحت پروف" ہو! ہندی الاصل کو ترجیح دیجائیگی! عمر کچھ بھی ہو نئی ایجادات کی مدد سے یا اور کسی طرح۔ بظاہر ۲۰ برس کی نظر آئے! حسبِ حاجت کام آسکتی ہو۔ محبّت سے ناواقف ہو۔ ساری گاؤں تک ہر چیز استعمال کرسکے! باقی اوصاف اُس شخصیتِ فربہ سے معلوم کیجیے جو ان کے وطن میں جاگزین ہی نہیں ان پر اتالیقی کا حق رکھتی ہے۔ یا ممکن ہے کہ کوئی لیڈی ڈاکٹر ان کے مزاج کی تشخیص کے بعد کچھ زیادہ بتا سکے!!

الراقم

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

م۔م۔

ضروری گذارش | "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اخلاقاً قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

عدالت اسلام

بنایا خانہ اللہ اک خجندی نے — بحکم حضرت سلطاں مرادِ ذی سطوت
مگر پسند نہیں آئی شاہ کو تعمیر — اگرچہ صرف کی معمار نے بہت حکمت
دیا یہ حکم شہنشاہ شیر خصلت نے — کہ ہاتھ قطع ہو معمار کا پئے عبرت

غریب راج کہ بے دست ہو گیا تھا وہ — گیا جناب میں قاضی کی اب بایں حالت
کہا کہ ظلم کیا آہ مجھ پہ سلطاں نے — بلا گناہ مرے سر پہ ڈھائی ہے آفت
توقع آپ سے انصاف کی مگر ہے مجھے — کہ آپ فضل خدا سے ہیں حامیِ ملت

طلب کیا گیا ڈارا القضا میں اب سلطاں — کھڑا تھا روبرو قاضی کے طاق تھی طاقت
ڈرا رہی تھی اُسے بس سیاست قرآں — بدن پہ لرزہ تھا۔ اور تھی زبان میں لکنت
کیا جواب طلب جب کہ اُس سے قاضی نے — کہا یہ شہ نے "ہوا ظلم مجھ سے یا حضرت!
"میں مفعل ہوں عبارت پہ اپنی لیکن اب — حقیقتاً ہوں میں خاطی و مجرم ملت!"

مگر نکال کے آنکھیں کہا یہ قاضی نے — "قصاص تم سے لیا جائے گا پئے عبرت!"
"کہ بندہ۔ مولیٰ برابر ہیں حکم قرآں سے — نہیں ہے تاج کی اسلام میں کوئی قیمت!"
سُنی یہ بات جو سلطان عدل پرور نے — نکالا ہاتھ پئے قطع اب بہ ایں سطوت!

مگر یہ دیکھ کے چلّایا مدعی سے الغور — کہ خون ریزی نہیں میرا مدعا حضرت!
"معاف کرتا ہوں سلطاں کو میں برائے خدا — کہ انتقام میں پاتا نہیں ہوں کچھ راحت!"

غرض کہ فتح ہوئی اس طرح خجندی کی — شہِ مراد کی گردن جھکی بایں شوکت

یہ عدل وہ ہے کہ اسلام جس پہ نازاں ہے
یہ وہ جناب ہے جھکتا ہے یاں سرِ نخوت!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

فلسفہ کششِ حُسن

یہ تو صاف نمایاں ہے کہ ہر کشش کا خاصہ اشیاء محاذی کو اپنی طرف کھینچ لینے کا ہے۔ لیکن باستثنائے کششِ حُسن جس طرح ہر کشش اپنے اندر مادۂ جاذبیت کی پوری تکمیل نہیں رکھتی، اسی طرح بجز فتادہ دلوں کے محاذات بھی قوت انجذاب سے خالی ہیں۔ مثلاً کشش مقناطیسی، کشش کہربائی یا کشش زمین وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش بذاتِ خود کیا شے ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک وزن ہے جس کی کثرت و قلت سے باہم کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن حُسن تو کوئی وزنی شے نہیں، پھر کیا سبب کہ اسکی کشش سب سے زیادہ زوردار ہے؟ مزید غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کی موجد و مظہر ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا کششوں کا انطباق اس قوت سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تمام کششیں اسی کے جزئیات سے پائی جاتی ہیں جس کو آئندہ اب ہم کششِ حُسن کہیں گے۔

اگر آپ ان کششوں کے درمیان کوئی چیز حائل کر دیں گے تو نہ تو مقناطیس لوہے کو کھینچ سکتا ہے، اور نہ زمین اپنی بالائی چیزوں کو۔ مقناطیس اور لوہے کے درمیان آپ کسی چیز کو رکھ دیجیے، ممکن نہیں کہ طرفین کی قوت زائل نہ ہو جائے۔ اسی طرح کشش کہربائی اور کششِ زمین اپنی پوری قوت سے خالی ہیں۔ زمین پر آپ آگ جلا کر دیکھیے، ممکن نہیں کہ اسکے شعلوں کی پرواز کو زمین اپنی طرف کھینچ سکے آپ کہیں گے کہ یہ غلط ہے، اور تجارب و مشاہدات اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے جب ایک سوئی کو کسی تشتری میں رکھکر اور مقناطیس کو اسکے زیرین سطح پر لگا کر جس طرف مقناطیس کو گھماتے ہیں، سوئی بھی اُسی کے ساتھ ساتھ گردش کرتی رہتی ہے، اور یہ گردش مقناطیس ہی کے اثر کا باعث ہے۔ اسی طرح جب زمین پر کھڑے ہو کر کوئی چیز آسمان کی طرف پھینکی جاتی ہے تو اُسکی مراجعت بھی ہمیشہ زمین ہی کی طرف ہوتی ہے۔

مانا کہ یہ نوعیات استدلال اپنی تصحیح میں ایک حد تک قابل تسلیم ہیں لیکن اس اعتراف کا بہت جلد استیصال ہو جائے گا، جبکہ آپ مقناطیس اور سوئی کے درمیان بجائے تشتری کے ایک لکڑی یا ایک پتھر حائل کر دیں گے۔ اسی طرح آپ زمین کی کشش کے روبرو اشیاء معلقات کو لیجیے جو ایک غیر محدود عرصہ سے زمین سے متصل ہی نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ کشش ثقل کا قاعدہ غیر مکمل ہے۔

لیکن کیا کشش حُسن کو بھی آپ غیر مکمل کہدیں گے؟ اور کیا اس کشش کی قوت کو بھی کوئی حائل شے زائل کر سکتی ہے؟ اول یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حُسن کیا چیز ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بذات خود ایک نور ہے، جو کائنات کی تنویر کا باعث ہے، اور جو اب تمام نورانی جزئیات میں مضمر ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ ازل میں مادہ ایک فضائے ظلماتی کے انحطاط میں اس طرح پوشیدہ تھا جس کے عدم وجود کی کسی کو مطلق خبر نہ تھی۔ اس کے اجزائے دیمقراطیسی حالت منفصلہ میں منتشر تھے، اور ان اجزا کو متحد کر کے اجسام کی صورت میں ترتیب دینا امر محال تھا یکایک ایک پوشیدہ قوت نے (قوت خدائی) جو ابھی تک حالات نامعلوم میں پنہاں تھی، اجزاء دیمقراطیسی میں ایک حرکت پیدا کی، جس کے تصادم و تضاد سے حرارت اور حرارت سے روشنی پیدا ہوئی۔ اس طرح فضائے ظلمانی کا ہر ہر ذرہ برق پارہ کی طرح چمکنے لگا، اور بیشمار صبابتہ النجوم پیدا ہو گئے جنکی حرکت و

التہاب کا اندازہ مشکل سے ہو سکتا ہے جب قوت یہ رنگ اختیار کر چکی تو کشش اتصال کی رو سے کشش حسن نے ان اجزائے منتشرہ کو اپنی طرف کھینچ کر، اپنے پرتو نورانی سے نظام شمسی میں ایک گونہ اضافہ کر دیا۔

لیکن قدرت نے اس کا بیشتر حصہ انسان کے لیے مناسب و موزوں سمجھکر اُسکو ودیعت کر دیا۔ پس جب یہ حسن حضرت انسان میں چمکا تو اسکی کشش اپنی حد سے متجاوز ہو گئی، اور ہر انسانی نظر کو اس نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا حتی کہ اس کا اثر دوسری کششوں کی طرح قرب کی چیزوں پر نہیں، بلکہ بعد کی چیزوں پر ہونے لگا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کشش ثقل اپنے قاعدہ کی رو سے اُن ہی چیزوں کو کھینچتی ہے، جو اُسکے قرب میں ہوتی ہیں۔ مگر کشش حسن کا قانون اسکے برعکس ہے۔ آپ کچھ فاصلہ پر ایک ایسے مکان کے اندر جس میں متعدد در و دیوار بھی ہوں بیٹھکر تصور کیجیے، کہ اس مکان کا الحاق ایک ایسے مکان سے ہے جس میں ایک مجسم پیکر حسن مسند ناز پر جلوہ آفریں ہے پھر دیکھیے کہ آپکے فتادہ دل میں کس قدر کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ یقینی آپ بیساختہ پکار اٹھیں گے

بلا سے پیش نظر ہیں جو یہ در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

اسکو بھی جانے دیجیے۔ آپ ہزار ہا میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بیٹھکر اُس شعاع حسن کا تصور کیجیے جو کبھی آپ کے خرمن ہستی پر برق جمال جہاں سوز بن کر گری ہو، اور جس کے درمیان ہزار ہا وادی و جبل، پشت و دشت و جبل بھی حائل ہوں۔ اسکے علاوہ آب اور رکاوٹیں بھی پیدا کر دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ کشش حسن کو کون سی چیز کمزور کر سکتی ہے؟

چاند کا وہ نور جو غروب آفتاب کے بعد دنیا و عالم کے حسن جزئی پر اپنی پردۂ نقرئی کا فرش کرکے ہر انسانی نظر کے لیے باصرہ افروز ہوتا ہے۔ صبح کے وقت آفتاب کی وہ شعاعیں جو سمندروں اور دریاؤں کی چادر پر اپنی پرچھیل کر ایک قطعۂ کائنات میں غوطہ زنی کرتی ہے اور ہزاروں میں وہ صاف بستر جو اپنی نیم باز آنکھوں سے بچشم تصور کو چپکے چپکے کچھ اشارہ کرکے اس کے بستر خیالات میں ایک گونہ اضافہ کرتی ہے۔ ہر انسانی نظر کو [illegible] بالارو شیاں کس قدر مرغوب و مطلوب ہوتی ہیں۔ لیکن عین اسوقت جب کہ ان روشنیوں کا دلچسپ نظارہ بھی ہو، آپ اپنی بزم خیالی میں شمع حسن کو بھی روشن کر دیجیے (وہ روشنی جو تمنا کی آگ سے مشتعل ہو کر روشن ہوئی ہو) اور حسن کے تحرک کر دینے والے شعلوں کی پرواز میں لمعان برق کی سرعت (ہو) پھر دیکھیے کہ کون سی روشنی زیادہ آتی ہے؟

یہ تو حسن کی کشش متصلہ تھی لیکن اب کشش منفصلہ بھی ملاحظہ ہو، جس کا مزید تعلق قوت [illegible] قوت باصرہ سے ہے۔

آپ ایک طرف کچھ سنگ خشت رکھیے، دوسری طرف چند یاقوت والماس کی طرف برگ ہائے خشک ہوں، دوسری طرف گلہائے رنگین۔ پھر ایک طرف کچھ خس و خاشاک ہو اور دوسری طرف سنبل و ریحان۔ اس متضاد تقابل کے بعد اندازہ کیجیے کہ آپ کی قوت لمس اور قوت [illegible] کس چیز کی کشش کھینچتی ہے؟ اسی طرح ایک سیاہ فام انسان کے مقابلہ میں کسی پیکر حسن کو بھی سامنے کھڑا کیجیے پھر دیکھیے کہ حاذبیت [illegible] کس [illegible] ثانیہ بعد کرنا پڑتا ہے کہ [illegible] کا نظام شمسی اور نظام قوت کا دیو حسن اور صرف حسن ہی سے لے کر اور حسن ہی [illegible] خود مجموعہ [illegible] کائنات ہے۔

علم البرق کا سب سے بڑا فلسفی و مکتشف وہ نہیں ہو سکتا، جو عالم جذبات و حسیات کے صدہا مطالب و معانی ہزارہا صفحات پر بالتفصیل لکھ سکے بلکہ وہ ہو سکتا ہے جس کا درس و فہم ایک چشم سخنور ایک نگہ برق اور ایک جمال فگن اندیش کے نظارہ چشم سے وابستہ ہو۔ اور جس کو کسی جمال آفرین کی ناگہانی جلوہ تابی نے خیرہ چشم کر کے اُسے مرمن صبر و تشکیب پر برق حسن گرائی تو۔ ایک بیمار دل اور بے روح انسان میں جذبات لطیفہ نہیں پیدا ہو سکتے جبتک وہ قلم و حسن و عالم سینہ و سناں کی آویزش سے مطمح و منقاد ہو کر جذبات متضاد و متباینہ کی کشاکش کے سوانح و حوادث عجیبات و تصادفات غیر منتقلہ بات اور کشش حسن کی کرشمہ سازی سے دوچار نہ ہو کیونکہ اشتہارات حسن کی وہ ضیا جس نے اپنے پرتو سے فضائے ظلمات کے ہر ذرہ کو روشن کر دیا کیا وہ ایک تغافل شعار و مردہ دل انسان کو زندہ دلی کے جامہ سے آراستہ کر کے اُس میں جلوہ نہیں پیدا کر سکتی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حسن ہی کی جلوہ تابی سے عالم کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ فطرتی طریقہ سے خدائے قدوس کی قدوسیت کا پتہ بھی اسی سے لگتا ہے جب کبھی ہم کسی نیکو حسن پر نظر ڈالتے ہیں تو فوراً ہمیں اُسکا صانع یاد آجاتا ہے "اللہ جمیل و یحب الجمال" پس اگر کشش حسن کی جاذبیت ڈال قدر ہے تو لائق صد ہزار رشک ہے وہ انسانی ہستی جو اپنے اندر مقناطیسی جذاب کا مادہ بھی رکھتی ہے

"کبھی صورت کی پرستش رہی سرملت میں"
"حسن سب کے لیے اک رشتۂ ایماں نکلا"

حافظ امام الدین اکبرآبادی

دار و گیر

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب "تمدن" تسلیم۔ تمدن ۵/۱۱ صفحہ ۲۵ پر بسلسلہ دیگر تحریرات۔ ایک خط جوش صاحب کا شائع ہوا ہے۔ گویا یہ جواب ہے۔ ایک رنگین و مترنم ضرورت کا جس کا اعلان اس سے قبل اخباری دنیا کو پہنچ چکا ہے گو وہ بے دردی و بے مذاقی۔ کوئی حضرت سے پوچھے، جناب حسن کی خانگی بارگاہ میں کوئی یوں بے ڈھنگے پن سے بات چیت کیا کرتا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ میل ٹرین کے ٹکٹ کا سودا ہو رہا ہے" معلوم ہوتا ہے، کہ ہمارے دوست نے تہذیب جدید کے امتحان اعلےٰ میں امتیاز بخش نمبر ہنوز نہیں پائے۔ اسلیے ان کو معذور خیال کر کے نیز اس لحاظ سے بھی کہ ایلچی اقاصی تادیب سے معاف ہوتا ہے۔ سردست جواب کو اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) "سائلان نیاز مندی کی یہ خواہش۔ کہ ان کو بھی کچھ "اتا پتا" بتلا دیا جائے بالکل با موقع و مناسب ہے۔ درخواست کے الفاظ اگر تہذیب جدید سے غیر مانوس نہ ہوتے۔ تو آج کی ڈاک سے۔ فوٹو کی دو کاپیاں ان کو بھیجدینے میں کوئی مضائقہ خیال نہ کیا جاتا۔ مگر موجودہ درخواستوں کو فی الحال خارج از بحث مان کر۔ اعلان سابقہ کے سلسلہ میں ضروری امورات کو شائع کیا جاتا ہے "تاکہ بھولی غلطی کا ازالہ ہو جائے

(۳) فی الحال نام کو پردہ میں رکھا جاتا ہے "عمر ۲۵ سال۔ بدن گداز۔ چہرہ نہایت قبول صورت ہاں کسی قدر ناک چوڑی اور گول ہے۔ اکثر جاپانی چہروں سے مقابلہ ہو چکا ہے اور فتح پائی ہے "دانت پہلے بلاشک ٹیڑھے ترچھے چھوٹے بڑے۔ تھے لیکن چند سال تک مسلسل غور کرنے کے بعد ابھی حال ہی میں دہلی کے مشہور دنداں ساز "سید علوی" سے

درست کرایے گئے ہیں اب ان کا لیول یکساں ہے اور بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ آنکھیں یورپین معیار پر پوری ہیں بال سر کے سیاہ اور پرورش کے بعد بہت لانبے ہو گئے ہیں۔ ان میں سرخ ریشمی فیتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ شب کی آغوش میں برقی قمیل رہی ہے۔ جوڑہ میں سُنہرا بین جسکے سرے پر ہلال بنا ہوا قیامت کر رہا ہے۔ پاؤں۔ حنا و بسی عطریات۔ سدیشی روغنیات۔ اور ماکل مشارب ملائس تعلقی نفرت۔ ہے کوئی نام بھی لے دیتا ہے تو سر گرانی پیدا ہو جاتی ہے رنگ سفید زردی مائل رسٹ واچ چشمہ۔ بٹنی بیگ چھتری۔ پوڈر۔ دورین سے بہت شوق ہے۔ اور تحفہ میں زیادہ انھیں کو پسند کیا جاتا ہے۔ فارسی کو پسند نہیں فرماتی ہیں اُردو بول لیتی ہیں مڈل تک تعلیم پائی ہے خط وکتابت ماند و بود میں گفتگو انگریزی میں کرتی ہیں پیانو بجانے میں بہت مشہور ہیں گانا اور بال میں ناچنا یہ تو ان ہی کا حصہ ہے اور اسکی داد انکو بمبئی میں مسز.... سے مل چکی ہے۔ تاش چوسر میں ملک کے بہترین ہمدرد نسواں حضرت کی ممیز و ممتاز شاگرد ہیں ٹینس اور شطرنج میں اُس اللہ کے بندے سے فخر تلمذ ہے جس نے اپنی زندگی کو تبلیغ نسواں اور تفریح نسواں کے لیے وقف کر دیا ہے انگریزی نظم میں مسز نائیڈو اور ٹگور سے غائبانہ استفادہ کیا ہے مصوری میں راوی ورما سے کچھ ورک حاصل کیا ہے۔ رینا لڈو شیکسپیر کے تمام ناولس۔ سبقاً سبقاً خود پڑھے ہیں اور اکثر کو پڑھائے بھی ہیں نہ صرف انکا مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ عملاً بھی بعض سے فائدہ اُٹھایا ہے اُردو کتابوں میں بہار و انس کا ترجمہ اور جان صاحب کا دیوان ہر وقت مطالعہ میں رہتا ہے۔ اخلاق و خیالات نہایت وسیع و آزاد و بلند ہیں نفرت و تعصب کسی مذہب سے نہیں اپنے لیے کوئی مذہب ابھی تک پسند نہیں کیا۔ اسکا فیصلہ شادی کے بعد کیا جائیگا۔ اور شوہر کے مشورہ پر اسکا انحصار ہے۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں بہت ہی ہنس مکھ ہیں۔ اوقات کی بہت پابند ہیں

اندھیری راتوں میں کم سے کم سب ماہیں زیادہ سبزہ زاروں آبشاروں کی سیر فرمائی ہیں دریائی سیر و تفریح کی بہت شائق ہیں۔ شہر کی اونچی سوسائٹی میں بہت مشہور و مقبول ہیں۔ مقامی آفیسرز سے بخلص تعلقات ہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کی بیگم صاحبہ سے خاص مراسم ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بھی راے ہے کہ سوسائٹی خواتین میں ایسی تعلیم یافتہ روشن خیال خاتون ابھی تک انھوں نے نہیں دیکھی۔ مسلمان اسکول کے جلسوں میں ان کو خاص اقتدار حاصل ہے۔

(۴) مندرجہ بالا حالات سرسری معلومات پیدا ہو جانے کے واسطے ہر امیدوار کے لیے کافی ہیں تو فوراً پانچ روپیہ وصول ہونے پر روانہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی کو اگر ہیڈ آفس دیکھنا ہو۔ تو تھیٹر اور بائیسکوپ میں جاتے ہوئے۔ بطور خود دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ اس طریق پر ہیڈ آفس خود دیکھنا معنی سب اور خالی از تکلف نہیں۔ لیکن کون کوشش کرنے والا مطمئن رہے ناکام نہیں رہ سکتا۔

(۵) اسی سلسلہ میں ان درخواستوں کے متعلق جواب بھی ریدیا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو جوں صاحب نے پیش کیا ہے۔

درخواست ۱... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ نماز پڑھتے وقت تکبیر پڑھائی اور نہیں جہر کرتے ہیں یہ ایسا نقص ہے کہ اسپر غور نہیں کی جا سکتی۔ خانوں کو اندیشہ ہے کہ ذکی تصویر خرابی اور دیر بیداری میں روزانہ سخت تکلیف ہوا کرے گی۔ اتحاد و مذاق پیدا نہ ہوگا۔ لہذا نامنظور۔

درخواست ۲... ملاحظہ ہوئی چونکہ موچھیں بہت لانبی ہیں جبتک اسکے بارے میں اصلاح نہ حاصل کی جائے درخواست قبل از وقت ہے۔ لہذا بجنسہ واپس۔

درخواست ۳... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ بیوی موجود ہے۔ اور یہ نہیں ظاہر کیا گیا۔ کہ حاصل کو مطالبہ بیوی سے فرقت ہے یا نہیں لہذا ناقص درخواست ہے کوئی کوشش نہیں

دیا جائے گا۔ نیز بلا کسی حکم کے واپس ہے۔

درخواست ۴۷ ... ملاحظہ ہوئی۔ یہ سائل دماغی عارضہ میں مبتلا معلوم ہوتا ہے یقیناً دیوانی ہوگا۔ لہٰذا نامنظور۔

درخواست ۵۰ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کی مالی حالت اچھی نہیں بقول عالیجناب شامل ہونی چاہیے تھی۔ نیز اس کے متعلق ایک ضمانت نامہ درخواست کے ساتھ شامل ہونا چاہیے خلاف فطرت مذاق کا فی الحال کوئی اثر تو باقی نہیں ہے اگر ہے تو کسی وقت مزید تحریر۔ یا تقریر یا بطور اشارہ۔ کنایہ بواسطہ یا بلا واسطہ۔ یا مذہب ترغیب نہ دیوے و ملوسات یا مذریعہ جبر و تخویف مجرمانہ مسابقہ مذاق کو بند کرنے کی کوشش بلحاظ ضابطہ پیروانہ کریں گے۔

درخواست ۵۲ ... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ سائل کی شخصیت جداگانہ طور پر قائم نہیں ہوئی۔ اور مالی حالت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لہٰذا بلا کسی حکم کے اصل درخواست واپس

درخواست ۵۳ ... ملاحظہ ہوئی ... حسب شرح صدر۔

درخواست ۵۴ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل نے یہ امر ظاہر کیا۔ کہ بیرسٹری کی آمدنی اوسطاً کیا ہے۔ اکثر بیرسٹر محض کورے (خدانخش) ہوتے ہیں قانون دانی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں یوروپین لائف بسر کرنا ان کو آتا ہے۔ اس چنداں ضرورت نہیں بیگم صاحب اس خاص بارہ میں کسی امداد کی ضرورت مند نہیں۔ سائل بلا اپنی آمدنی کے باقی اعداد لکھنے چاہئیں۔ ڈاڈھی مونچھ صاف کرنی پڑیگی اس کے لئے روپیہ کا انتظام کرنے کے لیے روپیہ ایک سال تک دو میل دور دیا جائیگا۔ اس کی تمام قضا پڑھنی ہوگی۔ تاکہ بیگم صاحب کو تکلیف نہ ہو۔ بحرحوالی میں حرج نہ پڑے۔ بیگم صاحبہ۔ نیز اس کی سیر دیکھنی چاہتی ہیں اسکے کل اخراجات

فرسٹ کلاس مع ایک ملازم کے شادی سے پہلے ماہ بعد بشرطیکہ موجودہ جنگ اندریں عرصہ ختم ہو جائے۔ ادا کرنے ہوں گے۔ اسقدر رعایت دیجا سکتی ہے کہ اگر وہ خود جانا نہ چاہیں تو یہیں رہ جائیں۔ آمدنی کے دو ثلث بیگم صاحبہ کو ہر ماہ ادا کرنے ہوں گے۔ اور اس کی تعداد تخمیناً وہی ہونی چاہیے جو اوسطاً آج تبلائی جائے اپنے کسی رشتہ دار کو اس مکان میں وہ نہ رکھ سکینگے جو بیگم صاحبہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ بیگم صاحبہ کی کسی رائے میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ نیز بیگم صاحبہ کے متعارف افراد کی آمد و رفت پر کوئی نوٹس نہ لیا جا سکے گا۔

درخواست مورخہ ۹... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کو آئندہ ہر طور پر بیگم صاحبہ اپنی فرزندی میں بعد شادی۔ بشرط درخواست جدید قبول فرما سکیں گی۔

راقم ب

مکرر:

اڈیٹر صاحب۔ مشرق۔ اس جواب کو مشرق میں جگہ دینگے تو بڑی فائدہ ہوگا۔

۹۲

غزل

ادھر ہوتے جانا جو اُٹھو۔ مکاں سے — تکلف ہے کیا، تم کو اک نیم جاں سے
خبر ہے مجھے، آ رہے ہو، جہاں سے — بس اب چپ رہو کچھ نہ کہنا زباں سے
کروں مے کے کیا، دل میں اُس مہ کا جو — نہ جس کو بیاں کر سکوں میں زباں سے
نہ پوچھو مرا حال، میں یوں بھی خوش ہوں — نرالا ہے دُکھ میرا سارے جہاں سے
نہیں در خورِ برق بھی ہائے قسمت — چمکتی ہے بچ کر مرے آشیاں سے
میسر تو ہوں آشیانے کو تنکے — اجازت بھی لے لینگے ہم باغباں سے

سنا تلے تو ہو حال دل اُن کو علوی — اثر آپ لائیں گے کیسے کہاں سے

ظفر احسن صاحب علوی
ناظم دائرۃ الادب دہلی

خانہ جنگی

(سلسلہ کے لیے نمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

(۶)

سلطان محمدؒ اور وہ فوج جو دربار غزنی سے ہرات آئی تھی۔ اور جس کا سپہ سالار یوسف تھا۔ وہ یکم ماہ رمضان المبارک ۴۲۱ھ کو یہاں پہنچی۔ اور موضع نگیر آباد کے قریب زمین گیر ہوی

اس فوج کو یہاں بیکار پڑے پڑے کامل ایک ماہ گذر گیا۔ اس بیت و بعل کی ایک وجہ روزہ داری بھی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اس تساہل سے سپاہی گھبرا گئے۔ اور اس امر کو سلطان محمد غزنوی کی عدم شجاعت اور بے حوصلگی پر محمول کیا۔ فوج میں عام طور پر بددلی پھیل گئی۔

عین عید کے روز جب شاہی لشکر جشن منانے میں مصروف تھا تو ایک خاص واقعہ رونما ہوا جس کو امر اتفاق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اُس نے عوام کے دل پر خاص اثر ڈالا یعنی دفعتہً سلطان محمدؒ کے سر سے تاج گر پڑا۔ اور عام سپاہیوں نے اس سے فال زوال لی۔ تمام لشکر میں اس واقعہ کا افسانہ بیان ہونے لگا۔ اور اس پر عجیب و غریب پہلوؤں سے رائے زنیاں ہونے لگیں۔ حتی کہ انقلابی آثار نظر آئے۔ امرا و سردارانِ فوج کے تیور بدل گئے۔ بالآخر ان لوگوں نے سلطان کے خلاف سازش کی کھچڑی پکائی۔

ادھر شہزادہ مسعود کی قابلیت و شجاعت کا نقش دل پر گہرا تھا۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف۔ علی خویشاوند حسن وغیرہ امرائے جو خود سلطان محمدؒ کے دست و بازو تھے اور جن پر سلطان کو اعتماد اور اُن کی خیر خواہی پر ناز تھا۔ سلطان کو اسیر کر لیا۔ اس کی نقد بصارت لے لی اور اُسے خلج میں نظر بند کر دیا۔ یہ حادثہ شہر شوال ۴۲۱ھ کو واقع ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہ!

اس کارروائی کے بعد یہ سب سرغنے یوسف۔ علی۔ وغیرہ مع فوج شہزادہ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ کارروائی محض حضور کی خاطر کی ہے۔ آیئے آپ کے لیے تختِ غزنی حاضر ہے!

شہزادہ مسعود نے یہ المناک روئداد سنی تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں نے یہ بہت بُرا اور میری منشا کے بالکل خلاف کیا۔ میں ہرگز ایسی بے رحمی اور غداری کا روادار نہیں! تم نے اپنے آقا کے ساتھ جب یہ سلوک کیا تو مجھے بھی تم سے محض اسی قسم کی توقع ہو سکتی ہے! پس شہزادہ مسعود نے ان باغی امرا کو عبرت انگیز سزائیں دے کر بھائی کا انتقام لیا۔ چنانچہ حسن اور علی کو تہ تیغ کرایا اور یوسف کو نظر بند!

بدقسمت سلطان محمدؒ نے گو آٹھ سال سلطنت کی۔ لیکن حکومت کامیاب نہیں ہوئی۔ وجہ یہ کہ عام رائے آغاز ہی سے اسکے خلاف اور شہزادہ مسعود کے حق میں تھی۔ جب اظہار شجاعت کا موقع آیا تو سلطان محمدؒ مقابلہ میں لیت و لعل کرنے لگا۔ جسے فوج نے بزدلی۔ اور خوف کا کافی نتیجہ سمجھا۔ لشکر میں بد دلی پھیلی۔ حتیٰ کہ بالآخر اُسکے ہواخواہوں اور دوستوں ہی نے اسے اسیر کر لیا۔ بدقسمت سلطان کے اس نامبارک انجام سے عام رائے کی قوت کا پتہ لگتا ہے۔

شہزادہ مسعود کا طرز عمل۔ صلہ رحم اور اخلاقی و مذہبی نقطۂ خیال سے کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو۔ لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک خوفناک غلطی اور ناقابل معافی گناہ تھا۔ چنانچہ مسعود کو اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ آئندہ واقعات اس اجمال کی تفصیل ہیں۔

(۷)

مغربی پنجاب کے ایک قطعہ پر جس کا موقع موجودہ جغرافیہ کے مطابق پشاور ہو سکتا ہے۔ احمد نامی ایک سردار حکومت کرتا ہے۔ یہ اب سے چند ماہ پیشتر تک خزانۂ غزنی میں خراج بھیجتا رہا ہے۔ لیکن زمانۂ مسعودی میں اس نے خراج کی ادائیگی بند کر کے اظہار تمرد کیا ہے لہذا اسکی سرکوبی کے لیے مسعودی فوجیں مغربی پنجاب میں خیمہ انداز ہیں۔

یہ احمد دراصل عہد محمودی میں خزانۂ غزنی کا خزانچی تھا۔ اس نے تغلب و خیانت کی۔ سلطان محمود نے اسے جرمانہ و قید کی سزا دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کا قصور معاف کر کے اسے پنجاب کے اس حصہ کی حکومت دیدی لیکن یہ شخص نیک طینت نہ تھا۔ کہ سلطان کے اس سلوک کا ممنون ہوتا۔ اب سلطان مسعود کے عہد میں اُس نے اپنی طبیعت کی خباثت ظاہر کی کہ سرکش ہو بیٹھا۔ سلطان نے اسکی سرکوبی کے لیے ایک ہندو جنرل ناتھ کو بہت سی ہندو فوج دے کر اس طرف بھیجا۔

الغرض میدان کارزار گرم ہوا۔ شمشیر ہندی نے خوب جوہر دکھائے لیکن بالآخر احمد غالب رہا۔ جنرل ناتھ مع اپنی تمام ہندو فوج کے سر میدان اپنے آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی پر نہایت وفاداری

قربان ہو گیا!

یہ المناک اطلاع، دارالخلافہ غزنی پہنچی تو سلطان نے اور فوج بغرض انتقام دسرکوبی دشمن بھیجی یہ بھی ہندو فوج تھی اور اسکے جنرل کا نام تولک (تلک) تھا۔

احمد ایک ہی چلتا پرزا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو جو دربار غزنی سے کشیدہ خاطر تھے اپنے اردگرد جمع کر کے گانٹھا اور انھیں اپنا دست و بازو بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس معرکہ میں یہ سب لوگ شریک ہوئے۔

جنرل تلک سے احمد کی معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ ایک جانب احمد باغی مع اپنے باغی دوستوں کے سینہ سپر تھا۔ اور یہ سب لوگ مسلمان اور اُن لوگوں کی یادگار تھے۔ جن کا مجاہدانہ جوش استیصال کفر و ضلالت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ خود جڑ اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنی مرکزی طاقت کی کمزوری کے خواہاں ہیں۔

دوسری جانب ہندو جنرل تلک ہے جو اپنے مسلمان آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی کی حمایت میں جاں فروشی کر کے حق نمک خواری و وفاداری ادا کر رہا ہے۔ ہندو فوج اسکے زیر کمان ہے لیکن مسلمان امرا اسکی پشت پر موجود ہیں۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ ہے ؎

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

کئی روز خونریز معرکے ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ آخر کار غزنوی اقبال غالب آیا۔ باغی احمد اور اُسکے سرکش رفقا مغلوب و مقہور ہوئے جنرل تلک نے باغی جمعیت کاٹ کر رکھ دی، بقیۃ السیف کو اسیر کر لیا۔

احمد دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اس میں غرق ہوا۔
سلطانی فوج فتح کے نقارے بجاتی ہوئی غزنی کو واپس ہوئی۔

(۸)

سلطان مسعود اپنے بھائی محمدؒ کی معزولی اور نظر بندی کے بعد ۴۲۱ھ میں جلوہ آرائے تخت غزنی ہوا۔ اس کا عہد حکومت اندرونی فتنوں کے دبانے، سلاجق کا زور توڑنے اور مہمات ہند میں صرف ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان مسعود کو باوجود شجاع اور لائق ہونے کے آغاز حکومت ہی میں ناکامی ہوئی اسکی سب سے بڑی وجہ علی خویشاوند اور حسن بن محمدؒ وزیر وغیرہ امرا کا استیصال و سزا دہی تھی۔ دراصل ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا وہ مسعود ہی کے واسطے کیا تھا۔ اگرچہ اس میں اُن کی اپنی خود غرضی کو بھی دخل تھا۔ اسلیے مسعود کا یہ طرز عمل عجیب و غریب اور ایک سیاسی غلطی تھا۔ ایسے مواقع پر اس مزاج کے امرا کو معاف ہی کر دینا مناسب ہوا کرتا ہے۔ مسعود اس نکتہ کو نہ سمجھا۔ اس نے اپنے حامیوں کو سزا دی۔ جس کا اُسے خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ اُن اُمرا کے متعلقین و متوسلین اور اُن سے ہمدردی رکھنے والے تمام سردار دل میں سلطان سے ناراض تھے۔ اگرچہ سلطانی رعب و اقبال نے اُن کی دہن دوزی اور زباں بندی کر رکھی تھی۔ لیکن دل و دماغ ہر حال آزاد رہتے اور برابر اپنا کام کیے جایا کرتے ہیں۔ جذبات پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ گو وہ صندوق سینہ سے دہن تک آنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ان باتوں کا ظاہری نتیجہ یہ تھا کہ قوم کی متفقہ قوت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا تھا۔ یاد ش بخیر اسوقت محمودی زمانہ کا جوش و خروش اور شوق

جانبازی۔ غزنی میں ڈھونڈے نہ ملتا تھا حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود کے بعد اسکا ایک جانشین بھی اس دل و دماغ کا نہ نکلا ؎

قیس سا کوئی بھی اٹھا نہ بنی عامر میں!
فخر ہوتا ہے گھرانے میں سدا ایک ہی شخص

سلطان مسعود غازی نے معاملات ہند کی جانب توجہ مبذول کی جس میں اُسے خاطر خواہ کامیابی ہوی۔ چنانچہ قلعہ سرستی (سرہند) ہانسی۔ سونی پت۔ (نواح دہلی) سر کر لیے۔ اور اس طرح قلب ہند میں وہاں تک جا پہنچا جہاں اس سے قبل مجاہد نہ پہنچ سکے تھے۔ اسی طرح کوہستان ہمالیہ کی ایک ریاست پر حملہ کر کے اُسکے راجہ رام کو رام (مطیع) کیا۔

ان واقعات کے بعد سلطان نے اپنے فرزند شہزادہ ابوالمجد کو حکومت لاہور پر مامور کر کے خواجہ ایاز کو اسکا اتالیق اور مدار المہام مقرر کیا۔ اور خود غزنی واپس چلا گیا۔ اسلیے کہ سلاجقہ سر اُٹھا رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلاجقہ نے سلطنت غزنی کی جڑیں ہلا دیں۔ سلجوق ابتداً ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا رفتہ رفتہ اس نے طاقت اور پھر پولیٹکل اہمیت اختیار کی۔ امیر سبکتگین کے عہد تک حکومت ان لوگوں سے نرم و گرم سلوک کرتی رہی۔ اور یہ بھی پالیسی سے کام نکالتے رہے۔ چنانچہ انھیں کئی بار سزائیں اور معافیاں دی گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ارباب حل و عقد انکو خانہ بدوش غارتگروں سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ مگر یہ غلطی تھی۔ کیونکہ اس طرح انھیں ترقی کا موقع مل گیا۔ اور پھر انھوں نے زیادہ ہاتھ پاؤں نکالے۔ حتّٰی کہ سلطان محمود غازی کو بذات خاص حملہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوی۔ چنانچہ سلطان نے اپنی دانست میں ان کی طاقت کو پامال کر دیا۔ بقیۃ السیف سلاجقہ طالب

امان ہوئے اور سلطان نے ان کا قصور معاف کرکے انھیں خراسان کے مشرقی حصہ میں آباد کر دیا۔ لیکن یہ ایک خوفناک سیاسی غلطی تھی۔ خراسان کے آرام طلب اور کمزور باشندے ان شورہ پشتوں سے کب عہدہ برا ہو سکتے تھے۔

سلطان مسعود غازی بھی مثل اپنے بزرگوں کے سلاجق کو محض ناقابل التفات سمجھتا رہا۔ لیکن یہ جن دنوں ہندوستانی مہمات میں مصروف تھا۔ تو اُن لوگوں نے سخت سر اُٹھایا۔ یعنی ماوراء النہر اور خراسان میں ہنگامہ تاخت وتاراج گرم کیا۔ سلطان کو اطلاع پہنچی تو ان کی سرکوبی کے لیے بلخ کی جانب کوچ کیا۔ لیکن یہ مہم فی الحال ملتوی کرنی پڑی۔ اور اس نے پہلے قزخان (والی ترکستان) کے ملک پر جو ابھی ابھی فوت ہوا تھا۔ لشکر کشی کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس میں متوقع کامیابی حاصل کی مگر اس تعویق سے سلجوقیوں کو اجتماع افواج کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے زور شور سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ساتھ ہی ساتھ بلخ میں تاخت وتاراج شروع کردی۔ اس لیے سلطان نے بلخ کو کوچ کیا۔

یہ دیکھکر سلجوقیوں کا سپہ سالار جعفر بیگ مرو کی سمت پسپا ہو گیا۔ سلطان اسکے تعاقب میں گیا۔ لیکن اس نے اپنے میں طاقت مقابلہ نہ دیکھکر مصالحت کرلی۔ گو یہ محض دفع الوقتی تھی۔

اس اثنا میں ایک مکروہ حادثہ واقع ہوا۔ جس سے غزنویوں کے مستقبل پر سخت اثر پڑا۔ ان دنوں دارالامارت (غزنی) بالکل خالی تھی دشمنوں نے موقع تاڑا۔ طغرل بیگ سلجوقی سپہ سالار یلغار کرتا ہوا غزنی پہنچا اور غیر معمولی دلیری اور جرأت کرکے شاہی اصطبل کو لوٹ لیا۔ عہد مسعودی کا یہ ایک نامسعود واقعہ ہے۔ اس سے آیندہ کے لیے حکومت کی بے رعبی ہو گئی

اس حادثہ سے دولت غزنویہ کی بداقبالی اور سلجوقیوں کی اقبال مندی کی فال لی گئی۔

سلجوقی، اب بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اُن کی ایک جماعت نے دفعتہً سلطانی فوج پر حملہ کر کے اُسے نقصان پہنچایا مگر گرفتار ہوئے اور ان کو مع زن و فرزند تہ تیغ کر کے مقتولین کے سر گدھوں پر لاد کر سردار ترکمان (بغو) کے پاس بھیجے گئے۔ بغو نے اس واقعہ سے لاعلمی ظاہر کی اور اظہار تاسف کر کے طالب معافی ہوا۔

سلطان نے طوس پہنچ کر سلجوقیوں کو ایک شکست فاش دی۔ اور اب طغرل بیگ کی سزادہی پر آمادہ ہوا جس نے غزنی پر چھاپہ مارنے کی جرأت بے جا کی تھی۔ لیکن طغرل پہاڑوں کے درمیان میں سر چھپاتا پھرا۔ اور سامنے نہ آیا۔ دراصل یہ ایک جنگی چال تھی۔

اسوقت غزنی کی فوجیں طوس میں زمین گیر ہیں۔ باوجود سلطان کے دعوت جنگ دینے کے سلاجقی مقابلہ کو نہیں نکلے۔ موسم خوب سرد ہے برف باری نے ہر طرف راستے مسدود کر دیئے ہیں حالت یہ ہے کہ اگر سلطانی فوج غزنی کو واپس جانا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس فوج کا سلسلہ غزنی اور تمام چھاؤنیوں سے منقطع ہو چکا ہے۔

اس موسمی تغیرات نے جنگی حالات بھی بالکل تبدیل کر دیئے۔ گویا نقشہ ہی بدل گیا۔ یا تو سلاجقی چوہوں کے مانند بلوں میں سر چھپاتے پھرتے تھے یا اب حشرات الارض کے مانند گویا فشکم زمین پھاڑ کر نکل آئے۔ گویا وہ نہایت ہوشیاری سے مناسب موقع کے انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اگر موقع ہوتا تو اس وقت مقابلہ سے گریز کیا جاتا

کیونکہ دشمنوں کی تعداد کثیر تھی۔ لیکن جب سلطانی فوج گویا دشمنوں کے محاصرے میں آئی ہوئی تھی تو پھر سوائے مقابلہ کے اور کیا چارۂ کار تھا؟

الغرض لشکر آرائی۔ اعلان جنگ، اور پھر مقابلہ و مقاتلہ شروع ہوا۔ مگر نہایت زور شور سے فریقین نے نہایت دلیری اور بے جگری دکھائی۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ جن میں بہادروں کے سر۔ اعضاے بریدہ اور نعشیں غوطے کھا رہی تھیں۔ کامل تین روز تک موت کا بازار گرم رہا۔ ہزاروں بہادر مولی گاجر کے مانند کٹ گئے۔

مقابلہ کانٹے کی تول ہو رہا تھا کسی فریق کا پلہ اُٹھا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ کہ دفعتہً سیں بدل گیا۔ تیسرے روز چند غزنوی اُمرا جو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان سے ناخوش تھے۔ دشمنوں سے جا ملے۔ گو یہ واقعہ بھی بجاے خود کچھ کم اہم نہ تھا لیکن اس نے توقع سے زیادہ اہمیت اختیار کی۔ ان نمک حرام اُمرا کے چلے جانے سے دوسرے سردار اور امیروں کے جذبات بدل گئے فوج میں بالعموم بددلی پھیل گئی جس کا ابتدائی نتیجہ یہ تھا کہ بہادروں کے ہاتھ اُٹھنے لگے۔ لیکن بیدلی سے رُک جاتے تھے۔ اُنکے دلوں میں پہلا سا جوش نہ تھا۔ اسکے مقابلہ میں دشمن کا دم خم وہی تھا۔ بلکہ وہ غزنویوں میں سستی کے آثار دیکھکر اور زیادہ دلیری کا اظہار کر رہے تھے۔

میدان کا رنگ بدلا دیکھکر سلطان کی رگ حمیت بھڑکی۔ خون کھولنے لگا اس نے بہ نفس نفیس دشمنوں پر حملہ کیا۔ اور کئی خونخوار دشمنوں کو آناً فاناً خاک و خون میں ملا دیا۔

لیکن باایں ہمہ غزنی فوج کی مجموعی حالت اچھی نہ تھی۔ بہت سے بہادر، خوفناک دشمن کی تلوار سے کٹ گئے۔ بقیۃ السیف کے پاؤں میدان سے اُکھڑ گئے

اور اُس نے فرار اختیار کیا۔ ان لوگوں کے سر پہ ایسی دہشت سوار ہوئی کہ انھیں اپنے سلطان کی حفاظت جان کا بھی خیال نہ رہا۔ سلطان کے اردلی رسالہ کا سپہ سالار اور سپاہی بھی میدان میں نہ ٹھہرے اور سلطان مسعود کو دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ گئے۔

سلطان، تن تنہا میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ ہزاروں دشمن اُسکے چاروں طرف تھے۔ لیکن باایں ہمہ اُسکے تیور ذرا بھی میلے نہ تھے۔ اُسکے دل میں خام کو تشویش یا خوف نہ تھا۔ بلکہ وہ استقلال کا پتلا نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا چاہا۔ سلطان نے عزم کیا کہ دشمنوں کے نرغہ سے نکلے۔ چنانچہ اُس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور معجزانہ طریق پر اپنا گزر گراں چاروں طرف گھماتا ہوا دشمنوں کے نرغہ سے چل دیا۔

سلطان کی ذاتی شجاعت و دلیری ضرب المثل تھی۔ سلاجقہ ہزار بہادر ہوں۔ لیکن شاہی رعب یہاں اپنا کام کر رہا تھا۔ سلطان برابر گھوڑا دباے چلا جاتا تھا۔ لیکن کسی سلجوقی کی اتنی مجال، اتنی جرات نہ تھی کہ بڑھکر اُسے روکتا اُسکا گھوڑا جس طرف پہنچتا تھا۔ دشمن وہاں سے خود بخود ہٹ جاتے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ گویا اس کا اقبال اُسکے آگے آگے راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ سلطان میدان جنگ سے صحیح سلامت مرو جا پہنچا۔

(۹)

آج کی رات قافلوں کے دل کے مانند غیر معمولی طور پر سیاہ۔ تاریک۔ خوفناک اور بھیانک ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا قریب تک کی چیز نظر نہیں آتی۔ زوال ماہ قمری کی انتہائی تاریخ پھر ابر سیاہ کا آسمان پر تسلط مزید برآں۔

نصف سے زیادہ شب گذر چکی ہے۔ دنیا میں تاریک پردہ پڑا ہوا ہے، ہر طرف سناٹا۔ ہو کا عالم اور خاموشی ہے۔ پتہ تک کھڑکنے کی آواز نہیں سُنائی دیتی۔ ہاں کبھی کبھی بجلی چمک کر اور کڑک کر لحظہ بھر کے لیے اس خاموش و تاریک سین میں خلل انداز ہوتی ہے، مگر پھر بدستور سناٹا ہو جاتا ہے۔

اس وقت قلعۂ غزنی کے اندر شاہی محلات سے بہت فاصلہ پر ایک مکان کے اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے۔ باہم گفت و شنید کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے چہرے مُہرے اور خط و خال سے اعلےٰ طبقہ کے رکن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خوفناک منصوبہ کی پکھڑی پکا رہے ہیں۔

ایک۔ یہی ایک طریق ہے کہ ہم اپنے دشمن سے انتقام لے سکتے ہیں۔

دوسرا۔ مگر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہیے!

تیسرا۔ خوف کا کوئی مقام نہیں سلیمان! (پہلے شخص کا نام) ہم لوگوں کا بال تک بیکا نہ ہوگا! اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

سلیمان۔ ہاں شہزادہ صاحب (احمد بن سلطان محمد) جب آپ یہ فرماتے ہیں تو پھر ہمیں کیا اندیشہ؟!

شہزادہ احمد۔ آپ لوگ بالکل مطمئن رہیں۔ میں سب دیکھ لونگا حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت ظلِ سُبحانی ہم لوگوں کے درپے نہ ہوں گے۔ کیونکہ اسی میں اُنکا فائدہ ہے کہ یہ "ہستی" صفحہ دنیا پر نہ رہے۔

ابن علی خویشاوند۔ (تیسرا شخص) قسمت سے یہ موقع بھی خوب ہے۔ کیسی تاریک رات ہے۔ ایسا ہی وقت ایسے نازک کاموں کی انجام دہی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ گویا اس وقت قدرت ہماری تائید۔ اور امداد کر رہی ہے شہزادہ صاحب! باقی باتوں کا انتظام آپ نے کر لیا ہوگا؟!

شہزادہ - ہاں ہاں! تمام کام بلا مزاحمت ہو جائیگا۔ تمام انتظام کر لیا گیا ہے۔

سلیمان - تو پھر اب تاخیر نہ کرنی چاہیے!

ابن علی - بہتر - بسم اللہ!

یہ کہہ کر ان تینوں شخصوں نے لباس تبدیل کیا - چنانچہ وہ سرتاپا سیاہ ملبوس میں پوشیدہ ہو گئے - حتّٰی کہ ان کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے، اور چہروں پر سیاہ نقاب پڑے ہوئے تھے - ان لوگوں نے تیز خنجر لباس کے اندر چھپا لیے تھے -

یہ لوگ پیچدار راستوں اور تاریک گلیوں سے گذر کر شاہی محلات کے قریب جا کھڑے ہوئے - یہاں پہنچ کر وہ لمحہ کے لمحہ رُکے - اور پھر باہم کچھ اشارہ کر کے جانب مشرق چلے - اور ایک عظیم الشان عمارت کے پھاٹک پر جا کر ٹھٹکے اب شہزادہ آگے بڑھا - اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پہرہ دار سنتری - گہری نیند میں غرق خراٹے لے رہے ہیں - احمد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا - اور ان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا -

شہزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا - اور ایک کنجی نکالی اور اُسے پھاٹک کے قفل میں داخل کیا - پھر نہایت آہستہ سے پھاٹک کے دروازے کھولے گئے - اور جب یہ تینوں آدمی اندر داخل ہو گئے تو پھاٹک اندر سے بند کر لیا گیا - یہ تمام کارروائی ایسی تیزی، ایسی عجلت، اور ایسی احتیاط سے عمل میں آئی کہ بہ حالات ظاہر پہرہ دار سنتری اس سے بالکل بے خبر تھے - اور ہنوز گہری نیند میں غرق!

اس عمارت کے اندر جو دراصل شاہی بندی خانہ ہے اور جس میں بالکل قیدی رکھے جاتے ہیں ایک چراغ نہایت دھیمی روشنی سے

جل رہا تھا۔ اندر داخل ہونے والوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نہایت رعب دار اور چمکدار ہے پلنگ پر پڑا بے خبر سو رہا ہے! نو واردوں نے اندر کے سین کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

ان لوگوں کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب چاروں طرف بلا کی تاریکی تھی۔ سین پر پردہ پڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کے بعد "شپ شپ" کی آواز سنائی دی! اور اسکے بعد ایک دردانگیز انسانی چیخ کی آواز، پھر بدستور سابق۔ بالکل خاموشی اور سناٹا!

پھاٹک احتیاط سے کھولا گیا اور اُسکے اندر سے تینوں آدمی باہر نکل کر بے تحاشا بھاگے! شاید اسی آہٹ سے پہرہ دار سنتری بیدار ہو گئے چند منٹ کے بعد جب آنکھیں ملنے سے فارغ ہوئے تو پھاٹک کھلا دیکھکر چور چور کا غل کر کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مگر چور نکل چکے تھے۔ اب وہ ڈرتے ڈرتے پھاٹک کے اندر داخل ہوئے اور بڑی دشواری سے چراغ جلایا مگر اب انکی آنکھوں کے سامنے قیامت کا سین تھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ خون! اُف سلطان، خون!"

سلطان مسعود کو سلجوقی مہم میں ناکامی ہوئی۔ غزنوی تاریخ میں یہ ایک خاص واقعہ تھا۔ تاہم سلطان۔ اپنی بے نظیر ذاتی شجاعت اور دلیری کی بدولت اپنی جان، دشمنوں کے نرغہ سے نکال لایا۔ سلجوقیوں کو تعاقب کی جرأت نہ ہوئی۔ سلطان رے جا پہنچا اور وہاں اکثر مفرور سپاہی اُس سے

آ ملے۔

سلطان مسعود کوچ کرتا ہوا بخیریت تمام غزنی جا پہنچا۔ اور اپنی فوج کے اکثر مفرور سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں نظر بند کیا۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن فتنہ سلاجیق کا نتیجہ غزنویوں کے حق میں نامبارک نکلا۔ تمام ممالک محروسہ میں بے رعبی پھیل گئی۔ یہی واقعہ زوال غزنویہ کی تمہید بنا۔ اور آخر کار ایک روز سلجوقی خانہ بدوش دہقان سے سلطان بن گئے۔

فتنہ سلاجیق ایک طرف، دوسری جانب امرائے غزنوی کا تمرد اور نااتفاقیاں، ملک کے امن و امان کو سوخت اور سلطان مسعود کی حکومت کو ناکام ثابت کر رہی تھیں۔ سلطان موجودہ حالات میں شریروں کی قرار واقعی سرکوبی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اُسکے دماغ نے ایک جدید منصوبہ سوچا۔ اس نے عزم کیا کہ لاہور (ہندوستان) پہنچکر اور وہاں سے فوجی بمعیت لے کر سلاجیق وغیرہ سرکشان غزنی کا قلع قمع کرے۔ اُسے اپنے کئی ماتحت اور دوستدار، ہندو راجگان و اُمرا سے بھی امداد کی توقع ہوگی۔ ہندو فوج اور ہندو سپہ سالاروں پر وہ کامل اعتماد رکھتا تھا۔ جو سلطان محمود کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک بیشمار مواقع پر جاں نثاری اور وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک افسوسناک اور خطرناک مغالطہ تھا۔

سلطان نے فی الحال معاملات غزنی کا یہ انتظام کیا کہ اپنے فرزند اکبر امیر مودود کو حکومت بلخ پر مامور کیا۔ علاوہ ازیں شہزادہ ایذ یار کو حکومت غزنی اور امیر کو ملتان کی حکومت سپرد کی۔ اور ان انتظامات سے فارغ ہو کر خود ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔ تمام قیمتی سازوسامان اور شاہی

خزانہ، اونٹوں پر بار سلطان کے ہمراہ تھا۔ اور لاہور منزل مقصود۔

سلطان مع اپنے ہمراہیوں کے کوچ کرتا ہوا نواح راولپنڈی تک آپہنچا۔ لیکن جب وہ موضع مارگلہ کے قریب پہنچا تو ایک نہایت افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی ہمرکاب غلاموں نے (زیادہ ہند و کم ترک) خزانہ اور قیمتی مال و اسباب، لوٹنا شروع کیا۔ حتّٰی کہ تمام زر و جواہر قبضہ میں کر لیا۔ سلطان کے ہمراہی اُمرا، اور سپاہی، اس واقعہ کو خاموش دیکھا کیے۔ ان میں سے کسی نے اُنگلی تک نہ ہلائی۔

سلطان مسعود، اپنے معذور و معزول (سلطان) بھائی (محمدؐ) کو بمقتضائے سیاست اپنے ہمراہ لایا تھا دور اندیشی یہ کی تھی کہ اس کی غیر حاضری میں ناراض اُمرا وغیرہ کہیں اُسے تخت غزنی پر قابض نہ کرا دیں لیکن اس کا ساتھ لانا اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ سلطان کے ہمراہی غلاموں اور اُمرا نے محمدؐ کو آزاد کر کے اُسے سلطان بنایا۔ اور اب ان لوگوں نے سلطان مسعود کے خیمہ پر حملہ کر دیا!

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام معاملات کی پیشتر ہی سے سازش اور بخیت پڑ چکی تھی اور مخالف پارٹی نے پہلے ہی ہر طرح کا انتظام کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان جیسا شخص، جو سلجوقیوں سے بچ کر نکل آیا تھا۔ بہ آسانی اس جال میں پھنس گیا۔

سلطان مسعود کو فی الحال سوائے اسکے چارہ کار نہ نظر آیا کہ سرائے مارگلہ میں محصور ہو جائے چنانچہ اس نے یہی کیا۔ مگر امرا نے حق رفاقت ادا نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسیر کر کے نابینا بادشاہ محمدؐ کے روبرو پیش کیا گیا اور اسے نظر بندی کا حکم ہوا۔

معزول سلطان مسعود اس حالت میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہا۔ بلکہ زمانہ اسیری سے بہت تھوڑے عرصہ بعد نبدی خانہ میں شہید کیا گیا۔ اسکے قاتل سلیمان بن یوسف۔ ابن علی خویشاوند۔ اور شہزادہ احمد بن سلطان محمدؒ تھے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ سلطان محمدؒ اس سازش قتل سے بے خبر اور ناواقف تھا۔

سلطان مسعود نے سلیمان کے باپ یوسف اور علی خویشاوند سے جس قسم کا سلوک کیا تھا اُس کی تفصیل اوپر گذری۔ پس ان لوگوں نے اس طرح اپنا اپنا انتقام لیا۔ اور شہزادہ احمد بن محمدؒ کو بھی اپنا شریک حال کیا کہ دارو گیر سیاست سے محفوظ رہیں۔ اور اس طرح سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی جیسی اہم ہستی کا خاتمہ ہوا۔

اقبال محمودی اور زوال مسعودی کے اسباب وعلل کی تلاش بجائے خود دلچسپ اور مستقل بحث ہے۔ لیکن یہ ہمارا افسانہ اس طویل اور خشک تاریخی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا! وہ مضمون مستقل فرصت چاہتا ہے!!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

غزل

شاید نصیب ہوں بت ایماں شکن کے پاؤں — چھوتا ہوں جا کے دیر میں میں برہمن کے پاؤں
دیکھا ہے اس نے کس گل رعنا کو باغ میں — حیرت سے لڑ گئے ہیں جو سرو چمن کے پاؤں
کرنا ہے امتحاں کشش حسن کا اسے — رکھتی نہیں ہے شمع جو باہر لگن کے پاؤں
نقش قدم سے نقشۂ گلزار کھنچ گیا — کیا گل کھلا گئے ہیں مرے گلبدن کے پاؤں

باسط رسا ہو طالع نا سازگار یوں
اپنا سر نیاز ہو اُس سیمتن کے پاؤں — باسط بسوانی

قلب

قلب یوں تو مخروطی شکل میں گوشت کا ٹکڑا ہے، لیکن اب اسکو کیا کہیے کہ حضرت رب العزت نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ایسی زبردست پسند پر کس کو مجال سخن ہے۔

تفہیم کلام کے لیے، اسکو تین اقسام میں منقسم فرما لیجیے۔

الف صحیح (زندہ)

ب علیل۔

ح مردہ۔

صحیح اور زندہ کو "سلیم" بھی کہتے ہیں، اسکی تعریف میں اہل دل نے مختلف تقریریں کی ہیں، مگر حاصل کلام یہ ہی ہے کہ وہ قلب جو ذوالجلال والاکرام کی مرضی میں عموماً مصروف ومشغول ہو کر غیر اللہ کی رضاجوئی سے بے نیاز ہو، جسکا اکل وشرب جسکی نقل وحرکت یا جسکا عزم وارادہ سب اللہ ہی کے واسطے ہو جسکا سب باتوں میں دستور العمل یہی ہو جو سرکار دو عالم فداہ امی وابی نے اپنے اسوۂ حسنہ میں اپنے غلاموں کے لیے چھوڑا ہے، "قلب سلیم" کہلاتا ہے اور یہی ایک چیز ہے جو ہم سے حقوق اللہ کے سلسلے میں مانگی جائے گی اور کام آئے گی" (یوم لاینفع مال ولا بنون الا من اللہ بقلب سلیم) مال یا اولاد کچھ کام نہ آئے گا مگر قلب سلیم"

اکابرین سلف کہہ گئے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق دو سوال ہونگے (ایک یہ ہوگا کہ کیوں کیا، دوسرا یہ ہوگا کیونکر کیا)۔ پہلا سپرد مبنی ہے کہ کرنے کی غرض کیا تھی یعنی رضائے معبود مقصود تھی یا رضائے عبد، دوسرا سپرد مبنی ہے کہ طریق عمل اسوۂ محمدی کی تعلیم سے اخذ کیا یا ہوا و ہوس بندہ بھی شامل تھی کیونکہ حکم یہ ہے کہ بس اتباع شریعت فوت نہ ہونے پائے (یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ) اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ اور اسکے رسول سے پس ان دونوں سوالوں کے واسطے ہر شخص کو اپنے پہلو میں قلب سلیم کی جستجو چاہیے، جسکے قلب میں

عملاً تلاش موجود ہے وہی قلب سلیم ہے۔

علیل وہ ہے جسمیں موت کے آثار بھی پائے جائیں (ایسا قلب کبھی روشن ہوجاتا ہے کبھی تاریک جب زندگی سے مانوس ہوتا ہے تو اسوقت صبر و شکر حمد و ثنا و ذکر شغل میں مصروف ہوتا ہے جب موت کی کیفیت اسپر محیط ہوتی ہے تو معبود کو بھول کر عبد کی پرستش کرتا ہے۔ اس مقام پر یہ غور کرنا اچھا ہے۔ کہ ہم دل کی بیماری میں تو مبتلا نہیں۔

مردہ وہ ہے، جو شیطان رجیم کی بد فریبیوں کا شکار ہو کر اپنے خالق سے باغی ہوجاتا ہے مردہ دل کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ مجکو کبھی مرنا بھی ہے اپنے اقوال و افعال کی جوابدہی بھی کرنی ہوگی، موت سے غفلت پیدا ہوجانا اسکا نام مردہ دلی ہے؛

مذہب کہتا ہے کہ زندہ دلی ہی مقصد آفرینش ہے، وہ حضرات جو آج دنیا میں زندگی کی پکار مچائے ہوئے ہیں، ان سے پوچھنا چاہیے کہ تمھارے پہلوؤں میں دل بھی زندہ ہے؟ لعنۃ اللہ علی الکاذبین"

اکثر وہ حضرات جو ہر وقت قومی ترقی کا بے ہنگام راگ سُنایا کرتے ہیں انپر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر مسیحائی کا دعوی ان لوگوں کو زیب دیتا ہے اور ہنسی آتی ہے کہ سویا ہوا سوئے ہوئے کو بیدار کرنے کا خواہاں ہے مگر خود بیدار نہیں ہوتا۔

کیا مسلم کی زندگی یہ ہے کہ وہ حالت حاضرہ کے موافق ہر قت اُن خیالات میں پھنسا رہے جو اسکو زندگی سے محروم کیے ہوئے ہیں مسلمانوں کی ترقی یہ تو نہیں ہے کہ ہم دنیاوی ضروریات و مصالح کے بنا پر اپنی حسیات کو ٹھکرا دیں۔ کاش ہم میں اب تو کچھ وہ لوگ پیدا ہوں جو ہر وقت ہمکو زندہ دلی کی جانب بلاتے ہوں کہ قومی ترقی کا راز اسی زندہ دلی میں پوشیدہ ہے۔

العجب ہم اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر تو کرتے ہیں لیکن اسکا کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ عزت و ترقی کی معراج تک پہنچانے والی ہماری پالیسی اور رویہ بزدلی نہ تھی بلکہ زندہ دلی اور حق پسندی تھی جس نے ساری دنیا کی حکومت جسنے ساری بادشاہت و ریاست ہمکو بخش دی تھی، پس آج مسلم ہستی کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف وہی سادہ اسلامی زندگی ہے جو دنیاوی مذہبیت و تہذیب سے متخاصم ہو۔ اور قلب سلیم پیدا کرنے والی ہو۔ اور بس"

سید ظفر حسن علوی۔ ناظم دائرۃ الادب دہلی

ہلال عید

ہے جلوہ زار جو طغرائے عید کے ہلال
فلک کے شیشۂ دل میں پڑا ہوا ہے بال

یہ کس حسین نے پھینکا ہے کاٹ کر ناخن
کہ حل عقدہ دل میں نہیں رہا اشکال

حجاب نازہ سے کس نے دکھا دیا ابرو
لڑی ہوئی ہیں نگاہیں جمے ہوئے ہیں خیال

یہ کون اشارۂ انگشت سے بلاتا ہے
کہ دل بکف نظر آتے ہیں آج حور جمال

جھکی ہوئی ہے یہ چھوٹی سی شاخ نخلہ طور
زمانہ ہے ارنی گو مگر وہ محو جمال

یہ کس کے ابرو خمدار کے اشارہ سے
ہوا ہے شیشۂ دل ٹوٹ کر ہلال ہلال

یہ کس نے میکدۂ چرخ میں جما ہی لی
شراب تاب شفق میں پھر آ گیا ہے اُبال

مگر اشارۂ ابرو سے کہہ رہا ہے فلک
کسی کی حلقۂ گوشی میں کٹتے ہیں مہ و سال

مگر یہ ماہی دریائے نور وحدت ہے
شناوری میں جسے ایک رو ٹھہرے گا کمال

مگر یہ ناخنۂ دیدۂ فلک تو نہیں
دکھا رہا ہے ہمیں دور سے جو شکل ہلال

مگر یہ نون کو لکھا ہے خط طغرا میں
تو عید سنانے کو ہے مہ شوال

خراش ناخن وحدت نے عید الگ کر لی
بنے ہوئے ورق دل پہ ہیں ہزار ہلال

بچھا ہے جال ستاروں کا چرخ نیلی پر
کہ حسن ماہ نے سینہ کو کر دیا غربال

گلے میں ڈال کے باہیں کسی سے عید ملو
دکھا رہا ہے ہمیں شام ہی سے طرز وصال

ابھی تو جام ہلالی میں ہے مئے سرجوش
اُبل پڑے گی تجلی تو ہو گا ماہ کمال

کمال حسن کے دفتر میں چار چاند لگیں
گر آج آئینہ دیکھے کوئی پری تمثال

یہ اتفاق کہ برسات میں پڑی ہے عید
بگو بہ ساقی پیماں شکن مقال مقال

دلوں میں نور کا دریا بڑھا اُٹھیں موجیں
جبین صاف ہے ساقی کی غرۂ شوال

نگاہِ مست نے بھیجا ہے ایک استفتا — بتائیں حضرت مفتی کہ آج تو ہے حلال؟
یہ جوشِ عیش یہ حال طرب یہ کیف نشاط — ملیں جو حضرت واعظ تو پوچھوں کیف الحال
جناب شیخ بھی ساقی سے کہہ اُٹھے آخر — ہے بوسہ چینی رخ آج افضل الاعمال
بتا کے فرق مے ناب و آب پاک مضاف — ملا کے جام میں واعظ نے پی کئی مثقال

جمال روئے دل افروز صبح عید عزیز
ہلال ہے اگر ابرو تو رخ دعائے ہلال

عزیز لکھنوی

کام کی باتیں

جو غالب ہے وہ معشوق ہے جو مغلوب ہے وہ عاشق ہے۔ اگرچہ علم صرف کے رو سے خادم مخدوم ہو جاتا ہے۔ مگر مخدوم ہمیشہ خادم ہی رہتا ہے۔

آنکھ سب کو دیکھتی ہے اسمیں خود بینی نہیں۔ مگر افسوس اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی۔

تم کو وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ وقت تمھارا انتظار نہیں کر سکتا۔

موت سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں یقینی نہیں۔ پھر کسی کی وفات پر اچنبھا کیوں ہو زندگی پر تعجب ہو تو یہ کیا نہیں کہ اب تک زندہ کیونکر ہے ؎

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حیوان ناطق کو حیوان مطلق پر اس سے بڑھکر کوئی فضیلت نہیں کہ وہ گذشتہ واقعات سے اطلاع رکھتا ہے۔ اور سیکڑوں عقلا کے تجربے سے ایک فرد واقفیت رکھتا ہے۔ اور یہ صرف علم کی وجہ سے۔

دنیا میں دوستی سے بڑھکر کوئی نازک رشتہ نہیں ؎ اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر بنے ✦ دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست ✦ قرابت مندی کے رشتے ٹوٹ ہی نہیں سکتے چاہے ہزار بے لطفی ہو۔ دوستی کے رشتے کو مضبوط رکھنے والے بڑے مرد ہیں ؎ خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم ✦ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینہ کو ✦

مولانا سید خیر دربھنگوی

واردات فراق پر ایک نظر

ماہ جون کا رسالہ تمدن پہنچا۔ واردات فراق کا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے میں جہاں جہاں اُلجھا گیا۔ اُسے قلمبند کروں

صفحہ ۱۹ پر ام سلمہؓ کی عمر سنہ ہجری میں اندازاً تیس سال بتلائی گئی ہے ہم کو عمر کا حساب اسطرح نکالنا چاہیے۔ کہ سنہ وفات سنہ ۶۰ بعمر ۸۴ سالہ ہے اسلیے سنہ ہجرت میں انکی عمر ۲۴ سال ہونی چاہیئے

(۲) صفحہ ۲۱ پر ام سلمہؓ نے اپنی زبان سے اپنی ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب بتلایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مضمون نگار نے صاحب روضۃ الاحباب کا تتبع کیا ہے۔ انکی ماں کا نام عاتکہ ضرور ہے۔ مگر یہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہیں۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں۔ یہ صاحب روضہ کا سہو قلم ہے۔ منشاء غلطی یہ ہے کہ عاتکہ بنت عامر اور عاتکہ بنت عبدالمطلب ایک ہی شوہر کے گھر میں تھیں۔ عبداللہ ابن ابوامیہ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اور ام سلمہ کی والدہ عاتکہ بنت عامر ہیں۔ یعنے عبداللہ اور ام سلمہ علاتی بہن بھائی ہیں۔ مہاجر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ کے برادر شفیق ہیں۔ یہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارت لیکر گئے تھے۔

(۳) صفحہ ۲۲ پر سولھویں سطر سے آخر صفحہ تک۔ اور صفحہ ۲۳ پر آٹھویں سطر سے بارھویں سطر تک ام سلمہؓ غائبانہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پکار رہی اور ہمدرد کر رہی ہیں اگر یہ کوئی روایت ہے۔ تو حوالہ درج کرونیا ضروری تھا۔ ورنہ مورخ کو اختلافات فقیہ میں صرف تخیل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

(۴) صفحہ ۲۶ پر ابوسلمہ کا رونا۔ نبی صلعم کے چشمان مبارک میں پانی بھر آنا بیان کیا گیا ہے۔ کاش یہ کوئی روایت ہوتی۔ ورنہ دور باش ادب کب اجازت دے گا۔

(۵) صفحہ ۲۶ پر اُم سلمہ کا منہ پر نقاب ڈالے آنا بیان کیا گیا ہے۔ گویا سنہ ہجری میں آیت ستر کا نزول ہو چکا تھا۔

(۶) ام سلمہؓ کا ابوایوب کے گھر میں بحضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ابوایوب کے گھر میں حضور کا قیام صرف ۷ ماہ تھا۔ اور ام سلمہؓ کی مدت فراق کتابوں میں ایک سال لکھی ہے۔ پس اگر حضور کی یہ روایت صحیح ہو تو جمع روایات کا طریق ظاہر کر دینا تھا۔

ایک ناظر

ناجائز تقلید

سب سے پہلے کہ میں کچھ لکھوں اپنے معزز بھائی بہنوں سے معافی چاہتی ہوں کہ اگر کوئی جملہ کسی کے ناگوار خاطر گذرے تو معاف کریں۔ آجکل عموماً اکثر تعلیم یافتہ گھروں میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ماں باپ۔ نانا۔ دادا کی تقلید باعث فخر سمجھتے ہیں اپنی ذات میں تقلید کوئی بُری چیز نہیں ہے مگر جب ہم بُری چیزوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں تو وہی چیز جو اچھی چیزوں کے لیے استعمال کی جاتی لوگوں کی نگاہوں میں بُری ٹھہرتی ہے۔ ہمارے بھائی بہن اُن اچھی باتوں کی تقلید نہیں کرتے جو ان کے بزرگوں میں قابل فخر اور قابل تقلید تھیں بلکہ ہمیشہ بُری باتوں کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سنت نبوی بالائے طاق رکھکر اپنے بزرگوں کی تقلید فرض سمجھنے لگے ہیں۔ میں کچھ مردوں ہی کو نہیں کہتی بلکہ اکثر تعلیم یافتہ بہنوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جو بہت ہی قابل افسوس ہے اور اس کا اثر اولاد پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ شوہر پرستی تو بہت کم دیکھی جاتی ہے بلکہ شوہر کو دبا کر رکھنا آجکل فیشن میں داخل ہے۔ حال کا ذکر ہے کہ میں ایک روز کسی بہن کے پاس ملنے کے لیے گئی تھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ باہر آدمی نے آواز دی کہ نصیباً سرکار آگئے ہیں اور چاء باہر منگوائی ہے جلد بھیجدیجیو اور کچھ گلوریاں بھی بنوا کر لے آؤ ڈپٹی صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں نصیباً نے بیگم صاحبہ سے آن کر کہا بیگم صاحبہ بالکل بے پرواہی سے سُنکر چپ ہو گئیں تھوڑی دیر بعد پھر دوسری آواز آئی اسپر بیگم صاحبہ نے بہت ہی جھنجھلا کر ماما سے کہا کہ کہدے ٹھہر جا ایسی کیا جلدی پڑی ہے۔

اسقدر زور سے کہا کہ آواز باہر تک گئی۔ میاں دل میں بہت ہی نادم ہوئے چونکہ بازار قریب ہی تھا آدمی بھیج کر چاول وغیرہ منگوا لی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ماما نے آن کر کہا کہ بیگم صاحبہ بہت دیر ہوگئی ہے کچھ گلوریاں بنا دیجیے آدمی پکار رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ بیگم صاحبہ آگ بگولا ہوگئیں ماما کو بہت سخت سست کہا گھر سے نکال دیا۔ میں نے کہا کہ بہن اُسکا کیا قصور ہے کیوں بیچاری پر ظلم کرتی ہو تو کہنے لگیں کہ بہن وہ بہت گستاخ ہوگئی ہے اور ماسوائے اسکے مردوں کو زیادہ سر پر نہ چڑھانا چاہیے اماں جان تو ابا کو مُنہ نہیں لگاتیں اماں جان جو کہتی ہیں وہ ابا فوراً سُن لیتے ہیں اُنکی بہت ہی اچھی عادت ہے آخر وہ بھی تو مرد ہیں۔ واہ کیا خوب؟ مطلب یہ ہے کہ جیسا اماں نے ابا کو رکھا ہے ویسا میں بھی رکھوں گی۔ استغفراللہ کیسے افسوس کی بات ہے کہ ایسی تعلیم یافتہ پڑھی لکھی لڑکی کے دل میں ایسے خیالات ہوں؟ ایک یہ ہی نہیں بلکہ میں ہزاروں لڑکیوں کو بتلا دوں گی کہ جن لڑکی کو شوہر پرست خدمتگذار سُنتی ہیں نظرِ حقارت سے دیکھتی ہیں اور فخریہ اپنی سہیلوں سے کہتی ہیں کہ میں نے اُن کو ایسا رکھا ہے جو کہتی ہوں وہ مانتے ہیں اور میرے کام میں کچھ دخل نہیں دے سکتے غرض ایک ایک طرح سے شیخی مارتی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی دوسروں کو حرص اُٹھتی ہے بعض کامیاب ہو جاتی ہیں بعض اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتی ہیں۔ اکثر مردوں کی بھی یہی حالت ہے کہ باپ دادا کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے باپ دادا میں چند خوبیاں ہوں گی ہم اُسکی کیوں نہ تقلید کریں جس میں کُل اوصاف موجود ہوں۔ وہ کون ہے؟ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جن میں دنیا بھر کی اچھی اچھی خوبیاں موجود تھیں اور جن کی تقلید بھی ہم مسلمانوں پر فرض ہے۔

اُن بھائی بہنوں کو جو تقلید کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں دیکھنا چاہیے کہ پیغمبر خدا کا برتاؤ اپنی بیویوں سے کیسا تھا اور بیویاں کیسی خدمتگزار تھیں۔ یہ ایسی تقلید ہے کہ اسکو ہر انسان کر سکتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک اور بچے سے لے کر بوڑھے تک ان کی تقلید کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو بادشاہ بن کر رعایا کو خوش رکھنا حکومت کرنا سیکھے تو رسول خدا سے سیکھے۔ جو فقیری سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے۔ جو بزرگوں کی اطاعت سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے اولاد کی محبت وہ رسول خدا سے سیکھے۔ بیویوں سے محبت وہ رسول خدا سے سیکھے اور بیویاں اون نیک بیویوں سے سیکھیں مہمان نوازی وہ رسول خدا سے سیکھے کہ آپ مہمانوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔ احسان کرنا یا احسان ماننا وہ رسول خدا سے سیکھے۔ تہذیب وہ رسول خدا سے سیکھے۔ غرض کہ کل اوصاف ہمارے پیشوا نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ تبلائیے دنیا میں تقلید کے لیے ہمارے واسطے اور کوئی ایسا نمونہ مل سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیا ہمارے باپ دادا میں یہ خوبیاں اتنی نہ سہی اس میں سے دو چار بھی مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہم ان کی تقلید کو فخر سمجھیں یہ کم عقلی ہے؟

ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر گذار ہونا چاہیے کہ اُسنے ایسا بہترنمونہ دنیا میں ہمارے لیے چھوڑا ہے کہ جس کی دوسری نظیر ملنا محال بلکہ ناممکن ہے پس ہم کو بھی وہی چال اختیار کرنی چاہیے نہ کہ باپ دادا اماں کی اندھی تقلید۔

مسز مرزا حسین علی بیگ فرحت

(علیگ)

بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر

دنیا میں اعتقاد بھی عجیب و غریب چیز ہے۔ ہم اگر کسی چیز کی طرف کوئی خیال قائم کر لیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پھر اسکے متعلق ہماری تمام معلومات اُسی خیال کے ماتحت ہوں گی۔ ایک شخص کو ہم اچھا یقین کرتے ہیں اب یہ ہماری اعتقادی مجبوری ہے کہ اسکی طرف سے اپنی قوتِ نقد کو ضعیف و کمزور پاتے ہیں، اس شخص کی ہر بُری بات بھی ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو کوئی دوسرا بھی اپنی رائے کے خلاف کہتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی تاویل اپنے ذہن میں کر لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر کسی شخص کی طرف سے بُرا خیال بدقسمتی سے قائم ہو گیا ہے تو پھر ہم اس شخص کے اندر کوئی اچھی بات نہیں پاتے، یہانتک کہ ہم بداہت کے ساتھ اسکے بعض محاسن کو دیکھتے ہیں، لیکن سمجھتے ہیں کہ اسمیں بھی کوئی مکر و فریب ہے ورنہ اس شخص میں بھلائیاں کہاں سے آئیں۔ دنیا میں بہت کم افراد اس طبیعت کے ہوں گے کہ باوصف کسی چیز کی طرف کوئی خاص اعتقاد رکھنے کے وہ اپنی قوت انصاف کو قائم رکھ سکیں، ورنہ اکثر صورت میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ اعتقاد حقیقتاً ایک حجاب ہے جو چہرۂ صداقت پر ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اسکا اُٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس عہد حکمت و فلسفہ میں بھی اسکا فقدان نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسی مضرتیں اسکی پہلے کسی زمانہ میں رہی ہوں گی، ایسی ہی اب بھی ہیں اور چونکہ ان مضرتوں کا اثر بہت عام ہے اسی لیے مذہب بھی اس سے نہیں بچ سکا اور اسکو بھی سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ اسوقت مذہب کے

متعلق دو خاص گروہ ہیں۔ ایک تو وہ جو اُسے مع تمام حشو و زوائد کے بھی صحیح سمجھ رہا ہے اور چونکہ یہ اسکا اعتقادِ کامل ہے اس لیے کوئی صورت اسکو اس خیال سے ہٹا نہیں سکتی اور نہ کوئی دلیل اسپر کارگر ہو سکتی ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہب کی ہر بات کو غلط سمجھتا ہے خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو اور اسی طرح وہ بھی کسی برہان کے سامنے سر عجز خم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ اول الذکر طبقہ میں عام جہلا شامل ہیں اور دوسرے طبقہ میں آج کل کے فلاسفر یا پھر اُن سے بھی زائد وہ نوجوان طلبہ جنھوں نے کالجوں میں رہ کر سوائے اسکے کچھ حاصل نہیں کیا کہ مذہب لغو ہے، مذہب بیہودگی ہے، مذہب درندگی کو کہتے ہیں، مذہب ایک بیجا پابندی کا نام ہے اور مذہب مجموعہ ہے خلاف عقل و حکمت باتوں کا چونکہ یہ خیال اُنکے دماغ میں اعتقاد کی حد تک مرتسم ہو جاتا ہے اسلیے وہ اپنے عقیدہ کے خلاف کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کرتے اور ان کا ذہن چونکہ یہ یقین کر چکا ہے کہ موجودہ فلسفہ و حکمت سے زیادہ سچائی کسی میں نہیں ہے اس لیے وہ اسکے خلاف کسی امر کو نہیں مان سکتے خواہ اسکا تسلیم کرانے والا مذہب ہو یا کوئی اور چیز وہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ہکسلے یا ڈارون کے مُنھ سے نکل جائے وہ کبھی جھوٹی ہو ہی نہیں سکتی اور جس امر کو یوروپ والے تسلیم کر لیں اسکو نہ ماننا سخت جہل و حمق ہے۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ اسپر ان کا فلسفہ اور مذہب دونوں اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف اس وجہ سے اُسے تسلیم کر لیں گے کہ فلسفہ ایسا کہتا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ مذہب یہ بتاتا ہے اور یہ بیہودگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ واقعات تاریخ کو بھی ہم اس سے مستثنیٰ نہیں کرتے اور خود اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیات کا بھی اسوقت تک یقین نہیں کرتے جبتک یوروپ اسکی تصدیق نہ کرے۔ اور اس کی مثال میں بہت سے ایسے حضرات مل جائینگے

جو رسول اللہؐ کے حالات سے صرف اس وجہ سے اور اس حد تک واقف ہیں کہ وہ کسی (Life of Mahmd) لائف آف محمد میں درج ہیں نہ اس لحاظ سے کہ ان میں کسی عربی سیرۃ یا خود اپنی مادری زبان کی تاریخ کا اعتبار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یہ عام خبط ہو رہا ہے کہ مذہب سے صرف اس حد تک اعتنا کیا جائے جس حد تک وہ فلسفہ و حکمت کے مطابق ہو۔

یا اگر کسی نے مذہب پر بڑا رحم کیا تو اس طرف تھوڑی سی توجہ ہوئی کہ مذہب کو فلسفہ و حکمت کے مطابق ثابت کیا جائے۔ حالانکہ یہ دونوں سخت غلطیاں ہیں قبل اس کے کہ مذہب فلسفہ کا زیر بار احسان بنایا جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ پہلے خود اصول فلسفہ کو دیکھا جائے کہ وہ بھی صحیح ہیں یا نہیں اور پھر اگر وہ یقینی طور سے صحیح ثابت ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مذہب سے اسکو انٹرڈیوس کرایا جائے، ورنہ اسکی کیا ضرورت ہے۔ اب اس مسئلہ پر غور کیجیے کہ تحقیقات حکمت کس حد تک قابل یقین ہے۔ سو اس کا حال تو یہ ہے کہ اسکا ہر زمان میں ناقابل یقین ہونا ہی حکمت کی ترقی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر آج کوئی مسئلہ حکمت جدیدہ کا ایسا نکل آئے کہ اسپر ہر طرح یقین کرنا ضرور ہو تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اب فلاسفر اسکی آئندہ تحقیق کی طرف سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اس لیے فلسفہ کا عجز نام ہے یقین کا نہ کہ تکمیل حکمت باعث ہوتی ہے کسی مسئلہ کے صحیح باور کرانے کی۔ اور ہم آج کی صحبت میں اسکو اجمال کے ساتھ بیان کرینگے کہ واقعی اصول فلسفہ کس حد تک اعتبار و یقین کے لائق ہیں۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمت نظری ہے دوسری عملی۔ حکمت نظری تو وہ جسکی تحقیق صرف ہمارے معلومات میں اضافہ کا باعث ہو جیسے کرہ ہائے

آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا علم اور حکمت عملی وہ جو ہماری زندگی کے لیے مفید ہو مثلاً علم طب، علم الکیمیا، علم جر ثقیل وغیرہ۔ پھر چونکہ دنیا میں دو طرح کی چیزیں ہیں محسوس وغیر محسوس، اسلیے حکمت چار قسموں میں منقسم ہوی :-

(۱) حکمتِ نظری متعلق بہ اشیا محسوسہ (۲) حکمت نظری متعلق با شیا غیر محسوسہ۔ (۳) حکمت عملی متعلق بہ اشیا محسوسہ (۴) حکمت عملی متعلق با اشیا غیر محسوسہ اور ان چاروں کی بنیاد اس زمانہ میں استقرار (Induction) پر قائم ہے ہر چند پہلے زمانہ میں بھی استقرار اصل بنیاد فلسفہ کی تھی لیکن اسپر اسقدر انحصار نہ تھا جیسا آجکل ہے اور اسمیں کلام نہیں کہ بدون استقرار و تفحص کے کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو اس استقرار پر کس حد تک اعتبار کرنا چاہیے اور کس حد تک وہ یقین کے لائق ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ بنانے کے لیے ضرورت ہے کسی ایسی تحقیق کی جو ہر زمان اور ہر حال میں یکساں طور سے صحیح ثابت ہو اور اگر کوئی ایک مثال بھی دنیا میں ایسی مل جائے جو مستثنیٰ ہو سکے تو وہ اصول کلیہ نہیں بنسکتا (ع خوبرویاں ہمہ دارند لیکن) کا مشہور مسئلہ ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اب غور کیجیے کہ کیا کسی ایسے علم میں جس کی بنیاد صرف استقرار پر ہے ہم کوئی اصول کلی قائم کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جس وقت تک استقرار تام (نہ ہو اسوقت تک ہم کبھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات تمام افراد میں اسی طرح پائی جائے گی۔ اور جس وقت تک کوئی حکم تمام افراد و جزئیات پر حاوی نہو۔ اُسے حکم عام یا اصول کلیہ میں داخل نہیں کر سکتے۔ اشیا غیر محسوسہ میں تو استقرار کا گذر بہت کم ہے بلکہ نہونے کے برابر ہے اس لیے حکمت کی دو قسمیں تو بدا ہتہً ناقص قرار پائیں۔ رہگئیں اشیا محسوسہ سو ان کا بھی چونکہ استقرار تام نہیں ہو سکتا

اس لیے باقی دو قسمیں بھی نامکمل رہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ استقرار لغو و بیکار چیز ہے بلکہ مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسپر اعتبار کر کے کوئی قطعی حکم کسی چیز کے بابت نہیں لگایا جا سکتا اور نہ قانون فطرت (Law of Nature) کا سپر منحصر ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف اسقدر کہ (Inductive Conclusions are probable Mathematically)

نتائج استقرار اغلباً صحیح ہیں" اور اس صورت میں اسکا ضعف و نقصان ظاہر ہے اب ہم چند مثالوں سے سمجھائیں گے کہ استقرار میں کسقدر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اسکے نتائج کتنے تغیر پذیر ہیں۔

(۱) ایک زمانہ تھا کہ ترکیب جسم صرف چار عناصر سے سمجھی جاتی تھی، لیکن اب استقرار نے ثابت کیا کہ یہ غلط ہے بلکہ ۶۴ اشیاء بسیط و مفرد ایسی دریافت ہو چکی ہیں جو عناصر میں شامل ہیں۔ لیکن کیا اب یقینی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ صرف اسقدر اجزاء ہیں اور ان میں اضافہ ممکن نہیں۔ جس طرح چار سے ۶۴ ہو گئے اسطرح بالکل ممکن ہے کہ مزید استقرار انھیں سیکڑوں کی تعداد میں ثابت کر دے۔

(۲) پہلے یہ بات مسلمات میں داخل تھی کہ کل حیوان یحرک فکہ الاسفل (یعنی ہر جاندار کھانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) لیکن ایک زمانہ کے بعد تلاش سے معلوم ہوا کہ تمساخ (مگرمچھ) سب جانوروں کے خلاف اپنا اوپر کا جبڑا ہلاتا ہے۔ چلیے یہ کلیہ بھی ٹوٹا۔ اور ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ صرف یہی ایک جانور ایسا ہے یا اور بھی بہت سے ایسے ہیں چونکہ ہم دنیا کے تمام جانوروں کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہمارا استقرار اس مسئلہ میں ہمیشہ ناقص رہے گا۔

(۳) یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شرط رویت نور روشن ہے۔ یعنی جبتک

روشنی ہو اسوقت تک رویت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ لیکن امریکہ میں ایک عورت ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ایسی ہوی ہے جو اندھیرے میں سخت تاریکی میں اور آنکھ بند کرکے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی چونکہ ایک مثال ایسی ملگئی ہے اس لیے یہ بھی کلیہ نہ رہا۔ اسپر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اسکا ایسا کرنا کسی خاص عمل مسمریزم کی وجہ سے تھا کیونکہ وجہ جو کچھ بھی ہو بہرحال یہ کلیہ بھی ٹوٹتا ہے جسکو ہم قانون فطرت سمجھے ہوے ہیں۔

(۴) ایک زمانہ تک یہ بات یقینی طور سے صحیح سمجھی جاتی تھی کہ مقناطیس سے اُسکی کشش کسی وقت زائل نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر وقت اور ہر حال میں جاذب ہے مگر بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ زلزلہ کے وقت اسکی جاذبیت جاتی رہتی ہے اور اسکی کہربائیت سلب ہو جاتی ہے۔

(۵) کسی جاندار شے کے اگر ہم ٹکڑے کردیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی اصول حکمت میں داخل ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جانور ایسا بھی ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہو جاتا اور عرصہ تک جیتا رہتا ہے۔ اور وہ جانور ہیدرا ہے کہ اگر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کردیں تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہر ٹکڑا بڑھکر ایک مستقل کیڑا ہو جاتا ہے اور ہر ینگنے لگتا ہے۔ اسی طرح مینڈک کی خاک بارش میں ہزاروں مینڈک پیدا کردیتی ہے۔ اسلیے وہ اصول وبقا فنا جو ہم نے قائم کیے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور نہ اسکے متعلق قانون فطرت وہ ہے جو ہم نے سمجھا ہے

یہ بہت معمولی معمولی سی باتیں ہیں جن سے اصول فلسفہ وسلمات حکمت مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ یہ باتیں اصول میں داخل نہیں ہیں اسلیے ہم ان کو اب زیادہ پیش نہیں کرتے اور آیندہ صحبت میں خاص ان مسائل پر گفتگو کرینگے جو سب کے نزدیک مسلمات میں داخل ہیں اور دکھائینگے کہ ان پر

کتنے شبہات وارد ہو سکتے ہیں اور ایسے شبہات جن کا رد ممکن نہیں مثلاً ہوا کا ثقل زمین کی کشش وغیرہ اور پھر اسکے بعد ہم دکھائینگے کہ ہمارے وہ معتقدات جو خالص مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہیں کسقدر مستحکم اور غیر متزلزل ہیں۔

نیاز فتحپوری

لکھنؤ سے روزانہ اخبار

کسی دوسری جگہ ہم ایک اعلان شائع کرتے ہیں جو سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ "ہمدم" نے اشاعت کے لیے ارسال کیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ لکھنؤ سے "ہمدم" نامی ایک روزانہ اخبار نکلنے والا ہے۔ سید جالب صاحب کی ذات کو جو کچھ شہرت اخباری دنیا میں حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ تقریباً ۲۵ سال سے اخباری دنیا میں کام کرتے ہیں اور ہندوستان کے بیشتر قابل قدر اور مشہور اخبارات کی ایڈیٹری کر چکے ہیں جتنی وسیع معلومات جناب میر صاحب کی اخباری معاملات میں ہے اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روزنامہ "ہمدم" موجودہ اخبارات میں انشاء اللہ چند روز میں اپنی امتیازی شان قائم کرے گا۔ آجکل کا زمانہ اخباری دنیا کے لیے جتنا مخدوش ہے وہ ناظرین "تمدن" سے مخفی نہیں۔ مگر میر صاحب کا طرز تحریر اور معاملات کو نہایت خوشگوار صورت میں پیش کرنا غالباً "ہمدم" کو بہت سے خطرات سے محفوظ رکھے گا۔ ہمدم کی ایڈیٹری جن قابل قدر ہاتھوں میں دیگئی ہے اُن سے اس امر کی امید رکھنی کچھ بیجا نہیں کہ ہمدم بہت جلد ایک وسیع حلقہ آبادی کو اپنے زیر اثر لے گا۔ جس وقت تک "تمدن" کا موجودہ نمبر خریداروں کے پاس پہنچے "ہمدم" کے کئی نمبر نکل چکے ہوں گے۔ ہم "ہمدم" کی ناظرین "تمدن" سے خصوصت کے ساتھ خریداری کے لیے سفارش کرتے ہیں "ہمدم" کی سالانہ قیمت ۶ روپیہ شش ماہی ۳ روپیہ سہ ماہی ۱۴ اور ماہانہ ۱ پیسہ ہوگی۔ پتہ کا دفتر روزنامہ "ہمدم" ۲۷ لاٹوش روڈ لکھنؤ

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے ماہ ستمبر کا نمبر ملاحظہ ہو)

آہ میری بہن برس کی کمائی لٹ جائے گی۔ گو تم رشتے میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن اب میں چھوٹی بن کر تم سے بھیک مانگنے آئی ہوں میرا کشکول بھر دو۔ میں اپنے بچے کی خاطر یہ سر تمہارے قدموں میں رکھنے کے لیے تیار ہوں جو سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھکا لیکن میری اچھی بہن اب مجھے ناکام نہ واپس بھیجو۔

جواب میں وہی ناک بھوں چڑھی ہوئی تھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی مثل پر نہایت سختی سے عملدرآمد کیا جا رہا تھا۔ کہا جا رہا تھا کہ چاہے دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے لیکن یہ نسبت تو قیامت تک منظور نہیں کی جائے گی۔ ہم اپنے ہاتھوں لڑکی کو زندہ گاڑ دیں گے یا جان سے مار دیں گے مگر تم یہ چاہو کہ اصغر سے شادی ہو کبھی نہیں ہو سکتی۔

بوا کوئی اصغر میں کیڑے پڑے ہیں کوئی چوڑا چمار ہے یا اُٹھائی گیرا بدمعاش ہے ہاں ہاں وہ بہت اچھا ہے لائق ہے فاضل ہے مگر ہمیں اُسکے ساتھ شادی نہیں کرنا ایک دفعہ کہدیا ہزار دفعہ کہدیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں جو کسی نے آکر اصغر کی والدہ سے کہا۔ یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو گھر جاؤ اصغر میاں تو جنت کو سدھار گئے۔ آہ کسی پر بجلی گرتی ہوگی تو وہ بھی اتنا متحیر اور ساکت نہ ہوتا ہوگا جسقدر اصغر کی والدہ اپنے بیٹے کی خبر مرگ سُن کر تصویر حیرت بن گئی لیکن یہ سکتے کا عالم چند سکنڈ ہی رہا ہوگا کہ آنکھوں میں گریۂ بے اختیار کا ہنگامۂ محشر بپا متلاطم ہوا۔ آگ بھڑکی اور خاکستر سے شعلے

اُٹھنے لگے۔ غریب ضعیف چلائی اور کہا۔ بوغوش ہو جاؤ۔ اب تو ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی مجھے برباد کر کے چین آ گیا۔ سکون اور آرام حاصل ہو گیا۔ وہ پھانس جو کھٹکا کرتی تھی نکل گئی۔ وہ درد جو پریشان رکھتا تھا دور ہو گیا وہ ناسور جو تراوش ریز تھا بند ہو گیا خیر میں کچھ نہیں کہتی اللہ اس ستم کا بدلہ لے گا۔ جیسا تم نے مجھے دلگیر کیا ہے خدا چاہے تو ایسا ہی تمہارا بھی حال ہوگا۔ ڈولی آئی اور یہ روتی ہوئی سوار ہو گئیں۔

اصغر کے چچا اکرام اللہ خاں آخر عزیز ہی تھے خون ملا ہوا تھا فوراً دوڑتے ہوئے گئے دیکھا تو واقعی اصغر رخصت ہو چکا تھا۔ لاش کے پاس عورتوں کو جانے کی سخت ممانعت کر دی یہانتک کہ ایک بچہ بھی بھیک میں نہ گھسنے پایا۔ اس اچانک موت کی وجہ ہیضہ قرار پائی اور یہ ایسی اچھی وجہ تھی جسے باور کرنے میں ہر شخص کو چارہ نہ تھا۔ باوجود اسکے کہ عورتوں کی تعداد معقول تھی مگر کیا مجال جو بین یا نوحہ کرنے کی آواز آئی ہو۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ عصر کا وقت قریب تھا جو جنازہ اُٹھا سبز چادر جس پر کلمہ شریف جا بجا لکھا ہوا تھا شامیانہ رحمت ہو کر میت پر سایہ فگن تھی۔ ہزارہا آدمی جنازے کے ساتھ تھے۔ یا مین کی یہ حالت تھی کہ سر ٹیک رہا تھا۔ ہر شخص کا دل اُمڈا چلا آتا تھا۔ آنکھیں اس کثرت سے موتی برسا رہی تھیں کہ وہ سڑک جس پر سے جنازہ گذر رہا تھا نم ہوتی جاتی تھی۔ نماز جنازہ تین بار پڑھی گئی اب قبرستان قریب آ گیا تھا یا مین نے جلد جلد قدم بڑھائے اور جنازے کے آنے سے پہلے لحد پر پہنچ گیا۔ دو کنٹر گلاب کے اُسکے ہاتھ میں تھے چنانچہ ایک کنٹر قبر کی خشک زمین پر چھڑک دیا پھر گورکن سے کہنے لگا میں نے سُنا ہے تم لوگ کفن کی خاطر مردے کو برہنہ کر دیتے ہو۔ اسکے عوض تم جو چاہو مجھ سے لے لو مگر بھائی میرے بھائی جان کا کفن نہ گھسیٹنا۔ گورکن نے پوچھا صاحبزادے یہ کون صاحب تھے۔ یا مین نے کہا آہ یہ مت پوچھو بس

اتنا جان لو یہ وہ شخص تھا جسکے دم سے ہماری زندگیاں تھیں۔

جنازہ لحد پر لاکر رکھا گیا۔ اور اقربا نے مل کر قبر میں اُتارا۔ دوسرا کنٹر ملا کے کفن پر چھڑک دیا۔ سلیں پٹ گئیں مٹی دینے کے لیے ہزاروں ہاتھ تھے۔ آناً فاناً میں وہ چاند سی شکل روپوش ہوگئی۔ فاتحہ پڑھکر دعاے مغفرت مانگی۔ پھر یہ ہنگامہ منتشر ہونا شروع ہوگیا۔ سب لوگ چلے آئے صرف یامین رہ گیا اور جو کچھ اُسے یاد تھا پڑھ پڑھ کر ثواب پہنچاتا رہا۔

اکرام اللہ خاں کے گھر میں سے تقریباً سب اصغر کے ہاں جمع ہوگئے صرف سلطان جہاں کو قصداً گھر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اصغر کے مرنے کی اُسے خبر نہ ہو۔ چنانچہ اُسکے کانوں نے جب یہ ہولناک خبر سُنی تو دل کا قصر متزلزل ہوکر گر پڑا۔ مگر خوف رسوائی اُسکا گلا گھونٹ کر درد دل کے اظہار کا موقع نہ دیتی تھی آنکھوں سے کہدیا تھا کہ خبردار آزمائش کا وقت ہے ایک آنسو نہ گرے۔ لیکن جب گھر خالی ہوگیا اور یہ صرف تن تنہا رہ گئی تو اس نے اپنے بال نوچ ڈالے کپڑے پھاڑ ڈالے چوڑیاں توڑ دیں اور کہا اصغر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ ظلم کروگے۔ تمھیں یاد ہوگا جب ہم تم ایک مکتب میں پڑھتے تھے اور محبت کا بیج بویا جا چکا تھا تو تم نے ایک دن دیوان حافظ پڑھتے پڑھتے میری توجہ اس شعر کی طرف دلائی تھی ؎

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق راز دار انند

تو میں نے کہا تھا کہ عورت کی خلقت میں حیا ہے اس لیے وہ مجبور ہے۔ مگر ساتھ ہی حیا کبھی غمازی نہیں کرتی بلکہ دوشیزگی و عفت کی حفاظت کرتی ہے لیکن آج دس برس گذرنے کے بعد کہتی ہوں کہ وہ حیا جس پر ہر شریف

خاتون کو ناز کرنا چاہیے تم میرے ہاتھوں سے چھین رہے ہو۔ ہاں میں سمجھ گئی اب تم مجھ سے محبت کا امتحان لیتے ہو مگر میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ سلطان جہاں تمہارے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ صرف۔

آرزو یہ تھی کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

ہاں تم تو نہیں مگر دنیا دیکھے گی کہ ایک دوشیزہ لڑکی کس طرح وفا کا امتحان دیتی ہے کس ثابت قدمی سے جادۂ الفت میں گام زن ہوتی ہے لیکن میں جس طریقے سے امتحان دوں گی وہ دنیا سے نرالا ہوگا۔ تمہاری طرح سے نہیں کہ زہر پی کر یا ہیرے کی کنی کھا کر سو رہوں۔

یہ کہنا کوہکن سے کہ مرجا نہیں کمال
مرمر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

(باقی آئندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

مزار غالب

آجکل پھر مزار مرزا غالب مرحوم کی مرمت کے متعلق اخبارات اور رسالہ جات میں مضامین شائع ہونے شروع ہوگئے ہیں اور بعض صاحبان کام کو پورا کرنے کے لیے کتابوں کو فروخت کر کے انکی قیمت میں سے کچھ روپیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ چونکہ ہم "تمدن" کو بھی اس نیک کام میں شریک کرنا چاہتے ہیں اسلیے اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالہ "تمدن" کی نو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ) جناب انصاری سرفراز حسین صاحب کی حسبقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی ان کی قیمت میں سے ۴۰۔ فیصدی ہم اس فنڈ میں دینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۴ر اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۰۴ر ہے

المشتہر منیجر رسالہ "تمدن" پل حجاؤ لال لکھنؤ۔

غزلیات

حضرت بیباک شاہجہانپوری

مٹا ہے ساتھ مرے دل کے ہر گلہ دل کا
کیا وہ عشق میں قسمت نے فیصلہ دل کا

کچھ اس طرح کی مصیبت ہے جان عاشق پر
اک آسمان ہے گویا ہر آبلہ دل کا

وہ وصل پر نہیں راضی تو خاک ہی میں ملائیں
کسی طرح تو نکل جائے حوصلہ دل کا

طریق عشق میں منزل ہوئی ہے کس کو نصیب
چلا ہے خاک میں ملنے کو قافلہ دل کا

عجیب چیز ہے الفت میں داغ ناکامی
یہی وہ مجھکو عنایت کریں صلہ دل کا

وہ لطف ہی نہیں کچھ حال زار ایسا ہے
وہ بات ہی نہیں تھا جس سے ولولہ دل کا

جو سرگذشت شب غم کہوں تو خاک کہوں
شکایت اپنی سمجھتے ہیں وہ گلہ دل کا

یہ کیا بلا ہے الٰہی کہ اب محبت میں
جگر کو ہاتھ لگاتا ہے آبلہ دل کا

جو روز حشر بھی انکار ہو تو یاس نہ ہو
کسی نے کیا ابھی دیکھا ہے حوصلہ دل کا

مٹا سکی نہ یہ دوری نگاہ آخر بھی
وہی رہا دل و دلبر میں فاصلہ دل کا

ہر آرزو نظر آتی ہے جاں بلب شب غم
پڑا ہوا ہے تماشا ہی میں قافلہ دل کا

وہ فرط ضعف ہے قوت خیال میں بھی نہیں
رہا نہ عشق میں اب کوئی مشغلہ دل کا

جو بیقرار اُسے دیکھا تو کچھ نہ بن آئی
خدا ہے حشر میں کرنے لگے گلہ دل کا

اثر کی جان ہے گویا فغان بے تاثیر
یہ دیکھیے تو محبت میں حوصلہ دل کا

اگرچہ محو تصور رہوں پھر بھی اے بیباک
بنا ہے چشم تمنا ہر آبلہ دل کا

حضرت حسرت سوہانی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

لہ بہ تقلید استاذ مبرات۔

باہزاراں اضطراب وصد ہزاراں اشتیاق — تجھسے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اُٹھنا اُسی جانب نگاہ شوق کا — اور ترا غُرنے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھکو جب تنہا کبھی پانا تو از راہ لحاظ — حال دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے
جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا — سچ کہو تم کو بھی کچھ وہ کارخانا یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچکر سب کی مرضی کے خلاف — وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے
آگیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکر فراق — وہ ترا رو رو کے مجھکو بھی رولانا یاد ہے
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے — وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پانوں آنا یاد ہے
کھینچنا وہ میرا پردے کا کونا دفعتاً — وہ ترا فرط حیا سے مُنہ چھپانا یاد ہے
تجھسے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہوجانا مرا — وہ ترا دانتوں میں اُنگلی کا دبانا یاد ہے
آج تک نظروں میں ہے وہ صحبت راز و نیاز — اپنا جانا یاد ہے تیرا بُلانا یاد ہے
میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں ترا لی پیار کی — ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اُڑانا یاد ہے
دیکھنا مجھکو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے — جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے
چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ — مدتیں گذریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے
شوق میں مہندی کے وہ بیدست و پا ہونا ترا — اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

باوجود شغل پاک آرزو حسرت مجھے
آجتک عہد ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

حضرت دل شاہجہانپوری

کیوں جوش فغاں ضبط کے قابل نہیں رکھتا — لاشے ہے اگر دل صفت دل نہیں رکھتا
جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر — جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا
لیلےٰ ہی کو لیں پردہ محمل ہو مبارک — وہ زینت دل حاجت محمل نہیں رکھتا
دشوار ہے ضبط خلش ناوک قاتل — یہ دل پہ جگر سینہ بسمل نہیں رکھتا

ہر وادیِ پُرخار میں تسکین ہے حاصل
پابندِ جنوں حسرتِ منزل نہیں رکھتا

مل جائے اُسے تو یہی بس حسرتِ دل ہے
کچھ اور تمنا ترا سائل نہیں رکھتا

مقتل میں یہ ہے مجمعِ عشاق کا عالم
تلوار کبھی میان میں قاتل نہیں رکھتا

قاتل نے عجب بات کہی چھوڑ کے ناوک
یہ اُسکے مقدر میں ہے جو دل نہیں رکھتا

ہر وقت وہی دُھن ہے اُسی کا ہے تصور
یہ عشق کسی کام کے قابل نہیں رکھتا

اُنکے لیے اک کھیل ہے ناوک کا چلانا
سمجھے ہیں کہ پہلو میں کوئی دل نہیں رکھتا

سوز و الم و درد ہی سرمایۂ دل ہیں
مَیں ان کے سوا اور کچھ اے دل نہیں رکھتا

حضرت محشر لکھنوی

ترا اے چرخِ دوں انقلاب افزا نہیں رکتا
کسی ناکام عشق دوست کا نالا نہیں رُکتا

یہ کن نظروں سے تم نے چاہنے والے کو دیکھا تھا
کوئی محفل ہو یا خلوت کبھی رونا نہیں رُکتا

مرے فصّاد کو تشنہ زنی میں مشق کامل تھی
مگر اب روکے سے خونِ رگِ سودا نہیں رُکتا

رُلایا ہم کو جس نے دے وہی تسکیں بھی اے گر
وگرنہ زندگی بھر اشک غم افزا نہیں رُکتا

نہیں رُکتا چلا جب کوئی وحشی بزم جانانہ
گذر جائے وہ کچھ بھی رونے والا نہیں رُکتا

اُٹھاتے ہو عبث اے رہروانِ کوچۂ جاناں
کسی کا اک ہماری ذات سے رستا نہیں رُکتا

یہ کہنا چارہ گر کا شرح ہے زخمِ محبت کی
بہت تدبیر کی لیکن لہو دل کا نہیں رُکتا

جہاں بیٹھا نیا افسانہ حسن و عشق کا چھیڑا
ہزاروں میں تمھارا چاہنے والا نہیں رُکتا

یہ کہتا ہے کوئی درباں سے وقتِ زینتِ محفل
ارے تجھ سے ذرا سی جان پروانہ نہیں رُکتا

حجابِ حشر ہے وسعت تجلّی گاہِ جاناں کی
خدائی جمع ہو جانے پہ بھی رستا نہیں رُکتا

مقابل عشق کی قدرت کے کیا ہو قوتِ انساں
فرشتے سے بھی روکے تیرِ آہ دلوانہ نہیں رُکتا

شبِ فرقت میں طولِ غم کی آخر انتہا محشر
سحر ہونے کو آئی اور ترا نالا نہیں رُکتا

حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

ہے فریاد میں گیسوے خوباں دیکھنے والے
وڑے ہیں مدتوں خوابِ پریشاں دیکھنے والے

غروبِ مہر دل کے ڈوبنے کا ایک نقشہ ہے
سحر دیکھینگے اب کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے

ہیں ایسے بھی جو کانٹا پاؤں میں چبھنے نہیں دیتے
اُنھیں دیکھے تڑپتے دلمیں پیکاں دیکھنے والے

مرے ہاتھوں سے اُنکے ہاتھ کی قوت زیادہ ہے
نظر دل پر کریں چاک گریباں دیکھنے والے

بہت آسان ہے دل توڑنا اب ہر گلِ نرگس کا
قفس میں جا بسے گلچیں کا داماں دیکھنے والے

میں تڑپوں یا نہ تڑپوں امتحاں میں وقت نازک کے
اِدھر دل دیکھنے والا اُدھر جاں دیکھنے والے

شہادت گاہ دل اچھی ہے ناکامی کی منزل سے
بہت روئینگے ہنسکر کوے جاناں دیکھنے والے

علاج سوزِ دل اوروں کے جلنے سے نہیں ہوتا
جلائیں شمع پھر کیا شامِ ہجراں دیکھنے والے

تمناؤں کی کثرت اک مجھے ہلنے نہیں دیتی
چلے جاتے ہیں محشر کا بیاباں دیکھنے والے

ہیں وہ آئینۂ عبرت نماہوں بزمِ ہستی میں
نظر کرتے ہی ہو جاتے ہیں حیراں دیکھنے والے

مری فرقت کی شب کٹتی نہیں شکوہ کروں کس سے
پڑے سوتے ہیں اس مشکل کو آساں دیکھنے والے

مزارِ کے۔ دل آفت رسیدہ کی طرح شق ہے
ادھر دیکھ اور ادھر منعم کے ساماں دیکھنے والے

مرا روزِ نا شبِ فرقت تماشا گاہ انجم ہے
مگر ڈوبیں گے آخر کو یہ طوفاں دیکھنے والے

سپیدی پھوٹ نکلی صبحِ محشر کی مبارک ہو
بدل لیں کروٹیں اب شامِ ہجراں دیکھنے والے

میں گم ہوں صنعِ عالم سے تو قاتل چھپ نہیں سکتا
لگا لینگے پتا۔ اُسکو پیشیاں دیکھنے والے

کہے جا بندہ چلا ہے داستاں کا رنگ محفل میں
مری سُننے لگے ہیں روئے جاناں دیکھنے والے

دو روزہ حُسن عیبِ گل چھپاتا ہے مگر پھر بھی
کھٹک جاتے ہیں یہ داماں پہ داماں دیکھنے والے

شبِ فرقت کی تاریکی نہ دیکھی ایک نے آکر
بہت ہیں جلوہ ہائے داغِ سوزاں دیکھنے والے

صباحِ حشر کیا کہنا کہ یکساں کر دیا سب کو
نہیں ملتے مرا چاکِ گریباں دیکھنے والے

غزالِ دشت کو سوں دامنِ صحرا میں عنقا ہے
کہاں تک آگئے سیرِ بیاباں دیکھنے والے

فراقِ خواب بس کر انتظارِ شوق اب دم لے
تھکے جاتے ہیں طولِ شامِ ہجراں دیکھنے والے

مری میت اُٹھانا ہے تو کوئی یوں ندا کردے
کہاں ہیں آج سیرِ جسم بیجاں دیکھنے والے

اکیلا تیرے در دازے کو میں تکتا ہوں اور مجھکو
بہت سے ہیں ترے در پر نگہباں دیکھنے والے

کوئی صحرا ہے محشر خیر ہوگا دیکھ ہی لینگے
ڈرینگے کیا جنوں فتنہ ساماں دیکھنے والے

یدِ بیضا ہے موسیٰ یہ نہیں ہے داغ پنہاں ہے
نظر نیچی کریں جیب و گریباں دیکھنے والے

زبردستی کی رخصت اہلِ دل نشتر سمجھتے ہیں
خود اُٹھے جاتے ہیں دنیا کو مہماں دیکھنے والے

اندھیرا ایک ساتھا زندگی بھی راہ بھولی تھی
چلے آئے لحد تک شامِ ہجراں دیکھنے والے

فتیلوں کی رگوں پر جو گذرتی ہے گذرنے دیں
کھڑے ہوں دور ہی لطفِ چراغاں دیکھنے والے

بیانِ ماجرائے عشق سے کیا فائدہ ثاقب
یقیں کرتا نہیں کوئی۔ مگر ہاں دیکھنے والے

جناب سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی

عذر کیسا خود کرینگے آرزو تعزیر کی
تم ادا سے پھر کہو ہاں تو نے یہ تقصیر کی

اسطرح خاموش ہے گویا زباں رکتی نہیں
یہ شرارت ہے کہ عادت ہے تری تصویر کی

تم ہجومِ یاس و حسرت دیکھکر غمگیں نہو
دل میں وسعت ہے جگہ ہوجائیگی اک تیر کی

مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کرتا خیر کی

موت تک نے قیدِ ہستی سے اُسے بخشی نجات
بیخبر اب تو خبر لے بستۂ زنجیر کی

شیشۂ دل سنگدل سنگِ تغافل سے نہ توڑ
اُس نے آہِ نارسا کی بھی تو کیا تقصیر کی

اے خیال و یدِ جاناں تا کجا مایوسیاں
کاش کچھ لفظیں میں پڑھ لیتا خطِ تقدیر کی

جھاڑ ڈالو اپنا دامن اسقدر غصہ نہ ہو
قدر کیوں کرتے ہو مٹی خاک دامنگیر کی

زلفِ جاناں کا تصور خود ہے زنداں بلا
اس پریشاں خواب کو حاجت نہیں تعبیر کی

اے دل اسمیں اور اُس بت میں یہی تو فرق ہے
بات ہی کرتی تو پھر کیا بات تھی تصویر کی

ہائے رے بے اختیاری اُف ری ناکامیِ سراج
عمر بھر میں آہ بھی اک کی تو بے تاثیر کی

کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ

تمدن

لکھنؤ

شہر مصر نو سو برس پہلے ۹۰۰

زمانہ کی نیرنگی دنیا کے انقلابات ایسے نہیں جو دنیا کی کسی چیز پر بھی اپنا اثر کیے بغیر رہ سکیں۔ دنیا کی ہر چیز ہر روز کچھ نہ کچھ تبدیل ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ شجر حجر وغیرہ سب اس تبدیلی سے مستفید ہوتے ہیں جو رفتار زمانہ کا اقتضا ہے۔ ذی روح افراد کی ترقی تو اسقدر نمایاں ہے کہ ایک جانور چھ ماہ کے بعد اپنے قد و جسم۔ اعضا کے بڑھتے جانے کا بیّن نمایاں ثبوت پیش کر دیتا ہے گو آج کے بعد کل ہی کی ترقی اتنی نمایاں نظر نہ آئے مگر چھ ماہ کے بعد کی نمایاں ترقی اس آج کل کی ترقی کا مجموعہ ہے۔ جانوروں کے بعد درختوں کا نمبر آتا ہے۔ ایک پودا آٹھ روز بعد کچھ بڑا معلوم ہونے لگتا ہے۔ وہ بھی اس آٹھ دن میں آٹھویں دن ایک مرتبہ چھوٹے سے بڑا نہیں ہوگیا بلکہ وہ روز تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہا۔ غیر ذی روح اشیا کا ترقی پذیر اور تنزل پذیر ہونا اکثر اوقات

بہت عرصہ میں محسوس ہوتا ہے چنانچہ دریا پہاڑ کی تبدیلی گو اب کبھی کبھی محسوس ہو جاتی ہے مگر اتنی جلد نہیں جتنی کہ ذی روح چیزوں کی۔ جن لوگوں کو یہ علم نہیں کہ بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک جو اب وعلل سے کسی ملک یا کسی جگہ کی ماہیت کے متعلق اندازہ کرنے کے عادی ہیں یہ واقعہ ہے کہ کسی زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا پہاڑ کوہ ہمالیہ پہلے سمندر کی تہ میں تھا وہ اس بات سے بہت متعجب ہوں گے مگر جو ثبوت ایسے حضرات اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جن کو فوراً ہی رد کر دیا جائے۔ اسی طرح نہ صرف ہمالیہ پہاڑ پر زمانہ کے انقلاب نے اپنا اثر کیا اور اس کو پستی سے دنیا کی اشائی بلند جگہ پر پہنچا دیا بلکہ دنیا کے ہر ملک ہر مقام پر تبدیلی کرنے میں زمانہ نے اپنے فرض کو انجام دیا ہے۔ اگرچہ اس نے بعض جگہ اپنے فرض کو کسی کو نیست و نابود کرنے اور بعض جگہ کسی مقام کو معراج ترقی پر پہنچانے میں پورا کیا مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بھی کسی ملک۔ کسی مقام۔ یا کسی ذی روح کی بابت یہ کہہ سکے کہ اس میں دس بیس برس میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوا۔ ذیل کے حالات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کم از کم مصر زمانہ سابق میں کیا تھا۔

ایک سیاح حکیم ناصر خسرو جس نے ۴۳۹ھ میں سفر کیا تھا لکھتا ہے کہ۔ مصر دو نیچی سطح پر آباد ہے۔ دیکھنے والے کی نگاہ جب دور سے یکایک اس پر پڑتی ہے تو غلطی کر جاتی ہے، اور دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کوئی بلند پہاڑ ہوگا۔ آبادی اس طرح بتدریج مرتفع ہوتی چلی گئی ہے کہ چودہ

طبقے یکے بر دیگرے نظر آتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر سات سات منزل کے عالیشان مکانات ہیں۔ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ساتویں منزل پر نہایت خوشنما باغ لگایا تھا، اور ایک گائے کا بچہ اوپر کے درجہ پر لے جا کر پالا تھا جب یہ پورا بیل ہو گیا تو اُسے چرخی میں جوت کر کنوئیں سے پانی کھینچتا اور باغ کو سیراب کیا کرتا تھا۔ اس باغ میں ترنج نارنج اور کیلے امرود ناسپاتی غرض ہر قسم کے ہرے بھرے پھل دار درخت اور طرح طرح کے پھول دار پودے اور اناج اگائے ہوئے سرسبز مرغزار تھے۔ ایک معتبر تاجر نے یہ بھی بیان کیا کہ یہاں ایسی کئی سرائیں ہیں جن کا ایک ایک کمرہ تیس تیس ہاتھ مربع ہے اور ہر ایک سرائے میں ساڑھے تین تین سو آدمی بخوبی رہ سکتے ہیں۔ بہت سے گلی کوچے، اور بازار ایسے ہیں جن میں مکانات کی بلندی کی وجہ سے آفتاب کا گذر نہیں ہوتا اور بسبب تاریکی، اور کثرت آمد و رفت ان مقامات میں دن رات لالٹینیں روشن رہتی ہیں۔

شہر کے مشرقی جانب ایک نیچا پہاڑ (پٹھار) ہے اور یہیں شہر مسجد طولون ہے یہ مسجد ٹیکرے پر بنائی گئی ہے۔ در و دیواریں اس درجہ مستحکم دیکھنے میں آئیں جو مضبوطی اور استحکام کے اعتبار سے آمد اور میافارقین[1] کی دیواروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یہ دیواریں کسی خلیفہ عباسی کی تعمیر کردہ ہیں مگر حاکم امراللہ کے ہاتھ طولون کی اولاد نے اس مسجد کو تیس ہزار مغربی دینار کے عوض میں بیچ ڈالا تھا۔ کچھ دنوں بعد یہ لوگ پھر آئے اور ظاہر کیا کہ فلاں منارہ منہدم کر کے فروخت کریں گے خلیفہ نے مطلع ہو کر اُن سے کہا، جب ہم نے مسجد کو خرید لیا تو منارہ منہدم

[1] میافارقین آرمینیا میں ہے۔

کرنے کا تمھیں کیا حق ہے۔" وہ کہنے لگے "ہم نے مسجد بیچی ہے نہ کہ منارہ" مجبوراً بادشاہ نے پانچہزار دینار اور دے کر اپنا پنڈ چھڑایا۔

باستثنائے قاہرہ خاص مصر میں سات دار العلوم (یونیورسٹیاں) ہیں اور ان دونوں شہروں میں پندرہ جامع مسجدیں ہیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں عاصؓ نے جب کہ وہ مصر کے (والی) گورنر تھے وسط شہر میں مسجد باب الجوامع تعمیر کی تھی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ چار سو مستحکم ستونوں پر مسجد قائم ہے اور محراب والی دیوار سنگ رخام کی ہے۔ اور اس دیوار پر پورا کلام مجید نہایت پاکیزہ خط میں کندہ ہے۔ یہ مسجد اس قرینے سے بنائی گئی ہے کہ اس کے چوطرفہ بازار ہیں اور ہر بازار کی جانب مسجد کے دروازے ہیں۔ مصر میں یہ مسجد تفریح کا مقام اور عمدہ سیرگاہ سمجھی جاتی ہے۔ مسافر۔ سیاح، طالب علم، چک نویس، قبالہ نویس، غرضکہ مختلف قسم، مختلف مذاق، اور مختلف طبیعتوں کے کثیر التعداد لوگ ہر وقت یہاں جمع ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد پانچ ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ بانی مسجد حضرت عمرو بن عاصؓ کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد معیشت سے تنگ آکر خدیو مصر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم ضرورت مند ہیں اور یہ مسجد ہمارے باپ کی بنا کردہ ہے اگر اجازت ہو تو ہم اسکو فروخت کرکے روپیہ اپنے کام میں لائیں اس پر حاکم وقت نے ایک لاکھ دینار میں اُسے خرید لیا اور عجیب و غریب عمارات کا اس میں اضافہ کیا۔ منجملہ دوسرے عجائبات کے ایک چاندی کا فتیل سوز یا قندیل بنایا۔ یہ فتیل سوز ۳۲ پہلو (ضلع) کا ہے اور ہر ضلع کا عرض ڈیڑھ ہاتھ ہے اس حساب سے فتیل سوز کا کل دور چوبیس ہاتھ کا ہوا۔ سات سو چراغ اُس میں جلتے ہیں

اور خصوصیت کے ساتھ متبرک راتوں میں اسے روشن کیا جاتا ہے۔ کنیس من چونتیس سیر اس کا وزن ہے۔ لوگ کہتے تھے جب چراغدان بن کر تیار ہوا اور مسجد کے اندر لیجانا چاہا تو بڑے دروازہ سے بھی نہ جا سکا۔ مجبوراً چوکھٹ اکھیڑ کر اندر لے گئے اس کے بعد چوکھٹ نصب کی گئی۔ اس مسجد میں ہر شب ستّو قندیلوں سے زیادہ روشن کی جاتی ہیں۔ قاضی القضاۃ کا اسی مسجد میں اجلاس ہوتا ہے۔ اور اس محکمہ کا دفتر بھی یہیں ہے۔

مسجد سے شمال کی جانب ایک بازار سوق القنادیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے بہتر اور بارونق بازار یقین ہے کسی شہر کا نہ ہوگا عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ ہر چیز جو دنیا میں ہو وہ یہاں ملے گی۔ وہاں میں نے عمدہ قسم کا بلور دیکھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مغرب سے آتا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہاں دریائے قلزم میں ایک کان نکلی ہے جس کا بلور صفائی اور خوبی میں مغربی بلور سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے ایک ہاتھی دانت دیکھا جس کا وزن دو من سے کہیں زیادہ تھا۔ ایک گائے کی کھال دیکھی جو چیتے کی کھال سے بہت کچھ مشابہت رکھتی تھی۔

مصر میں مٹی کے برتن نہایت نفیس بنتے ہیں۔ اگر اسکے اوپر ہاتھ رکھا جائے تو اندر سے ایک ایک انگلی شمار کی جا سکتی ہے۔ اُن کے اوپر مختلف قسم کے رنگ اور بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ مصر میں کانسی پیتل کے برتن پانی بھرنے کے بہت زیادہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور صرف ایک عورت کی ملک میں پانچ ہزار پیتلی گھڑے ہیں جو شہر میں کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔

مصر کے سامنے دریائے نیل کے وسط میں ایک جزیرہ نظر آتا ہے۔ اسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں ایک شہر آباد تھا۔ ایک جامع مسجد

اور چند باغ قدیم زمانے کی یادگار ابتک باقی ہیں۔ اس جزیرہ میں جانے کے لیے چھتیس کشتیوں کا نہایت مضبوط پل بنا ہوا ہے۔

مصر کے تاجر، دوکاندار، بیوپاری، خریدار اور گاہک سے سچا اور بے لاگ معاملہ کرتے ہیں کیونکہ اگر کوئی اسکے خلاف کرے تو وہاں کا دستور ہے کہ اُسے اونٹ پر بٹھا کر تمام شہر مین پھرایا جاتا ہے۔ اُسکے ہاتھ میں گھنگرو ہوتے ہیں اور وہ گھنگرو بجا بجا کر باآواز بلند پکارتا جاتا ہے کہ "میں نے جھوٹ بولا تھا اور بدمعاملگی کی تھی اُسکی سزا بھگت رہا ہون اور جو شخص ایسا کریگا اُسکی یہی سزا ہوگی"

اہل شہر عموماً متمول اور دولتمند ہیں۔ جب میں وہاں مقیم تھا محل شاہی میں شاہزادہ پیدا ہوا۔ اہل شہر نے اس درجہ خوشی منائی مکانوں اور دوکانوں کو ایسا آراستہ پیراستہ کیا کہ اگر اسکا پورا حال لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے اور سننے والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہے۔ اور اس سچی بات کو لوگ لاف زنی پر محمول کریں مختصر یہ کہ صرافون نے اپنی دوکانوں کو جواہرات، چاندی، سونے، روپیے اور اشرفیوں سے خوب خوب آراستہ کیا تھا۔ بزازوں کی دوکانیں نفیس نفیس قیمتی کپڑوں سے سجائی گئی تھیں۔

سلطان مصر کے عدل وانصاف، رحمدلی اور حسن انتظام کی بدولت رعایا برایا خوش خرم ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا شخص ایسا مالدار اور دولتمند ہے کہ اگر اُسکی دولت کا اندازہ لگایا جائے تو اہل عجم یقیناً اُسے صریح جھوٹ سمجھیں۔ صرف ایک آتش پرست کی دولت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ مصر میں ایک مرتبہ خشک سالی ہونے سے قحط پڑا وزیر نے اس سے بُلا کر کہا "آجکل رعایا کی پریشانی کی وجہ سے سلطان نہایت متفکر ہیں تم کسقدر غلہ سے امداد کرسکتے ہو۔ جسقدر غلہ دوگے اسکی قیمت خزانۂ شاہی سے

مل جائے گی اور اگر منظور ہو تو بطور قرض کے دیدو" اُس نے کہا "سلطان کے اقبال اور خدا کے فضل سے میرے پاس اسقدر غلہ ہے کہ اہل مصر کو چھ سال تک کفایت کر سکتا ہے۔ مصر کی آبادی اسوقت اسقدر تھی کہ نیشاپور جیسے عظیم الشان شہر کی آبادی اسکے مقابلہ میں ۱/۵ کی نسبت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس شخص کے پاس اسقدر صرف غلہ ہو وہ کسقدر دولتمند ہوگا۔

پھر سلطان کے عدل و انصاف اور اسکی نیک نیتی کو ملاحظہ کیجیے جس کی حکومت میں ایسے ایسے متمول موجود ہوں نہ اُن پر کوئی ٹکس ہے نہ خراج بلکہ سب لوگ نہایت آزادی اور حریت کی زندگی خوشی خرمی سے بسر کرتے ہیں اور دولت کے اظہار میں تامل اور عادل فرمانروا سے کسی چیز کا چھپانا پسند نہیں کرتے

شاہی دسترخوان مصر کے دستور کے موافق ہر سال دونوں عیدوں کے موقعوں پر سلطان کی طرف سے ایک عام دعوت دی جاتی ہے۔ خاص لوگ بارگاہ سلطانی میں باریاب ہوتے تھے اور عوام الناس علی حسب مراتب دوسری جگہ بٹھائے جاتے تھے۔

میرے دل میں ہمیشہ سے یہی ہوس تھی کہ ایسے جلسہ کو کسی طرح دیکھا جائے حسن اتفاق دیکھیے اسی اثنار میں میری ملاقات ایک مصاحب شاہی سے ہوگئی اور رفتہ رفتہ بہت کچھ مراسم بڑھ گئے۔ میں نے اُن سے کہا "سلطان محمود غزنوی اور شاہ مسعود وغیرہ بادشاہان عجم کے دربار تو اکثر دیکھے ہیں اور شریک بھی ہوا ہوں لیکن شاہان مصر کی مجلس دیکھنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے جس صورت سے ممکن ہو سکے دکھلائیے" اُس نے ایک اور شخص سے میرا تعارف کراتے ہوئے سفارش کر دی کہ "آپ انھیں ضرور شریک جلسہ کریں" جب میں شخص مذکور کے ساتھ شاہی محلسرا میں داخل ہوا عالیشان عمارات اور تعریف کے قابل دیوانخانے

نظر سے گذرے جنکو دیکھکر میں محو حیرت تھا اور دل پر رعب داب کا سکہ بیٹھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ یکے بعد دیگرے بارہ محلات کے اندر میرا گذر ہوا۔ ہر محل بہ اعتبار خوبی اور آرایش کے دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھا منجملہ دوسرے عمدہ مکانات کے ایک ساٹھ ہاتھ کا مربع کمرہ تھا جسکے اندر چار گز اونچا ایک تخت بچھا تھا اور یہ تخت تین جانب سے طلا کار تھا جس پر چابکدست اُستاد نے قدرتی سین مثلاً جنگل۔ پہاڑ درّے۔ جھاڑیاں۔ شکارگاہ وغیرہ وغیرہ دکھلائے تھے۔ تخت کا چوتھا کنارہ جو دیوار سے ملا تھا نقرئی تھا اور نہایت پاکیزہ خطائی نقرات اور قطعات لکھے ہوئے تھے۔ اس کمرہ میں جسقدر فرش تھا وہ سب دیبائے رومی کا تھا۔ غرضکہ یہ تخت ایسا نفیس اور اسقدر قیمتی تھا کہ ضبط تحریر میں نہیں آسکتا۔ اس مکان کے آس پاس طلائی جال دار جنگلا لگا تھا۔ اس وسعت میں ایک ہزار دو سو سات من صرف شکر کا خرچ ہے۔

دسترخوان پر ایک ترنج کا درخت بنایا تھا جسکے پھل پھول پتے دیکھنے سے بہت تعجب ہوتا تھا اور کمال یہ تھا کہ پرند اور چڑیاں بٹھائی گئی تھیں جو بالکل اصلی اور زندہ معلوم ہوتی تھیں اور لطف یہ تھا کہ پورا درخت صرف شکر کا بنا ہوا تھا۔

باورچیخانہ شاہی اس محل سے باہر ہے پچاس آدمی باورچیخانہ میں ملازم ہیں اور محاسر امیں ایک سرنگ ہے جو باورچیخانہ میں نکلی ہے۔ سلطانی شربت خانہ میں روزانہ بارہ اونٹ برف خرچ ہوتا ہے باورچیخانہ سے اکثر اُمرا اور خواص کے خوان مقرر ہیں۔ اہل شہر کے لیے شفاخانے ہیں جنمیں دوا مفت دی جاتی ہے اور ہر قسم کے روغنیات بھی مثل روغن بلسان ضرورت مندوں کو بغیر معاوضہ لیے دیے جاتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

محمد اسمٰعیل۔ ہاتف

تہذیب الاخلاق

(سلسلے کے لیے ستمبر نمبر ملاحظہ ہو)

(۲)

اس طریقہ سے انسان اُس مطمح نظر پر پہنچ سکتا ہے جسکے حاصل کرنے کی اسکے دل میں خواہش موجود ہے۔ اس کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے؛ اول یہ کہ جو جو دن گذرتے جائیں، دوں دوں اپنے مطمح نظر کو قائم کرلے۔ اور دوسرے اسکے مطابق عمل کرے۔ خواہ کچھ ہی اس کا نتیجہ نکلے۔ ہمیشہ یہ بات یاد رکھیے کہ محکم کیریکٹر صرف اسی شخص کا ہو سکتا ہے جو موجودہ خوشی کو آئندہ کی بھلائی کے لیے قربان کردے۔ اگر وہ اپنے آئیڈیل پر کاربند رہیگا تو کچھ دنوں یا کچھ سالوں بعد وہ اسے حاصل کرلے گا جس طرح سے کہ ڈینٹی نے حاصل کیا جو اپنی محبوبہ کی تلاش میں کوہ پھرتا رہا اور آخر کار بہشت کے دروازوں پر وہ اُسے مل گئی، اسی طرح بالآخر وہ اپنے آپ کو ان ہی دروازوں کے قریب پائے گا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی محض تفریح طبع کے لیے نہیں ہے بلکہ اُس اعلیٰ روحانی سچائیوں کے حصول کے لیے ہے جو ایک شخص حاصل کرسکتا ہے، اس شریفانہ کیریکٹر کے بنانے کے لیے ہے جو ایک شخص بنا سکتا ہے اور نیز سب سے بڑی خدمت کے لیے جو ایک شخص زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان کی کرسکتا ہے۔ اس سے ہمیں سچی خوشی مل سکتی ہے کیونکہ اسی میں سچی خوشی مضمر ہے۔ جو شخص آسان طریقوں یا کسی اور ذریعہ اس خوشی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے بالآخر معلوم ہوجائے گا کہ اسکی آخری حالت ابتدائی حالت سے بھی بدتر ہے اور اگر اور طریقوں کے

ذریعہ سے سچی خوشی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ شخص لگا رہے گا تو اسے یہ بات جلد معلوم ہو جائے گی کہ اسے سچی اور پائدار خوشی ہرگز حاصل نہیں ہو سکے گی۔

سوال یہ نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے حالات کیا ہیں؟ بلکہ یہ کہ ہم ان حالات کا مقابلہ کس طریقہ سے کرتے ہیں؟ اور خواہ حالات کچھ ہی ہوں یہ امر دانشمندی سے بعید ہے کہ ہم ان کی شکایت کرتے رہیں اس لیے کہ مصیبت کے اک اک سے جھاگ کہنے کا نتیجہ اُداسی ہوگا اور اُداسی اُس اسپرٹ کو کمزور کر دے گی اور ممکن ہے کہ وہ اسے بالکل مار ہی دے یعنی اس طاقت کو جو ہمیں اس قابل بنا سکتی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں بالکل نئے حالات پیدا کریں۔

میں اپنی پوائنٹ کو واضح کرنے کی غرض سے اپنے ذاتی تجربات سے ایک مثال پیش کروں گا۔ خود میری زندگی میں مختلف موقعوں پر ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں جن سے کہ مجھے اُداسی، شرم اور تکلیف محسوس ہوئی۔ لیکن چونکہ اب ان واقعات پر کافی وقت گذر چکا ہے، میں گذشتہ زمانہ کی طرف دیکھتا ہوں اور اب مجھے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تجربہ کا میری زندگی میں کیا حصہ تھا میں نے اس تجربہ سے وہ سبق لے لیا ہے جو میرے لیے ضروری تھا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ میں ان افسوسناک تجربوں میں سے ایک کو بھی جدا نہیں کر سکتا خواہ تمام دنیا ہی مجھے اسکے عوض میں دیدی جائے۔ اور جو سبق میں نے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ خواہ حالات آج کچھ ہی ہوں اور خواہ وہ میرے لیے کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، میں بغیر شکایت کیے، انہیں قبول کروں گا اور نہایت ہی دانشمندانہ طریقوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کروں گا، اور ساتھ ہی یہ جانوں گا کہ وہ بہتر من حالات ہیں اور یہ کہ اگرچہ میں یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ وہ میری زندگی میں کیوں موجود ہیں، اور اگرچہ میں یہ نہیں بھانپ سکتا کہ ان کا اثر میری زندگی پر کیا

پڑیگا تاہم جب وہ مجھپر آ ہی پڑیں گے اسوقت میں ان کا مقابلہ کروں گا اور خدا کا شکر ادا کروں گا کہ اُس نے مجھے ان حالات میں رکھا۔

ہر شخص یہ خیال کرنے کا عادی ہے کہ اسکے اپنے حالات، اپنے مصائب اور مشکلات رنج اور کشمکشیں عام بنی نوع انسان کے مصائب سے بہت زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ اسکی مشکلیں اتنی ہوں کہ تمتی دنیا میں کسی اکیلے شخص کی نہوں یہ خیال کرتے وقت اسے یہ بات یاد نہیں رہتی کہ ہر شخص کی راہ میں مختلف قسم کی مشکلات یا عادتوں پر قابو پانے کی کشمکشیں حائل ہیں اور یہ کہ اسکی یہی حالت باقی تمام بنی نوع انسان کی حالت کے مانند ہے۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم ہر وقت اپنی ہی ناموافق یا مخالفانہ حالات کا زیادہ خیال کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کی مصیبتوں کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی مشکلوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے ہر آدمی کو مخصوص اور مختص مسائل حل کرنے پڑتے ہیں اور سوائے اسکے انھیں اور کوئی حل نہیں کرسکتا۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ان ناموافق حالاتِ زندگی کے پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر شخص کو یہ قوت اور طاقت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ان ناموافق حالات کا مقابلہ کرسکے اور پھر تدریج بالکل جدید حالات پیدا کرے۔ مشورہ کے ذریعے اور اعلےٰ قوانین سے واقفیت رکھنے کے سبب ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کو امداد دے سکیں، تاکہ دوسرا شخص بھی وہ کام آسانی سے کرسکے جو ہم کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن کام ہر شخص کو علیحدہ طور پر خود کرنا پڑے گا۔

اور اس طرح سے ہر بُری عادت سے (جس میں ہم ارادتی یا بلا ارادہ مبتلا ہوگئے ہیں) چھٹکارا پانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم پہلے اسباب پر غور کریں اور اس قانون کو معلوم کریں جس کی بدولت وہ حالات رونما پذیر ہوئے ہیں۔ اور جب

ہم قانون کو دریافت کریں گے تو اس وقت ہمیں قانون کی روگردانی نہیں کرنی چاہیے اور نہ اسکے خلاف کچھ کرنا چاہیے بلکہ اسکے مطابق ہمیں کام کرنا چاہیے اگر ہم قانون کی متابعت میں کام کریں گے تو اس سے ہمیں بے انتہا فائدہ پہنچے گا اور ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ اگر ہم اسکا مقابلہ کریں گے یا اسکے ساتھ ہو کر کام کرنے سے قاصر رہیں گے تو بالآخر وہ ہمیں کچل ڈالے گا۔ قانون کی کارروائیاں امٹ ہیں اسکی مطابقت کروگے تو پھر ساری مرادیں پوری ہو جائیں گی۔ اور جہاں اسکی مخالفت کی تکلیف اور نقصان اور تباہی نظر آئے گی۔

چند دن ہوئے میں ایک قابل ادب لیڈی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے خاوند کا کچھ سال پیشتر انتقال ہو چکا تھا جو اگرچہ نیک طبیعت اور محنتی آدمی تھا مگر تقریباً اپنی ساری آمدنی شراب کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ جب اسکا انتقال ہوا تو اسکی زمین سے جو پانچ چھ ایکڑ پر مشتمل تھی کسی قسم کی آمدنی نہیں تھی اور اسلیے بیوی بظاہر کسی معقول سہارے کے بغیر رہ گئی اور حالت یہ تھی کہ اسکے ساتھ چند بچے بھی تھے۔ بجائے اس بدقسمت حالت سے ہراساں ہونے کے اس نے بہادری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ یقین بھی رکھتی تھی کہ ایسے طریقے ضرور موجود ہیں جن کی پیروی سے وہ اپنی حالت سدھار سکتی ہے اگرچہ وہ طریقے اسے فی الحال معلوم نہیں ہیں اس نے وقت پر اپنے بار کو سنبھالا اور بہادرانہ طور پر آگے بڑھتی گئی۔ کئی سال تک ان طلبا کی نگرانی کرتی رہی جو جمگرمی میں وہاں قیام کرنے کے لیے آتے تھے۔ ان دنوں میں وہ صبح ساڑھے تین بجے جاگتی اور برابر رات کے دس بجے تک کام کرتی رہتی۔ جاڑے کے ایام میں جب یہ ذریعۂ آمدنی منقطع ہو جاتا ہے، وہ گاؤں میں بطور نرس کے کام

کرتی تھی۔ اس طریقہ سے اس نے عرصہ تک کام کیا یہاں تک کہ اسکا کھیت اب معقول آمدنی پیدا کر رہا ہے۔ اسکے سب بچے اسکول میں تعلیم پا رہے ہیں اور وہ کم و بیش اسکا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ ایسا کرنے میں اس نے کسی قسم کے خطرات کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے ان بُرے حالات کو بُرا بھلا نہیں کہا جنکے باعث اسکی حالت خراب تھی بلکہ وہ اس قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی گئی جس سے متضاد قسم کے حالات پیدا ہونا ممکن تھے وہ ہر حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ کام کرتی رہی ہے اور خواہ اسکے حالات کچھ ہی ہوں دنیا میں بالضرور ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ زدہ حالت میں ہیں اور جنکی وہ کم و بیش خدمت کرنے کے قابل ہے۔

وہ اس واقعہ کو دیکھکر بہت خوش رہتی ہے کہ اب میرا بورڈنگ کا آمدنی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یہ بورڈنگ اسلیے اور بھی زیادہ قیمتی ہے کہ یہ میری ہی کوششوں سے بالآخر ایسا بنا ہے لیکن ان چند سالوں میں جو اچھائیاں اسمیں پیدا ہوگئی ہیں یعنی کیرکٹر کی طاقت اور شرافت، طبیعت کی خندہ پیشانی، دوسروں کے لیے ہمدردی اور نکتہ چینی اور سچائی، دیانت داری اور پاکیزگی کی آخری فتح کا یقین وغیرہ ایسی صفات ہیں جو اُن ہزارہا اور لکھوکھا مرد عورت کے لیے جو بظاہر آرام و آسایش کی زندگی بسر کر رہے ہیں، قابل رشک ہیں۔ اور اگر وہ چھوٹا بورڈنگ بھی اس سے چھین لیا جائے تو بھی وہ نفع میں رہی ہے اس لیے کہ اس نے ایسی صفات حاصل کرلی ہیں جنھیں کئی ایکڑ زمین بھی نہیں خرید سکتی۔ جس طریقے سے اس نے اپنے کام کو سرانجام دیا ہے اور جس طور پر اس نے اپنے بار کو اُٹھایا ہے اس سے اس کے سارے متعلقین کو آرام ملا ہے اور اب وہ سمجھتی ہے کہ

کام فی الحقیقت سچی خوشی کا ذریعہ ہے۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک کم عقل عورت جو اس نیک بخت عورت کی طرح دور اندیش نہیں ہے، کس طرح ان حالات کا مقابلہ کرتی۔ غالباً کچھ عرصہ تک وہ بالکل مضمحل رہتی۔ ہر قسم کے خطرات اسکے دل میں جاگزین ہوتے اور وہ یہ خیال کرنے لگ جاتی کہ اب اسکی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ کوئی چیز اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان حالات کے خلاف لڑتی اور دنیا سے اسکی طبیعت متنفر ہوجاتی اور رفتہ رفتہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہوجاتی جو اس کے قریبی عزیز ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کرلیتی کہ چونکہ وہ خود ان حالات کا مقابلہ کرنے کے ناقابل ہے لہٰذا کوئی ایسا مددگار ضرور ہونا چاہیے جو اسے ان مشکلات سے رہائی دلوائے ایسے خیالات ہوتے ہوئے مطلوبہ نتائج کے حصول کی طرف کوئی ترقی نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ اپنے خراب حالات ہی کے سوچنے میں لگی رہتی گویا کہ اور کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا۔ اس صورت میں وہ اپنے بورڈنگ کے لیے بھی کچھ نہ کرسکتی اور نہ اپنے لیے اور نہ دوسروں کے کام آسکتی یہانتک کہ وہ بالکل ہر چیز اور ہر شخص سے متنفر ہوجاتی۔

اس لیے اب یہ سوال نہیں رہتا کہ ایک شخص کی زندگی میں کیا حالات ہیں بلکہ یہ کہ وہ ان حالات کا کس طرح سے مقابلہ کرتا ہے جو اسے پیش آتے ہیں۔ اس بات کے جاں لینے سے سب کچھ سدھر سکتا ہے کیونکہ سب امور پر اسکا اثر پڑے گا۔ اور اگر کسی وقت ہم یہ خیال کرنے لگیں کہ ہماری اپنی قسمت سب سے زیادہ خراب ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی قسمت ہم سے خراب ہو تو اس وقت ہمیں چاہیے کہ پیپلائے کیرکٹر کا

مطالعہ کریں۔ اور پھر اسکا مطالعہ کرنے کے بعد خدا سے برتر کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے ہمیں بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور پھر ان حالات کو عمل میں لانے کا خیال کریں جس کی ہم بہت زیادہ خواہش کرتے ہیں۔

ضیاءالدین احمد برنی بی۔اے

اخباری لغات

پر

مقتدر اخبارات کی رائیں۔

لیڈر:۔ کتاب ایک نہایت اچھی کوشش ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ:۔ الفاظ کی تشریح بہت سلیس اور عام فہم اُردو زبان میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور ہماری رائے میں بہت مفید بھی ہے۔

مشرق:۔ انگریزی نہ جاننے والوں کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

پیسہ اخبار:۔ اُردو اخبار بینوں کے حق میں بہت مفید ہے۔

الفضل:۔ کتاب اپنی نوعیت میں بڑی مفید ہے اور لٹریچر کے اندر ایک ضروری اضافہ۔ قیمت ۱؎ علاوہ محصول۔

ضیاءالدین احمد برنی۔ ٹیچر تھیوسوفیکل اسکول۔ کانپور سے ملتی ہے۔

ضروری گذارش۔ تمدن کے طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی عزیز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

"فطرت انسان"

حسن نے جب خود پرستی کا بڑھایا ولولہ
دستِ قدرت نے لیا صورت گری کا شغل

کیا ہے انساں ایک پتلا ہے عدم کی خاک کا
جسکی ہستی آئینہ حالات حیرتناک کا

علمِ فطرت میں کبھی یہ پیکرِ تصویر تھا
بزمِ وحدت کی حضوری کا تماشا گیر تھا

دیکھتے ہو جسم میں انسان کے جو خال ہے
دستِ قدرت کی ہنرمندی کا اشتدلال ہے

روح میں ایجاد کی اک نقش سرافراز ہے
کن کے دریا کی صدف کا گوہرِ ممتاز ہے

اک دُرِ زینت دو دامانِ امکاں کر دیا
واہ ری قدرت تری مٹی کو انساں کر دیا

قوتیں دیں مختلف ہر ایک کو انصاف سے
متصف پھر کر دیا اپنے تمام اوصاف سے

روح کیا ہے صنعتِ بے مثل کی آواز ہے
مل رہا ہے اس سے جو لا علم کا سازنہ ہے

فلک نہیں اسمیں اگر سمجھے یہ عقلِ خاک زاد
نفس میں موجود ہے کسبِ ریاضت کا سواد

متفق اس قول میں ہیں جملہ اصحابِ نظر
بے تعلق ہو تو پھر دنیا کی ملتی ہے خبر

کیا عجب برقِ انا نکلے دلی ذرات سے
ڈھونڈیے موجود وہ جب کو جو شمعِ ذات سے

بزمِ عرفانی میں ہے گر بار یابی کی ہوس
عقلِ دنیا ساز کو پہلے بنا لے نکتہ رس

قدرتی آرائشوں کی سیر کرنا چاہیے
قلبِ حیرت زاد کو چشمِ تماشا چاہیے

حل بآسانی ہوا جاتا ہے سارا مسئلہ
فطرتِ انساں کا ہے یہ مختصر سا فیصلہ

اشہر لکھنوی

تنقید اعتقادیات

آئینہ خاطر یم ویسکن ز چند گاہ
در خاکدانِ دہر غبارے گرفتہ ایم

ہم اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ
بُری چیزوں - اور غلط واقعات میں بھی کچھ نہ کچھ صداقت اور سچائی کی روح ہوتی ہے -
بمصداق - تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا -

جبکہ ہم ذہنی ممکنات کی تحت میں پڑتے ہیں تو کسی نہ کسی حد تک یہ تسلیم کرتے جاتے ہیں کہ ان میں کچھ نہ کچھ صداقت بھی ہوتی ہے یا ہونی چاہیے مگر جب کبھی دوسرے لوگوں کی باتوں - اجتہادات اور خیالات کو زیر بحث لاتے ہیں تو اس ذہنی امکان کا خیال نہیں رکھتے اور تھوڑے سے شک یا مغالطہ پر یہ فتوا لگا دیتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے محض نادرست اور غلط ہے اگرچہ اپنے پہلے اعتقادی رنگ میں کسی جلد باز نقاد پر ایسا فتویٰ لگا دینا مشکل نہیں مگر تنقیدی رنگ میں یہ غلطی اور ایسی جلد بازی قابل معافی نہیں اس جلد بازی اور اس غلطی کا صرف یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک غور کرنے والا اور ایک نقاد فریب کھاتا ہے بلکہ یہ کہ اس فتویٰ بازی میں بہت سی باتیں اور بہت سی حقیقتیں حجاب میں رہ جاتی ہیں - اور ایسی کاوش اور بے رخی ہمارے اردگرد سکہ جمایا جاتی ہے جس کا اثر

اس کائنات کی بہت سی خوبیوں کے واسطے ایک حاجب اور ایک مہلک صورت ہوتی ہے۔

جب ایک خیال خصوص وہ خیال جس کی طرف ایک عام مخلوق کسی نہ کسی رنگ میں اُمڈی آرہی ہے اور جس کے ماننے والے بہت سے لوگ ہیں ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے تو اُسکے سُننے کے بعد ہمیشہ ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اُس سے ایک اعتقادی جوش میں انکار کردیں کیونکہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ

کس چیز اور کس خوبی نے اسقدر لوگوں کے دلوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے اور وہ کون سی چیز ہے جو اس کشش کا باعث ہوتی ہے یقیناً کوئی نہ کوئی چیز اسکی جڑ میں ہوگی اور ہم یہ بھی خیال کرسکتے ہیں کہ ضرور کسی واقعہ کسی اجتہاد اور کسی بات کی حقیقت دنیا کے اور واقعات اجتہادات سے بھی مشابہت رکھتی ہوگی اگرچہ ایسی مشابہت کیسی ہی پیچیدہ گول مول اور غیر تشفی بخش ہی کیوں نہ ہو۔

چھوٹی سی چھوٹی بات کی تہ میں بھی کبھی کبھی ہی نہیں بلکہ اکثر دفعہ کسی نہ کسی حقیقت کا پتہ مل جاتا ہے اگر بعض امور کے اندر کوئی ایسی حقیقت نہ ہوتی تو اُس بات کا اس رنگ میں پیش ہونا کوئی ہستی نہ رکھتا جب ہمارے سامنے ایک فرضی تصویر بھی پیش کی جاتی ہے تو ہم اُس سے باوجود اُس کی فرضیت کے بھی یہ باتیں نکال سکتے ہیں۔

(۱) ایک مصور یا ایک نقاش کی چابکدستی اور لطافت

(۲) ایک مصور اور ایک نقاش کا مذاق۔

(۳) یہ بات کہ انسان کا مذاقِ حسن اور مذاق لطافت کہاں تک پیروانہ

کر سکتا ہے۔

(۴) اور یہ بات کہ اس کائنات میں اس قسم کا نقشہ بھی پایا جانا ممکن ہے۔

(۵) اور حسن اشیا کی یہ حد انتہائی ہے۔

یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ ہم انھیں اثبات اور نفی کی صورت میں اپنے دائرہ تحقیقات اور اعتقادیات سے خارج کر دیں کیونکہ ان کے خارج کرنے سے ہم اُن حدود تحقیقات کو تنگ کر دیتے ہیں جو ہماری بہت سی دینی اور مادی فتوحات کے واسطے لازمی ہیں اور جن سے ہم کام لیتے ہیں اگر ایک ناتجربہ کار مصور اپنے حوصلہ کے مطابق ایک شخص کی تصویر بناتا ہے تو وہ اُس میں حتی الامکان پوری نقل اُتارنے کا زور لگاتا ہے لیکن اُسکی خامی طبیعت اُسے اس پر کامیاب نہیں ہونے دیتی لیکن اُسکے پیش ہونے سے یہ قیاس کرنا ہمیشہ درست نہیں ہوگا کہ اُسکی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

ہماری زندگی میں مندرجۂ ذیل اقسام کے خیالات ہمارے پیش نظر ہوتے ہیں۔ جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔

(۱) خیالات عامہ۔

(۲) خیالات اعتقادی۔

(۳) خیالات حکمی۔

(۴) خیالات تمدنی

(۵) خیالات تہذیبی۔

عام خیالات کی نسبت ہمیں کسی خاص وقت میں چھان بین اور بحث مباحثہ کا موقع ملتا ہے کیونکہ اُن پر باقی کے چار قسم کے خیالات کا

چنداں مدار نہیں ہوتا عام خیالات محض یومیہ یا عارضی خیالات ہوتے ہیں جیسے دنیا کی کتاب میں بعض تقریبی تذکرات یا محض حکایات چونکہ ان پر انسانی زندگی کی اہم ضروریات کا مدار نہیں ہوتا اس واسطے اُنکی پرواہ بھی کچھ نہیں کی جاتی صدہا ایسے خیالات زیر بحث آتے اور صدہا نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں کہ جن کا کوئی نشان اور کوئی علامت بھی باقی نہیں رہتی طلوع آفتاب کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں اور غروب کے ساتھ ہی مٹ بھی جاتے ہیں گو ان میں سے بھی بعض خیالات رفتہ رفتہ ایک اہمیت اور وقعت اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کی ہستی بھی بعض اوقات مختلف اوطنوں - واقعات اور کیفیات کی باعث ہوتی ہے لیکن پھر بھی اُنکی عام ضرورت ایک عام اہمیت کا بھی ثبوت دیتی ہے -

نہ اُن کے صدق کی چنداں بحث ہوتی ہے اور نہ اُنکے کذب کی وہ ایسی بحث کا موقع ہی نہیں دیتے یا لفاظ دیگر وہ محض ایک مشغلہ یا رواں خیالات ہوتے ہیں خاص کر کسی اصول کے تابع نہیں ہوتے ان کا عدم وجود محض عارضی ہوتا ہے -

انسانی زندگی دو شعبے رکھتی ہے -

۱ معاوی - اور

۲ معاشرتی

معاوی شعبہ ایک بڑی حد تک ایسا قوی وسیع اور زبردست واقع ہوا ہے کہ بہت دفعہ اُسکے سامنے معاشرتی شعبہ کو جھکنا اور دبنا پڑتا ہے اور اُسکے بعد حکمی اور تہذیبی شعبہ ہے جس میں شعبۂ تمدنی بھی مل گیا ہے اور اگر ہم ذرا اور وسعت سے کام لیں تو کہنا پڑے گا کہ حکمی - تمدنی اور

تہذیبی صورتیں بھی ایک اعتقادی صورتیں ہیں بعض دفعہ انسان معادی اعتقادات یا معادی خیالات کو چھوڑنے پر بخوشی تیار ہو جاتا ہے لیکن رسمی اور رواجی یا دیگر اعتباری خیالات کے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ یہ قرار دیتے ہوئے ہم یہ بحث صرف اعتقادیات کے نام سے کرنا زیادہ تر مناسب سمجھتے ہیں۔

بدیں اصول اور نقطۂ بحث ہم یہ کہیں گے کہ ہر قسم کے انسانی اعتقادات میں بھی اگرچہ وہ کسی قسم اور کسی نوع کے ہوں اور کیسے ہی بظاہر سقیم اور غلط معلوم ہوتے ہوں کوئی نہ کوئی حقیقت مستمر ہوتی ہے یا اُن کا شروع ہی کسی نہ کسی حقیقت سے ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر ایک قسم کے انسانی اعتقادیات کی تنقید کے واسطے یہ ایک عام قاعدہ بنا لیں کہ۔ ہر اعتقاد میں کوئی نہ کوئی اصلیت اور حقیقت ہوتی ہے یا ہر ایک انسانی عقیدے میں کسی نہ کسی قسم کی حقیقت کا ساتھ ہوتا ہے اور اُس سادہ فلاسفی کی پیروی کریں جو ایک مشرقی شاعر نے ذیل کے مصرع میں بیان کر دی ہے۔

تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

تنقیدی اصول کے ماتحت یہ مصرع ایک ایسی فلسفی ہے جو اپنے اندر اور اپنی تہ میں بہت کچھ رکھتی ہے جب ہم اس قسم کی بحثوں میں مصروف ہوں تو ہمارا یہ فرض ہے کہ ہماری دماغی حالتیں اور دماغی کیفیتیں اُن نشیب و فراز سے محفوظ رہیں جن کی وجہ سے ہم بعض دفعہ اکثر حقائق کے انکشاف اور امتداد سے ٹھوکر کھاتے اور محروم رہ جاتے ہیں۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم یہ سمجھنے کی بھی کوشش کریں کہ۔

" انسانی اعتقادات کس طرح درست ہوتے ہیں اور اُنکا شروع کسطرح ہوا
" اور کس طرح اُن میں غلطی پڑجاتی ہے - اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی
سوچا جاے - بلکہ ایک طرف یہ قاعدہ بھی بنالیا جائے کہ -
" ہر ایک جو بات کہتا ہے وہ سچی ہوتی ہے -
" اور زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو -
اور دوسری طرف یہ قرار دیا جائے کہ
" کثرت رائے میں عموماً غلطیاں بھی ہوتی ہیں -
ہمیں یہ تمام قواعد ٹھہراتے ہوے یہ ذہن نشین کرلینا فرض ہے کہ -
ایسی تمام رایوں - خیالات اور خیالات اور اعتقادیات کی واجبی قیمت
کیا ہے یا کیا ہونی چاہیے -

جو کچھ اس وقت تک ہر ایک قسم کی روایات ہم تک پہنچ چکی ہیں اُن
میں سے مذہبی اعتقادیات بھی بڑی زبردست روایات ہیں - ایسی
روایات کہ جن کی طنابیں صرف اس جہان یا اس زندگی میں ختم نہیں
ہوجاتیں بلکہ ان کی رفتار ایک دوسرے جہان تک بھی چلی جاتی ہے
اگرچہ اُس جہاں کی کیفیت اب تک ہم میں سے کسی نے واپس آکر بیان نہیں
کی بلکہ ہم میں سے بہتوں کو اس طرح اُسکا اعتقاد ہے کہ گویا اُسپر ایک
عینی مشاہدہ کے بعد یقین کیا گیا ہے -

دنیا کے مذاہب میں سے ہر ایک مذہب باوجود ایک مذہب ہونے
کے دوسرے مذہب کی ایک بڑی حد تک تکذیب اور تردید کرتا ہے ہر
مذہب اسکا مدعی ہے کہ جو کچھ درگاہ خدائی سے اُسے ملا ہے اور کسی کو نہیں
ملا ہے جو کچھ اُس نے پایا ہے اور کسی کے حصہ میں نہیں آیا ہے -

ہر مذہب اسقدر مختلف روایات کے ماتحت چل رہا ہے کہ اگر ایک مذہب خود ہی اپنی روایات کی تنقید کرنے بیٹھے تو بہت سا حصہ روایات کا اُسے نکالنا پڑے گا اور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ روایات میں سے بہت سی روایات فضول ہی نہیں ہیں بلکہ محض دروغ بافی بھی ہے۔

ایک مذہب دوسرے مذہب کے ساتھ جب مکالمہ مناظرہ کرتا ہے تو ہمیشہ اس بات پر تیار رہتا ہے کہ اُسے سرے سے لے کر اخیر تک سراسر کذب و دروغ ثابت کرکے چھوڑے مناظرین ہمیشہ اس خوشی اور وثوق میں رہتے ہیں کہ اُنکی دلائل اور براہین کے زور سے بالمقابل مذہب ناکارہ۔ ہیچ ثابت ہو کر رہے۔

ایسا خیال مناظرین کے دل و دماغ میں صرف اس واسطے مرتسم ہوتا ہے کہ

شروع مناظرہ اور شروع بحث میں ہی بعض لوگ مدمقابل مذہب کو از سرتا پا جھوٹ اور کذب و دروغ سمجھ لیتے ہیں اور اُن کے خیال میں سوائے اُنکے اپنے مذہب اور مسلمات مذہب کے کوئی دوسرا مذہب کچھ بھی صداقت اور اصلیت نہیں رکھتا یہی خیال ہے کہ جو دن بدن مذاہب میں نفرت پھیلاتا اور ایک کو دوسرے سے زیادہ تر بدظن کرتا ہے لوگ تطبیق مذاہب میں کوشش کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ مذاہب میں ایک اور بھی دوری اور نفرت پھیلانے یا پیدا کرنے کی ہمیشہ ایک ایسی سبیل نکالی جاتی ہے جو ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے بہت کچھ فاصلہ پر کردے یہ صرف اس واسطے ہوتا ہے کہ ہم غلط فہمی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ صرف ایک ہی مذہب شروع کی حقیقت اور صداقت رکھتا ہے باقی کے مذاہب میں

کوئی صداقت اور کچھ حقیقت نہیں ہو سکتی۔

آؤ اب ہم ذرا اپنے مذہبی تعصبات اور رسمی اعتقادات سے الگ ہو کر دیکھیں کہ فی الحقیقت معاملہ کیا ہے۔ صحیح اصول تنقیدی کے ماتحت ہر ایک مذہب دنیا پر غور کرنے کے بعد ہمیں مان لینا چاہیے یا مان لینا پڑے گا کہ پردہ دنیا پر کوئی بھی ایسا مذہب نہیں۔ جسمیں سچائی کی روح درحقیقت نہ ہو۔ مذہب کا بڑا بھاری اوزار اور بڑی بھاری حقیقت وجود خدائی ہے کیا کوئی مذہب بھی اس سے خالی ہوتا ہے۔ کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا جاتا ہو اگرچہ اس حقیقت کے اقبال اور اعتراف کا رنگ جداگانہ ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ غایت درجہ ہم دہریت کو پیش کر کے اس کا ابطال کر سکتے ہیں لیکن وہ بھی ایک طرح سے یہ حقیقت رکھتا ہے ایک دہریہ یا تو اس سارے زمانہ ہی کو خدا جانتا ہے اور یا خود اپنے تئیں اس حقیقت سے متصف قرار دیتا ہے دونوں صورتوں میں خدائی بحث بیچ میں آ پڑتی ہے اور دونوں حالتوں میں اُس کا پتہ لگتا ہے۔

مذہب یا مذاہب کا تعلق براہ راست نفوس اور ضمائر سے ہے اور اگر دوسرے الفاظ میں کہو تو مذہب بھی ایک طبعی خاصہ اور طبعی جذبہ ہے مذہب کا جزو اعظم خدا ہے اور کوئی ہستی سوائے اس خدائی خیال کے باقی اور خالی نہیں رہ سکتی یہ جدا بات ہے کہ اس خیال کے ساتھ رفتہ رفتہ یا بعد میں چند ایسے خیالات بھی مل جاتے ہوں کہ جو اس خیال کی روشنی کے دھندلا کرنے کے واسطے ایک کافی ذریعہ ہوں۔

بت پرستی بعض لوگوں کے خیال میں خدا پرستی کا شروع ہے

یعنی بت پرستی سے رفتہ رفتہ یا بتدریج انسان خدا پرستی تک پہنچا ہے لیکن میری رائے میں یہ صحیح نہیں جب کہ ہم خدائی خیال کو انسان کا ایک طبعی خیال کہتے ہیں تو پھر یوں کہنا چاہیے کہ خدا پرستی یا خدا پرستی کے خیال سے ہی انسان گرتے گرتے بت پرستی تک پہنچ گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح انسان کئی درجوں سے ترقی کرتے کرتے انسانیت سے فائز ہوا ہے اسی طرح بت پرستی سے خدا پرستی پر آیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ قصہ ابھی تک اس درجہ تک ثابت نہیں کہ اُس پر یوں ہی آمنا و صدقنا کہا جائے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ کہا جائے گا کہ انسان کے دل میں اس وقت خدا پرستی کا خیال آیا کہ جب وہ خدا پرستی کا جامہ پہن چکا تھا اور ایسی حالت میں اُسکے دل و دماغ میں اپنی پوزیشن موجودہ کے مطابق لازمی تھا کہ شروع شروع میں خدا ہی کا خیال مرکوز ہوتا۔

ہم اس کی تائید میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان فطرتاً گنہگار اور عاصی نہیں بنایا گیا اُسکی فطرت میں پاکیزگی اور اچھائی رکھی گئی ہے وہ اس فطرتی اقتضا کے بعد ہی گناہوں میں آلودہ ہوا ہے اور اب بھی جب کبھی اُسے موقع ملتا ہے اُسی فطرتی پاکیزگی کا متلاشی رہتا ہے وہ ہی فطری تڑپ اُسے جا بجا لیے پھرتی ہے اور اُسی رنگ میں وہ رنگا جانا پسند کرتا ہے اگر یہ تڑپ عارضی ہوتی اور اُسمیں فطری تقدس اور فطری جوش نہ ہوتا تو اس طرف انسان اسقدر شد و مد سے متوجہ بھی نہ ہوتا۔

زہستی ناخوشی ہا دیدم و سازِ عدم کردم
ہوائے غربتم ناسازشد سوے وطن رفتم

خدا نے انسان کو اس دنیا میں اُسکی درخواست کے بغیر بھیجا اسپر اگر وہی اُس کی طبیعت میں ایک نہ دور ہونے والا مادہ گناہ کا رکھ دیتا تو وہ الزام سے کس طرح بچ سکتا ہے خود ہی ہیں گناہ سیرت اور عصیان فطرت بناتا ہے اور خود ہی غلط کاری پر ہم سے جواب طلب کرتا ہے۔ اس بات کی کسی دنیوی سیاست سے تو اُمید کی جاسکتی ہے۔ خدائے قدیر سے کس طرح ایسی ناانصافی اور ایک بڑی کی امید ہوسکتی ہے۔ ہماری فطرت پاک صاف بنائی گئی ہے اور ہمیں یہ موقع دیا گیا ہے کہ ہم پاک فطرت کی مدد سے پاکیزگی میں ترقی کریں جب ہم پاکیزہ فطرت ہیں تو پاکیزگی فطرت کا سب سے اعلےٰ اور روشن تر پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اُس راہ پر لگائے جو خدائی ذات کی منزل تک لے جاتی ہے اور جس سے اُس ذات صمدی کا درشن ہوتا ہے۔

امید نوازش از فلک بود
آخر بہ زمیں نوانست مارا

جب خدا پرور ہی خداشناسی ہمارا ایک فطری خاصہ ہے تو پھر یہی کہا جائے گا کہ انسان کی فطرت نے شروع ہی میں انسان کو خدائی راہ پر لگایا ہے اور انسان بعد میں خارجی اغلاط کی وجہ سے خداشناسی سے دور دور ہوتے پتھروں اور اصنام تک پہنچا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ہم ایک دفعہ کسی عجوبہ ہستی اور کسی بڑی فریب طاقت سے آشنا ہوجاتے ہیں تو بعض وقت اُس کے فقدان پر اُس کے قائم مقام بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور اپنی عارضی طمانیت کے واسطے اُن وسائل اور اُن ذرائع سے کام لیتے ہیں جو اُس اصلیت سے بہت دور ہوتے ہیں۔

ایک طالب کا مطلوب کی تصویر رکھنا اور اُسے رات دن دیکھتے رہنا

کیا ہے ایک بہانہ ہی تو ہے کیا تصویر میں وہ بات بھی ہوتی ہے جو اصل میں ہوتی ہے ضرور ایک خاکہ تو ہوتا ہے مگر وہ بولتی چالتی حقیقت کہاں اور وہ بات کہاں۔ اور باوجود اس کے بھی ایک طالب اُس سے ایک قسم کی طمانیت پاتا اور دلاویزی حاصل کرتا ہے۔

مجنوں مرا بہ سلسلۂ عشق داگذاشت
خود از میانہ پائے کشید و مرا گذاشت

جب ہم خدا شناسی اور خدا پرستی کے فطرتاً عادی ہیں اور خدا ہی سب مذاہب کی جڑ یا سب مذاہب کا عنصر اولیں ہے تو پھر ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ

دنیا میں صرف ایک مذہب ہی صداقت لے کر آیا تھا یا خدا نے صرف ایک ہی قوم اور ایک ہی مسلک کی فطرت میں یہ جوہر خدا شناسی ودیعت کیا تھا اور ایک ہی قوم اس کی سزاوار رہی تھی یہ تو خدا کی ناشکر گذاری یا خدا پر الزام دینا ہے۔ خدا نے ہر فطرت میں یہ جوہر رکھدیا ہے اور ہر فطرت اس کی سزاوار ہے اگر ہم راست بازی سے یہ مان لیں تو پھر ہمیں اس کے ساتھ ہی یہ اقرار بھی کرنا پڑے گا کہ

ہر مذہب میں باوجود رطب ویابس روایات اور عقائد کے بھی ایک صداقت ہے۔ ایسی صداقت جو ہمیں اُس چشمۂ صداقت کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری فطرت بننے میں رکھا گیا ہے۔ اور جس سے کوئی فطرت بھی خالی نہیں

ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

دیکھو اس خیال کے ذہن نشین کرنے سے کہ ہر مذہب میں ایک صداقت موجود ہے اور کوئی مذہب شروع کی صداقت سے خالی نہیں ہم اس نفرت

اور اُس بیزاری سے کس قدر دور جا رہتے ہیں جو ہمیں مناظرہ اور بحث یا مطالعہ مذاہب کے وقت پیش آتی ہے یہ وہ طریقہ ہے جو ہمیں تطبیق مذاہب میں بہت کچھ مدد دیتا ہے اور ہمارا دل خواہ مخواہ کے تعصبات سے خالی ہوجاتا ہے جو ہر وقت ہمارے ستہ راہ رہتے ہیں اور ہم اس مرحلے پر پہنچ جاتے ہیں کہ الہامی فیضان کنجوسی سے نہیں ہوتا سب قوموں میں اسکی باری باری حصہ دار ہیں کسی قوم کی خصوصیت نہیں اور کوئی قوم اس خوان الہام سے محروم نہیں رہ سکتی۔

جس طرح خدا رازق ہے اور سب کو رزق دیتا ہے اسی طرح یہ معادی فرق بھی ہر قوم کے حصہ میں دیا گیا ہے تاکہ سب قومیں معادی رنگ میں ایک کمی میں نہ رہیں۔

ہر رنگ جلوہ دارد با چشم آشنائے
آن حسن خود نمارا من خوب می شناسم

بایں حالات ہم ایک طرف اگر ایک مایوسی کی سی معترضانہ نگاہوں سے بعض مذاہب کی روایات میں ایک کمزوری ایک اُلجھن اور ایک نقص اور ایک بے ترتیبی پاتے ہیں تو دوسری طرف اُس میں ایک شروع کی صداقت بھی پاتے ہیں اُس میں وہ دُھندلا نور بھی دیکھتے ہیں جو شروع شروع میں اُس پر نازل اور روشن ہوا تھا اور جس کی کرنوں میں اُس نے بہت سی روحوں کی رہنمائی کی تھی اور جو اب تک اُسی روشنی کی دُھندلی سی کرنوں میں اُس صداقت کے پانے میں غلطاں و پیچاں رہتی ہیں۔

ایک ظلمت اکثر اپنے ساتھ نور بھی رکھتی ہے ایک کذب میں صدق بھی ہوتا ہے صداقت کو غالب اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ باوجود

غلبۂ ظلمت سے کبھی نہ کبھی سطح پر آجاتی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کبھی نہ کبھی خود کو دہراتی ہے ایسے ہی یہ بھی کہا جائے گا کہ صداقت بھی کبھی نہ کبھی نہ ظلمت میں سے جلوہ کناں ہوتی ہے۔

ہر مذہب خصوص وہ مذہب جو بعد میں آتا ہے یہ چاہتا ہے کہ پہلے مذاہب اُس سے تطبیق کی ٹھہرائیں اور یہ دیکھیں کہ وہ پہلوں سے کیا کچھ نسبت رکھتا ہے جیسے کہ سب سے پیچھے آنے والے مذہب اسلام نے کھلے کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے۔

لقالوا الی حکمۃٍ واحدۃٍ

اس فقرۂ قرآن سے بھی یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ منشا اس کا یہی ہے کہ اُس صداقت کی تلاش میں ہو کر اُس کا خیر مقدم کرو جو شروع میں ہی انسان کے حصے میں رکھی گئی ہے اور جس پر تمام مذاہب کا مدار ہے اور جو گویا مذاہب کا لب لباب اور عنصر اعظم ہے۔

بوئے تو ز بوئے گل شناسد
آن را کہ دماغ بو شناس است

سلطان احمد

مزار غالب

فنڈ کی امداد کے لیے ہم اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالۂ "تمدن" کی تو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید۔ سعادت۔ (مصنفہ) جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۴۰ فیصدی ہم اس فنڈ میں دینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۴ر اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۴ر ۰ رہے۔

المشتہر منیجر رسالۂ تمدن "پل جھاؤ لال لکھنؤ

بحرِ خیال کی لہریں

۱۔ صناعِ عالم نے اس جہان کو بھی ایک عجیب مجموعہ عجائبات بنایا ہے۔ اور ہمیں اپنی صناعی کے عجیب عجیب حیرت انگیز کرشمہ دکھائے ہیں۔ لیکن ہر ایک دل ایسا نہیں جو ان عجائبات کو دیکھکر ضرور متحیر ہی ہو۔ اور وہ کرشمے ایسی چیز ہی نہیں جنھیں وہ خواہ مخواہ نگاہ تعجب ہی سے دیکھے۔ ایک بہت بڑی تعداد بندگان خدا کی اس حیرت زا عالم میں پیدا ہوتی ہے اور اپنی قید زندگی کے دن کاٹ کر عدم کو روانہ ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ ان تمام اشیاء کو کسی نگاہ تعمق سے دیکھے۔ اور ان سے کسی قسم کا سبق حاصل کرے۔

۲۔ کون ایسا شخص ہوگا جس نے کبھی دریا اور اُس کی روانگی کو نہ دیکھا ہوگا لیکن وہی دریا ہے جو حقیقتہً ایک ہی چیز ہے مگر ہر دیکھنے والا اس سے ایک مختلف طریقہ سے متاثر ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جو اسکے قریب سے گذرتا ہے اور اس پر ایک چھچلتی نگاہ بھی ڈال دیتا ہے۔ اس کے دماغ میں فوراً کسی نہ کسی طرح کے خیالات کا دریا ضرور موج زن ہونے لگتا ہے۔ اگر کوئی پیاسا آنکلتا ہے تو اپنے پیاس ہی بجھانے کی سبیل سوچنے لگتا ہے۔ اگر کوئی تھکا ماندہ مسافر آجاتا ہے تو دریا کا منظر دیکھتے ہی اس کے پژمردہ دل میں ٹھنڈک سی پڑجاتی ہے۔ اگر کوئی راہ رو اُدھر سے گذرتا ہے تو کم سے کم اس کو یہ سوچ کر بڑی راحت ہوتی ہے کہ منزل مقصود یہاں سے اب اتنے فاصلہ پر ہے۔ اور یہ خیال بہت سے ان شکوک کو جو فاصلہ کے غیر معین ہونے سے اس کے دل میں ہیجان

برپا کیے ہوئے تھے رفع کر دیتا ہے لیکن بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنکے دلوں پر اس کا اثر کسی ناصح کی نصیحتوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور اس کی بے زبانی سے وہ سبق حاصل ہوتا ہے جو ہزار ہا زبان والے برسوں میں نہیں دے سکتے۔

دریا یہ نہیں کہتا کہ تم متلون مزاج ہو۔ استقلال اور صبر سیکھو۔ بلکہ وہ اپنے صبر اور استقلال کی ایسی بیّن مثال پیش کرتا ہے کہ انسان بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ دریا منبر پر بیٹھ کر وعظ نہیں سناتا کہ مشکلات سے ڈرانا سخت کمزوری ہے۔ بلکہ وہ اپنی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ دیکھو میں اگر پہاڑوں کو پہاڑ سمجھتا اور پتھریلی زمین کی سختیوں سے ڈرتا تو آج کا ہے کو اس سبزہ زار میں بہ کر اپنی برق شمائل لہروں سے نیلے آسمان کے زیور کہکشاں کو شرمندہ کرتا۔ دریا دن میں دس مرتبہ وقت کی قدر کرنا سکھا کر وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ نہایت آہستگی سے گوش عقل میں یہ کہہ دیتا ہے کہ وقت کی رفتار بالکل میری ایسی ہے۔ اور جس طرح میں ہر وقت سمندر میں گر کر اپنی ہستی کو مٹا رہا ہوں۔ اسی طرح یہ عزیز وقت جو تمھارے لیے مجھ سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے بحر عدم میں داخل ہو کر تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہے۔ دریا زندگی کے مصائب بیان کر کے انسان کے رولا دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی زندگی کا نقشہ دکھا کر کہتا ہے کہ دیکھو مجھے ہمیشہ باد مخالف کے تند جھونکوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہر ہر قدم پر ہزار ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ میری رفتار پر کوئی بُرا اثر پیدا نہیں کرتیں۔ بجائے اس کے جس قدر رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اسی قدر مجھ میں تیزی آتی جاتی ہے۔ دریا آئینۂ خاطر کے صاف رکھنے کا سبق کچھ دقیق الفاظ اور بے معنی نصیحتوں سے نہیں دیتا۔ وہ اپنا پاک سینہ

آپ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کو ایک لمحہ بھی کسی قسم کے خس و خاشاک سے مکدر کرنا اسے گوارا نہیں۔ اور ہر وقت ان کے دفع کر دینے کی کوشش میں سرگرم رہتا ہے۔

وہ مخلوق خدا کی دل سے قدر کرنے والا بندہ جس کے لیے ہر خوبصورت شے اور ہر حسین صورت ایک عجیب دلکش اثر رکھتی ہے۔ اور جو خدا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھ کے کفران نعمت کرنا نہیں چاہتا۔ جب حضرت ناصح کی باتوں سے گھبرا اُٹھتا ہے تو کنارہ دریا میں ہمدردی اور تسکین کی اُمیدیں دل میں لیے ہوئے آکر دم لیتا ہے۔ اور کنارے پر پہنچتے ہی حسب اُمید دریا اس کے استقبال کو بڑھتا ہے اور آہستہ آہستہ ہوا کے ٹھنڈے جھوکوں سے اس کے چہرہ سے رنج و پریشانی کے آثار اور دل سے گرد ملال اور تپش غم کی گرمی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب وہ غریب ان اٹکھیلیوں سے گھبرا اُٹھتا ہے اور صحرانوردی کی دُھن اس کے منتشر دماغ میں سماتی ہے۔ اس وقت دریا اس کے سامنے اپنے تمام راز دل کا دفتر کھول دیتا ہے۔ اور راہ محبت کے چھالے، قلب کی ناقابل سکون بیتابی اور ہزار ہا جگر کے ناسور، دکھا کر اپنے صبر کی داد خواہی کرتا ہے۔ اور جادۂ محبت کے طے کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ یہ منظر دیکھکر اس کا دل بھر آتا ہے اور عرصہ تک اپنا خون دل آنسوؤں کی شکل میں بہا کر دریا کا ساتھ دیتا ہے۔ اور بالآخر اپنے اس ہمدرد سے رخصت ہو کر ایک نہایت مضبوط دل کے ساتھ دُنیا کے مصائب برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

سید علی ظہیر۔ بی۔ اے۔

تذکرۃ الاولیا مصنفہ عطارؒ پر ایک نظر

خواجہ فریدالدین عطارؒ اکابر صوفیہ سے ہیں ۵۱۳ھ میں بمقام کدکن پیدا ہوئے اور ۶۲۷ھ میں بمقام نیشاپور کسی نامعلوم تاتاری کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ عطار کی دوکان کرتے تھے اور شاید اسی مناسبت سے عطار تخلص کیا تھا۔ آپ طبیب بھی تھے اور آپ کا مطب مرجع مریضان تھا۔ آپ کے مذہب فقر و تصوف اختیار کرنے کا ایک عجیب قصہ بیان کیا جاتا ہے ایک دفعہ آپ دوکان میں بیٹھے تھے کہ ایک فقیر آیا اور دوکان کی آرائش و سجاوٹ کو غور سے دیکھنے لگا آپ نے کہا کیوں وقت ضائع کر رہے ہو اپنا رستہ لو۔ اس نے کہا مجھے جاتے کیا دیر لگتی ہے تم اپنی فکر کرو۔ یہ کہیں چلا یہ کہہ کر وہ زمین پر لیٹ گیا۔ آپ نے نزدیک جا کر دیکھا تو تمام ہو چکا تھا۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ نے کھڑے کھڑے دوکان لٹا دی اور دنیا سے کنارہ کیا۔

آپ کی جلالت شان و رفعت مدارج ذیل کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پس سنائی و عطار آمدیم

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار مستند

آپ نے مولانا روم کو بچپن میں دعا دی تھی اور کہا جاتا ہے کہ مثنوی شریف جناب عطار کی منطق الطیر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔ آپ کے عین حیات میں فتنۂ تاتار کی ابتدا ہو چکی تھی اور آپ بھی اسی مسلمان کش فتنہ کے

شہید ہیں۔

تذکرۃ الاولیا کے دیباچہ میں اس کا سبب تالیف یہ بتایا گیا ہے کہ بزرگوں کے کلام کو جمع کیا جائے اور بزرگوں کے کلام کے پڑھنے اور سننے کے فائدے تحریر کیے ہیں۔ یہاں کلام سے مراد اقوال ہیں۔ اس کتاب میں ۹۶ بزرگوں کا کلام جمع کیا ہے اور ضمناً کہیں کہیں مختصر حالات بھی لکھ دیے ہیں۔ مگر اکثر بزرگوں کے سنین ولادت و وفات بھی درج ہیں۔ بعض حکایات سے ان بزرگوں کے سوانحات عمری پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور ان بزرگوں کی زندگی کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے۔ کلام صوفیانہ ہے مشتمل بر مذمت دنیا و مدح ترک دنیا۔

کل ۹۶ بزرگوں کے اقوال جمع کیے ہیں ان ۹۶ بزرگوں کی بحیثیت قوم و وطن حسب ذیل تقسیم ہو سکتی ہے

عرب =	۸
عراق عرب =	۳۱
ایران =	۴۷
شام =	۵
مغرب و مصر =	۵
	۹۶

حضرت امام جعفر صادق رح — خالص عرب
" ابو حازم مکی رح — حسب ذیل بزرگ
" اویس قرنی رح — ہیں

حضرت امام شافعیؒ

" خواجہ محمدؒ

" عمر بن عثمان مکیؒ

" ابوبکر کستانیؒ

عراقی بزرگوں میں بھی عربی الاصل بہت کم ہیں۔

ان بزرگوں کا حصۂ کثیر غیر عرب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانے کے عربوں میں مذہب فقر نے اچھی طرح رواج نہ پایا تھا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ عرب چونکہ اس زمانہ میں حکمراں قوم تھی بالطبع مذہب فقر کو پسند نہ کرسکتی تھی مذہب فقر کی اول شرط ہے ترک تعلقات دنیاوی حتی الامکان اور حکومت حاوی ہے کل تعلقات دنیا پر۔ یا یہ ہوسکتی ہے کہ عربوں نے مذہب فقر کو اسلام سے مانوس نہ پایا۔ عرب اول مسلمان ہیں اور اول داعی اسلام۔ سچے اسلام کو کوئی دوسری قوم ان سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔

ان ۹۶ بزرگوں میں بعض ایسے ہیں جن کا کسی سے بیعت ہونا ثابت نہیں۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد حنبلؒ۔ عبداللہ بن مبارکؒ سفیان ثوریؒ ابراہیم ادہمؒ رابعہ بصریؒ وغیرہ۔ جناب عطار نے ان حضرات کی بڑی تعریف کی ہے اور تصوف میں کامل اکمل بتلایا ہے۔

اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ جناب عطار مذہب فقر و تصوف کے لیے باقاعدہ ارادت ضروری نہیں جانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کو لکھا ہے کہ بلخ کے بادشاہ تھے اور بادشاہت ترک کرکے فقیری اختیار کی۔ یہ واقعہ مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ ہمعصر تھے امام ابوحنیفہؒ اور خلیفہ معتصم کے۔

	ولادت	وفات
امام ابوحنیفہؒ	۸۰	۱۵۰
خلیفہ معتصمؒ	۱۸۰	۲۲۷

جلوس ۲۱۸

عہد خلافت بنی عباس میں اول اول تین خاندان صوبجات میں خود مختار ہوئے۔

پہلا خاندان آل طاہر ۲۰۵ سے ۵۹ ۲ تک ان کا مورث اعلےٰ طاہر ذوالیمینین مامون کے وقت میں خراسان کا عامل مقرر ہوا

دوسرا خاندان۔ صفاریہ ۲۵۹ سے ۲۹۰ تک۔ بانی یعقوب بن لیث صفاری۔

تیسرا خاندان آل سامان ۲۷۹ سے ۳۹۵ تک۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا کسی ایک خاندان سے ہونا ثابت نہیں پھر معلوم نہیں بلخ میں کون سا مسلمان خاندان حکمراں رہا جس کے آپ رکن تھے

جناب عطار کے زمانہ تک صوفیوں میں فرقہ بندی نہ شروع ہوئی تھی یعنے صوفی خود کو کسی سے منسوب نہ کرتے تھے جیسے آجکل کہ کوئی چشتی ہے کوئی قادری وغیرہ وغیرہ۔

صدر اول میں تو اس کا خیال تک نہ تھا۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ

اس زمانہ میں شخصی عظمت کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور انسانی روح کی بزرگی برقرار تھی۔

بزرگوں کی قبروں کی نگہداشت کا خیال نہ پیدا ہوا تھا اور نہ عرسوں کی بنیاد پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کا اب پتہ بھی نہیں ہے

صدر اول اور اس سے ملے ہوئے زمانہ میں گانا بجانا مذموم سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مندرجۂ ذیل حکایات سے ظاہر ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ ایک شب گورستان سے آتے تھے ایک نوجوان جو بسطام کے بزرگ زادوں سے تھا طنبورہ بجاتا آرہا تھا جب آپ کے قریب ہوا تو آپ نے لاحول پڑھی نوجوان نے طنبورہ اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کو بطور نصیحت کے فرمایا کہ ہرگز راگ گانا مت سنیو اگرچہ تو مردوں میں مردانگی کا درجہ رکھتا ہو اس لیے کہ آفت سے خالی نہیں اور آخر کار اپنا اثر پیدا کرتا ہے

حضرت رابعہ بصری پہلے گانا بجاتی تھیں اور پھر توبہ کی۔

ان ۹۶ بزرگوں کا ایک معتد بہ حصہ سماع نہیں سنا کرتا تھا مثلاً

حضرت حسن بصریؒ	حضرت بایزید بسطامیؒ
حضرت رابعہ بصریؒ	حضرت سہل تستریؒ
حضرت فضیل عیاضؒ	حضرت معروف کرخیؒ
حضرت ابراہیم ادہمؒ	حضرت سری سقطیؒ
حضرت ذوالنون مصریؒ	حضرت شجاع کرمانیؒ

حضرت جنید رح	حضرت حسین بن منصور حلاج رح
حضرت محمد علی حکم الترمذی	حضرت شبلی رح

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا رواج بہت پیچھے چل کر ہوا ہے۔ اس کی تاریخ بڑی دلچسپ ہوگی کہ سماع کس طرح صوفیوں کے نزدیک داخل عبادت ہوگیا۔

بہت سے بزرگ مجرد رہے مثلاً ذوالنون مصریؒ۔ بایزیدؒ۔ سہلؒ۔ معروفؒ سریؒ۔ شبلیؒ وغیرہ

گویا خیر القرون سے ملے ہوئے زمانہ ہی میں رہبانیت کا خیال پیدا ہوگیا تھا اور سنت کے خلاف عمل شروع ہوگیا تھا۔

ہر کس و ناکس کو مرید نہیں کیا جاتا تھا بلکہ بیعت لینے کے آگے ایک عرصۂ دراز تک آزمائش کی جاتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تصوف کا حصلاے عام ہر کس و ناکس کے لیے نہ تھا۔

جناب عطار نے اپنی کتاب کے ماخذ نہیں بتلائے اور نہ انتخاب کلام کا طریقہ بتلایا۔ ائمۂ مجتہدین اربعہ میں سے امام مالکؒ کا ذکر نہ کیا اور کیوں نہ کیا وجہ نہ بتلائی۔ اور ائمۂ محدثین میں سے امام بخاری امام مسلم و بقیہ صاحبان صحاح ستہ کا ذکر نہیں کیا شاید جناب عطار کو ان کا صوفیانہ کلام ملا نہیں۔ مگر سخت تعجب ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا بھی ذکر نہیں حالانکہ جناب عطار نے یہ کتاب شیخ کی وفات کے بعد ہی لکھی ہے۔

شیخ کی ولادت ۴۷۱ھ اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ شیخ کی وفات کے وقت جناب عطار کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ کتاب تذکرۃ الاولیا غالباً جناب عطار کی اخیر عمر کی تصنیف ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بقول ان کے تذکرہ نویسوں کے اپنی حین حیات ہی میں محی الدین مشہور ہو گئے تھے اور آنجناب کوئی غیر معروف شہر میں بھی نہ تھے بلکہ بغداد میں تھے جو اُس زمانہ میں اسلام کا مذہبی علمی تمدنی اور سیاسی مرکز تھا۔ اور شیخ کی کتابیں فتوح الغیب وغیرہ متداول و ساری ہو چکی تھیں۔ اس لیے بہت تعجب ہے کہ جناب عطار نے شیخ کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

غزنہ نظامی

غزل ظرافت

قبر کی محل میں بی لیلا جو پنہاں ہو گئیں — آرزوئیں قیس کی غول بیاباں ہو گئیں
باعث آبادیِ گورِ غریباں ہو گئیں — بستیوں میں جب پلیگ آیا تو ویراں ہو گئیں
آہ کی ضربیں مری رحمت کا ساماں ہو گئیں — مشکلیں اتنی پڑیں آخر کہ آساں ہو گئیں
عشق کا جادو بنا دیتا ہے ماداؤں کو نر — دل میں جتنی آرزوئیں تھیں سب ارماں ہو گئیں
جوش وحشت میں بہت تنبیہ کرتی ہیں اُسے — اتبو لیلا کی ادائیں قیس کی ماں ہو گئیں
اب وہ ہرگز کھا نہیں سکتا زمانے کی ہوا — ہچکیاں حلقِ مریضِ غم کی درباں ہو گئیں
اسقدر پھیلی پریشانی کہ دامن بن گئی — سختیوں نے یوں گلا گھوٹا گریباں ہو گئیں
قحط کا سارا اثر معشوق ہی کے سر گیا — کال کی ماری ہوئی زلفیں پریشاں ہو گئیں
اسقدر پھیلا دہن تیرا کہ گھونگا بن گیا — اسقدر سمٹیں تری آنکھیں کہ ٹیاں ہو گئیں

یاد آیا ہے کہ اُن زلفوں میں اُلجھے تھے ظریف
اتبو تارِ عنکبوت طاقِ نسیاں ہو گئیں

اسیر قفس کا نالۂ غم

نظر سے دیکھا ہے جلتے جو آشیاں صیاد
مثال در و جگر سے اُٹھا دھواں صیاد

نظر میں پھرتا ہے اب تک وہی سماں صیاد
کیا تھا جب مرا بر باد آشیاں صیاد

اسیر تازہ ہوں کیونکر قفس میں چین آئے
مری رگوں میں جنوں ہے ابھی نہاں صیاد

فریب حسن خدا جانے کیا غضب ڈھائے
ہوا ہے پھر مری حالت پہ مہرباں صیاد

میں ایک جان حزیں اور سینکڑوں دشمن
نسیم۔ درد جگر۔ برق۔ آسماں۔ صیاد

مرے قفس کو چمن ہی میں رکھ خدا کے لیے
کہ چند روز کا ہوں اور میہماں صیاد

چھٹا ہے جب سے نشیمن ہوں خانماں برباد
کبھی رہا نہ گھڑی بھر بھی شادماں صیاد

وہ بدنصیب ہوں راحت مجھے کہیں نہ ملی
جہاں گیا وہیں اک دام تھا نہاں صیاد

چمن تو چھوٹ گیا کیوں قفس چھڑاتا ہے
خدا کے واسطے رہنے دے اب یہاں صیاد

اسیر ہی مجھے جب کر لیا تو پھر کیا ہے
قفس ہو صحن چمن ہو کہ آشیاں صیاد

جگر میں۔ سینے میں۔ پہلو میں۔ دل میں اوظالم
نہ پوچھ درد ہو رہا ہے کہاں کہاں صیاد

جو ذبح کرتا ہے بازو ہی کھولدے میرے
کہ وقت نزع تڑپ لوں میں نیمجاں صیاد

دعائیں دوں گا کہ مظلوم ہوں خدا کے لیے
دکھادے ایک نظر اور آشیاں صیاد

نہ صدر چین قفس میں نہ آشیاں میں ملا
وہاں تھی دشمن جاں برق اور یہاں صیاد

سید صدر رضوی

رباعی

برسوں کے سفر کیے زمانا دیکھا
ہر ملک کی سرزمیں کا نقشا دیکھا

جب میں نے کہا دل میں کہ دنیا دیکھی
ذرّوں سے صدا آئی ابھی کیا دیکھا

شباب

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
کہ سحر گہ ز کنارِ تو جواں برخیزم

"ناظرین فلسفۂ اجتماع و فلسفۂ جذبات کی اذیت آفرینی اور پیرانہ اثری سے تنگ آکر اک جدید فلسفہ حسن و شباب کے متمنی ہوں گی۔ جو ایک طرف تو لطافت و رنگینی کا معلم اور دوسری طرف تقشف و افسردگی کا دشمن ہو ہم کو مصنف فلسفۂ جذبات سے صرف یہ شکایت ہے کہ انھوں نے جذبات جیسے زندہ۔ لطیف اور غیر محدود خیال کو ضبط تحریر اور معرض انضباط میں لانے کی کوشش کی ہے اور شمشیر منطق سے گلا گھونٹ کر نظام فلسفہ میں دفن کرنا چاہا ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ نخل شیریں فضائے عقلیات میں کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا بلکہ اس کی نشو و نما کے لیے سرزمین جمالیات کے آب و ہوا کی ضرورت تھی۔ اب جبکہ مصنف موصوف کی شادی ہو چکی ہے۔ ہم کو امید ہے کہ جدید فلسفۂ شباب کی روشنی میں موضوع جذبات پر وہ دوبارہ قلم اُٹھائیں گے اور ناظرین کے دماغ سے وہ اثر پژمردگی دور کر دیں گے جو فلسفیت کا لازمی نتیجہ ہے۔"

ایک مصور اپنے تصویر خانہ میں بیٹھا ہوا ایک دلکش تصویر کے نظارہ میں مصروف ہے۔ کمرہ قالین ایرانی سے مزین اور گلہائے رنگا رنگ کی خوشبو سے معطر ہے۔ ہنگام بہار ساحل بحر غرب۔ اور عالم تنہائی تحریک تخیل کے بہترین معاون ہیں۔ مرکز نظام شمسی وسط فلک پر ضیا پاش ہے۔ اک سکوت گراں

طاری ہے - اور صرف ایک یکہ و تنہا آواز یعنی خروش عصافیر اس خموشی مطلق کو توڑ رہی ہے - کمرہ کے آگے ایک چمن ہے - درختان گلاب کی شاخہائے لرزاں کو دیکھکر یہ حیرت ہوتی ہے کہ حسن شعلہ آسا کے بار کی حامل وہ کیونکر ہوتی ہیں کھڑکیوں کے پردہ ہائے ریشمیں پر تتلی کے پرواز کا عکس ان مصوراں جاپان کی یاد کو تازہ کرتا ہے جو اپنے فن غیر محرک کے توسط سے سرعت و حرکت کا اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں مصور کی چشم خنداں کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر اسکے لیے اک وحی ہے جو آسمان افلاک سے ابھی اُتری ہے - یہی تصویر اس کے ہر تصور کو صورت عمل سے آراستہ اور اسکے ہر خواب کو جامۂ حقیقت سے مزین کرتی ہے - تصویر ایسی ہے - محبوبۂ فزا صبر ربا - عناصر محبت کی ترکیب - حیرت انگیز دلاویزی کا نمونہ - اور بہترین تناسب جسمانی کا پیکر ہے -

ادہم آتا ہے اور مصور کو یوں مخاطب کرتا ہے -

ہاروں - یہ کس کی تصویر ہے"

ہاروں - میں اس کا نام ہرگز نہ بتاؤں گا - کیونکہ میرا اصول ہے کہ میں جس چیز کو پسند کرتا ہوں اسکو کسی پر ظاہر نہیں کرتا - میں جب کبھی دیہاتی زندگی کا لطف اُٹھانے کے لیے شہر سے باہر جاتا ہوں تو گھر میں کسی سے کہکر نہیں جاتا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میں نے ظاہر کیا کہ میرا لطف سفر کم ہو گیا

ادہم - اخفا پسندی راہ شادمانی ہے - زندگی جدید کی دلاویزی اسی پر مبنی ہے

ادہم - شاید تم بھول گئے کہ میری شادی ہو چکی ورنہ اس موضوع پر میری سمع خراشی نہ کرتے - کیا شادی سے بہتر تمہارے دعوے کے ثبوت کی کوئی اور مثال مل سکتی ہے - بیوی اسی لیے تو محبوب ہوتی ہے کہ اس کا آشنا اور

اخفا پر طبیعت رکھتی ہے۔ اچھا بتاؤ تو اس تصویر کا نام کیا ہے"

ہارون: "میں نشاط کا نام ہرگز نہ بتاؤں گا"

ادہم: "اچھا اس کا نام نشاط ہے"

دوران گفتگو میں نشاط آجاتا ہے۔ مصور متحیر ہوکر اپنے دوست سے نشاط کا تعارف کراتا ہے۔

"آپ میرے دوست مسٹر ادہم اور آپ مسٹر نشاط"

ادہم اپنے تئیں ایک جدید فلسفۂ مسرت کا بانی سمجھتا ہے اور ایک ایسی عجوبہ اور نادر شخصیت کی تلاش میں ہے جس پر اپنے فلسفۂ خیالی کا عملی تجربہ کرسکے۔ نشاط سے ملاقات ہوئی تھی کہ دفعۃً اسکے دل میں لذت حسن اور شباب پر لکچر دینے کا خیال موجزن ہوا۔

نشاط ایک نیچر، سالہ جوان معصوم ہے۔ لذائذ دنیوی سے مطلقاً بے بہرہ اور مکروہات عالم سے بالکل ناآشنا۔ مصور کی صحبت کا اثر اس کی اخلاقی زندگی پر نہایت اچھا پڑا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہارون در پردہ نشاط کی پرستش کرتا ہے۔ لیکن، پرستش خواہش نفس کی آسودگی کے واسطے نہ تھی بلکہ فن مصوری کی تکمیل کے لیے۔ کیونکہ وہ نشاط کو وحی مجسم اور اپنے فن کی قوت عامل سمجھتا تھا۔

ادہم: "مسٹر نشاط کل مسز حامد آپ کا ذکر کرتی تھیں اور آپ کے خصائل حمیدہ کی از حد معترف تھیں"

نشاط: "مسز حامد ایسی نیک خاتون ہیں میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ آج ہم دونوں ساتھ یتیم خانہ چلیں گے لیکن افسوس ہے کہ اب وقت گذر گیا"

ادہم: "نقص عہد اگر نہ ہو تو دنیا سے لطف انفعال جاتا رہے قطع نظر اس کے

آپ تو اسقدر دلکش ہیں کہ صعوبات زندگی سے آپ کو ہمدردی ناممکن ہے" یتیم خانہ کا خیال کیونکر پیدا ہوا"

ہارون۔ نشاط میں تم کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ ادہم کی باتوں کا اثر میرے سوا اسکے سامعین پر نہایت بُرا پڑتا ہے"

نشاط کو ادہم ایک غیر معمولی شخصیت کا انسان نظر آتا ہے اسکی باتوں میں عجیب دلکشی ہے۔

نشاط" مسٹر ادہم کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کی گفتگو کا اثر سامعین پر بُرا پڑتا ہے"

ادہم" اس دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جسکو اثر نیک کہتے ہوں سائنس کے نقطۂ خیال سے دیکھا جائے تو ہر اثر بد ہے"

نشاط" میں سمجھا نہیں اپنے دعوے کو ذرا اور واضح کیجیے"

ادہم۔ کسی پر اثر ڈالنے کے معنے یہ ہیں کہ اپنے نفس کو دوسرے کے نفس پر غالب اور اس کی قوت ارادی کو مسخر کیا جائے۔ وہ شخص جس میں اثر پذیری بہت ہے۔ جذبات فطری نہیں رکھتا۔ اسکے خیالات ذاتی خیالات نہیں ہوتے۔ اس کے محاسن حقیقی محاسن نہیں۔ اس کے معاصی (اگر دنیا میں ایسی بھی کوئی چیز ہے جس کو معاصی کہتے ہیں) یہ بھی مستعار ہوتے ہیں۔ وہ شخص دوسروں کے نغمہ کی آواز بازگشت اور دوسروں کے پارٹ کا ایکٹر ہے۔ مقصد زندگی ترقی نفس ہے۔ حصول حیات ماحصل آفرینش ہے لیکن حیرت یہ ہے کہ لوگ آجکل خود اپنے سے خائف ہیں۔ فرض اولیں یعنی فرض نفس کو بھولے بیٹھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ صاحب بذل و سخا ہیں۔ بھوکوں کو کھانا اور فقیروں کو کپڑے دیتے ہیں۔ لیکن حیف ہے ایسی سخاوت پر جبکہ خود اپنے نفس کی عریانی اور فاقہ مستی کا خیال نہیں۔ ہمت و مردی ہماری قوم سے

جاتی رہی۔ شاید ہم میں کبھی تھی ہی نہیں۔ خوف سوسائٹی جو بنیاد اخلاق ہے خوف خدا جو بنیاد مذہب ہے۔ یہی دو چیزیں ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں۔ اور پھر بھی میرا تو ایمان ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی کو بہ تمام و کمال بسر کرنا چاہیں۔ ہر جذبہ کو شکل۔ ہر خیال کو اظہار اور ہر خواب کو حقیقت سے مبدل کر دیں تو اس دنیا کہن کو وہ تازہ اور جدید لطف شادمانی حاصل ہو کہ قرون وسطےٰ کی تکالیف فراموش ہو جائیں۔ ہمارا مطمح نظر نصب العین یونانی سے بھی زیادہ بلند اور لطیف تر ہو جائے اور ہم حافظ شیراز کے ہمزباں ہو کر اک نئے عالم عشرت کے متلاشی ہیں

(شعر) بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہم میں سے شجاع ترین انسان بھی خود اپنے ہی نفس سے خائف اور اسی کو توڑنے اور زیر کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ نفس کشی اور مجاہدہ جس نے ہماری زندگی کو تباہ کر رکھا ہے۔ وحشیان قدیم کی آزار پسندی کا ایک مہذب پس ماندہ ہے۔ ہم کو ہمارے منفیانہ طریق عمل کی سزا ملتی ہے۔ ہر خواہش جو پوری نہیں ہونے پاتی دماغ میں جا گزین ہو کر سمیت پیدا کرتی ہے۔ گناہ کرتے ہی جسم پاک صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فعل خود اک عمل تزکیہ ہے۔ پھر ایک لذت یا افسوس کی یاد کے سوا اور کچھ نہیں باقی رہتا خواہشات پر غالب آنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان سے مغلوب ہو جاؤ۔ مدافعت کی کہ تمہارا دل اشیاء ممنوعہ کے حصول اور امور ناجائز کے جواز کی تمنا میں مریض ہوا۔ مسٹر شاہ تم نے اپنے شباب گلگوں کے زمانہ میں بہت سی اُمنگیں محسوس کی ہونگی جن سے تم ڈر گئے ہو گے۔ تمہارے دل میں بہت سے خیالات آئے ہوں گے۔ جنھوں نے خوف پیدا کر دیا ہو گا۔ حالت بیداری و غیر بیداری میں تم نے

بہت سے خواب دیکھے ہوں گے جن کی محض یاد تمھارے عارض پر عرق انفعال لانے کے لیے کافی ہوگی۔

نشاط "بس مسٹر ادہم۔ بس۔ تم مجھکو حیرت زدہ کیے دیتے ہو۔ میں کچھ کہنے پر قادر نہیں ہوں۔ تمھاری باتوں کا کچھ جواب ضرور ہے لیکن مجھکو ملتا نہیں ہے اب کچھ نہ کہو مجھکو سوچنے دو بلکہ بہتر یہ ہے کہ میں کچھ نہ سوچوں۔"

نشاط طلسم الفاظ سے مسخر ہوکر بے اختیار ہو جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے "موسیقی نے البتہ مجھکو اس طور پر بیقرار کیا تھا۔ موسیقی نے البتہ مجھکو کئی بار ستایا تھا۔ لیکن موسیقی میں زبان نہ تھی۔ الفاظ محض الفاظ۔ کیا قیامت خیز کتنے صاف۔ پُر شوکت اور رستم انگیز تھے۔ ان الفاظ میں اک لطیف جادو بھی تھا ان کا ترنم ترنم نے سے زیادہ شیریں تھا۔ کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی حقیقی چیز ہے جیسی الفاظ؟"

ہاں عالم طفلی میں اسکو بہت سے واقعات پیش آئے تھے جن کو وہ سمجھ نہ سکا تھا اب ان کو پوری طور پر سمجھتا ہے۔ زندگی اسکے لیے شعلہ رنگ ہوگئی ہے۔

ادہم اک سکوت آمیز تبسم کے ساتھ نشاط کو دیکھ رہا ہے اور دل ہی دل میں کہتا ہے "میں نے تو ایک تیر ہوا میں پھینکا تھا کیا وہ نشانہ پر پڑ گیا۔" اسکو اپنے الفاظ کے اثر نا گہانی پر ایک تحیر ہے

دوران تقریر میں مصور برابر نشاط کی تصویر کھینچنے میں مصروف رہا۔ وہ اس خموشی سے بالکل بیخبر تھا۔ تصویر کھنچکر تیار ہوگئی ہے اور مصور نشاط سے مخاطب ہوتا ہے۔

ہارون۔ نشاط تم نے اس سے اچھی تصویر آج تک نہیں کھنچوائی۔ تم بالکل بے حس و حرکت تھے۔ جو اثر میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا یعنی چشم روشن اور لب

نیم وا۔ معاف نہیں کہ اوہم تم سے کیا باتیں کرتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمھارے چہرہ پر اک حیرت انگیز کیفیت پیدا کردی۔

نشاط۔ اب میں باہر جاتا ہوں مجھے گرمی معلوم ہوتی ہے

اوہم۔ دیکھنا تمھارے عارض شعاع آفتاب سے متاثر نہ ہوجائیں۔

نشاط۔ مجھ کو اس کی کیا پروا۔

اوہم۔ تمھیں کو تو اس کی پروا ہونی چاہیئے۔

نشاط۔ کیوں۔

اوہم۔ کیونکہ تمھارے پاس اک نادر اور حیرت انگیز شباب ہے اور شباب ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے۔ شباب ایک قسم کی شراب ہے جسکو انیسیاں نے موسم بہار میں آغوش عنب میں پالا ہے۔ شعر۔

تاک را سیراب دارد ابر نیساں در بہار قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

نشاط۔ مسٹر اوہم میں تو یہ نہیں خیال کرتا۔

اوہم۔ نہیں، آج تم کو اسکا خیال نہ ہوگا لیکن ایک دن وہ آئے گا جب کہ تم ضعیف اور بدمنظر ہوجاؤ گے جب کہ فکر تمھارے عارض انور پر گرہ ڈال دے گی۔ البتہ اس وقت تم اسکو محسوس کروگے اور نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ محسوس کروگے اسوقت تم جہاں کہیں جاتے ہو دنیا کو مسخر کر لیتے ہو۔ کیا یہ ہمیشہ رہے گا۔ مسٹر نشاط تم کو خدا نے اک حیرت آفریں حسن عطا کیا ہے حسن ایک قسم کی قوت اجتماعی ہے بلکہ اس سے بھی بلند تر ہے حسن دنیا کے واقعات عظیمہ میں سے ہے۔ جیسے موسم بہار ضیاء آفتاب۔ یا بحر سیاہ میں ماہ سیمیں کا عکس سعید حسن تنقید سے مستغنی ہے۔ اسکو ازلی حق جہانبانی حاصل ہے صاحبان حسن شہزادگان عالم ہیں۔ تم ہنستے ہو حسن کے ضائع ہونے کے بعد تم کو ہنسی نہ آئے گی۔ لوگ بعض اوقات کہتے ہیں کہ حسن محض اک سطحی چیز ہے ممکن ہے

یہ صحیح ہو۔ لیکن حُسن اتنا سطحی تو ہرگز نہیں جتنی عقل ہے۔ میرے نزدیک حُسن عجائب العجائب ہے۔ وہ کم نظر ہیں جو صورت ظاہری سے اندازہ نہیں کرتے۔ دنیا کا حقیقی راز عالم نمایاں ہے نہ کہ عالم پنہان۔ ہاں مسٹر نشاط تمہارے ساتھ خدا نے خاص مہربانیاں کی ہیں۔ تمہارے پاس صرف چند سال ہیں جس میں تم کو تمامی حقیقی اور کامل زندگی بسر کرنا ہے۔ شباب کے ساتھ ہی تمہارا حُسن زائل ہو جائے گا اس وقت تم کو یکایک معلوم ہوگا کہ تمہاری فتوحات کا زمانہ ختم ہوگیا۔ یا ان بے مایہ اور ذلیل خوشیوں پر قناعت کرنی پڑے گی جس کی یاد ناکامیوں اور نہر میتوں سے زیادہ تلخ ہوگی زمانہ تم پر رشک کرتا ہے اور تمہارے لالہ و گلاب سے برسرپیکار ہے۔ تم زرد ہو جاؤ گے گالوں میں گڈھے آنکھوں میں حلقے پڑ جائیں گے۔ تم کو سخت تکلیف ہوگی۔ مسٹر نشاط اما غرجوانی کی شراب سے لطف اُٹھاؤ۔ دولت عمر کو نہ ضائع ہونے دو۔ جمیع لطائف زندگی سے لذت یاب ہو۔ صحبت ناجنس سے اجتناب۔ جہل۔ عامیانہ روی اور پیش پا اُفتادگی سے احتراز کرو۔ کسی حظ کو غیر محسوس نہ چھوڑو۔ ہمیشہ نئی احساسات کے متلاشی رہو۔ کسی چیز سے خوف زدہ مت ہو۔ اک جدید فلسفۂ مسرت پرستی۔ ہماری صدی کو بس اسی کی ضرورت ہے تم اسکے پیکر نمایاں ہو جاؤ۔

مسٹر نشاط تم اپنی شخصیت کے سمیت دنیا میں کیا نہیں کر سکتے۔ دنیا ایک موسم کے لیے تمہاری ہے میں جس وقت تم سے ملا۔ میں نے دیکھا کہ تم اپنی صلاحیتوں سے بالکل بیخبر اور اپنے امکانات سے بالکل ناآشنا ہو۔ تم میں اسقدر دلاویزی تھی کہ دفعۃً میرے دل میں یہ خیال ہوا یا کہ میں تم سے تمہارے متعلق کچھ نہ کچھ بتا دوں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری خموشی مجھ کو ایک فرض کی انجام دہی سے قاصر رکھے گی۔ یہ کہنا المناک ہوگا اگر تم کہیں ضائع ہو گئے۔ کیونکہ وہ تازہ بہار شادمانی

جس کو شباب کہتے ہیں محض عارضی اور وقتی چیز ہے۔ معمولی صحرائی پھول مرجھا جاتے ہیں لیکن پھر کھلتے ہیں۔ لیبرنم (ایک انگریزی پھول ہے) آئندہ جون میں ایسی ہی شاداب پھر ہوگی جیسی کہ اسوقت ہے۔ لیکن افسوس شباب جاکر واپس نہیں آتا وہ نبض مسرت و شادمانی جو عنفوان شباب میں تیز رفتار تھی سست پڑ جاتی ہے۔ ہمارے اعضا۔ کمزور۔ ہمارے حواس مختل اور ہماری صورتیں ہیبت ناک ہو جاتی ہیں۔ ہمارا دماغ ان خیالات گذشتہ کی یاد بہیم کا آماجگاہ اور ان ترغیبات لطیف اور ہوا و ہوس شیریں کا نشانہ بن جاتا ہے جن سے عالم شباب میں ہم بیحد ڈرتے تھے اور جن کی اطاعت پذیری کی ہم میں ہمت نہ تھی۔ شباب۔ شباب۔ کیا دنیا میں ایسی بھی کوئی چیز ہے جیسی شباب۔

بگرد میکدہ ہا کردم و نمی یابم ازاں شراب کہ در ساغر جوانی بود

(آرنلڈ)

طلوع فجر

یساطِ چرخ پہ چھٹکے ہیں جسقدر تارے جھپک رہے ہیں یہ سب چشمِ خواب کی صورت
نکلنے والا ہے خورشید صبح مشرق سے چھپائیگا وہ انہیں اب نقاب کی صورت
زمیں کے فرش پہ جو چاندنی ہے نور افشاں
یہ تھوڑی دیر میں ہو جائے گی نظر سے نہاں
قریب آ ہی گیا وقت رخصتِ شب کا ضیائے ماہِ منور بھی پڑ گئی دھندلی
تمام شب جو کواکب رہے تھے بزم افروز اب آسمان پہ اُن کی چمک دمک نہ رہی
عروسِ لیل بدلنے کو ہے نیا جوڑا
وہ زرنگار۔ مرصع۔ وہ نور کا جوڑا!

نمود خسرو خاور کا وقت آ پہنچا یہ کس ادا سے سر بام چرخ آتا ہے
اسی سے کسب ضیا شب کو کرتے ہیں انجم اسی سے حسن قمر بھی فروغ پاتا ہے
فضائے دہر پہ ضو گستری اسی کی ہے
زمیں طلائی ہے یہ زر گری اسی کی ہے

گئی وہ رات جو بیمار غم پہ بھاری تھی نسیم لائی یہ مژدہ کہ دن نکل آیا
مٹی سیاہی قسمت کی طرح ظلمت شب نصیب جاگ اٹھے منہ سحر نے دکھلایا
جہاں میں روشنی آفتاب پھیل گئی
ہر ایک چیز پہ رونق سی آگئی ہے نئی

شفق فلک پہ ہے یا خم میں ہے شراب ریحق یہ پو پھٹی کہ در میکدہ ہوا ہے باز
لیے ہے ہاتھ میں گردوں پیالہ رنگیں کہ رند رکھے ہے ساقی کے در پہ فرق نیاز
شعاع مہر سے نکلی کہ مے چھلکتی ہے
نگاہ مست کی ہے نشہ میں بہکتی ہے

عروس مہر نے پہنی ہے لعل گوں پشواز ٹکا ہے گھیر پہ لچکا شعاع زریں کا
چلی ہے صبح سے کیا بن سنور کے جانب غرب اڑا یا اس سے حسینوں نے رنگ توڑیں کا
خدا نے حسن کے سانچے میں اسکو ڈھالا ہے
مگر یہ حسن سر شام ڈھلنے والا ہے

نسیم چلتی ہے محوی جو سمت مغرب سے چمن میں کرتی ہے اٹھکھیلیاں بوقت سحر
شگوفے محو تبسم تو خندہ زن گل ہیں لچک رہی ہیں جو شاخیں تو ہل رہے ہیں شجر
طیور باغ نکل آئے آشیانوں سے
تمام صحن چمن گونج اٹھا ترانوں سے

محوی لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے تبصرہ کا پرچہ ملاحظہ ہو)

ہمیں افسوس ہے کہ خواجہ الیاس صاحب کا مضمون پچھلے پرچہ میں
اس وجہ سے شائع نہ ہو سکا کہ وہ پرچہ مرتب ہو جانے کے بعد ہمیں ملا اور
یہ تاخیر خواجہ صاحب کے سفر حیدرآباد کی وجہ سے ہوئی ایڈیٹر

ناظرین آپ واقف ہیں کہ میرے عزیز دوست مولانا آشفتہ اس مشاعرہ کے پانچ دور
لکھ چکے ہیں جن کا تتمہ میں گذشتہ نمبر میں پیش کر چکا ہوں اب صرف دو دور باقی
ہیں جس کے لیے چار نمبر کافی ہوں گے ہاں اگر تفکرات زمانہ نے مہلت دی تو شاید
میں اسکو اور وسیع کر سکوں۔ آج میں پچھلے ہیرو کے حالات مع ایک تمہیدی مضمون
کے پیش کرتا ہوں آیندہ نمبر میں اسکے کلام پر تنقیدی نظر ڈالوں گا۔ الیاس

میرا عقیدہ ہے کہ جملہ فنون بلکہ دنیا کی ہر چیز فطرت کے تابع ہے اور اُس کا
کمال نیچر کی موافقت میں مضمر ہے لیکن اس نیچرل توافق کے مراتب ہیں جو اشیا
کی استعدادات کے مطابق قائم کیے جاتے ہیں جس چیز میں جتنی نیچرل استعداد
موجود ہوتی ہے اُسیقدر افاضہ فطرت کا اسپر ہوتا رہتا ہے چنانچہ یہی باہمی تفاوت
انکے حدود کمال کو یکے بعد دیگرے قائم کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جذبات انسانیہ
جہاں تک کہ فطرت کے موافق ہوتے چلے جاتے ہیں انسان برابر معراج کمال پر
پہنچتا جاتا ہے اور جسقدر دوری کہ انسانی جذبات کو فطرت سے ہوتی جاتی ہے
اسیقدر وہ پستی کی طرف میلان کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آخر میں انسان
کامل یا حیوان جاہل ہو کر رہ جاتا ہے یہی حال خاندانوں اور قوموں کا بھی ہے

وہی قوم زندہ کہی جا سکتی ہے کہ جو اصول فطرت کے تابع ہے اگر کوئی قوم عالمگیر سلطنت اور ہمہ گیر طاقت حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کو سب سے پہلے نیچر کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے۔ جس طرح کوئی قوم سراپا فطرت ہونے کے بعد ایک زندہ اور متمدن قوم کہی جا سکتی ہے اُسی طرح ہر ایک فن فطری جذبات کا ذخیرہ جمع کرکے کامل اور مفید بن سکتا ہے خصوصاً ایسا فن کہ جس کو فطرت اور قدرتی جذبات انسانیہ سے کوئی نسبت قریبی اور گہرا تعلق ہو مثال کے طور پر ہمارے زیر نظر فن شاعری کو لیجیے کہ جو بالکل فطری جذبات کے تابع ہے اور ہر سرزمین میں خود رو طور پر پیدا ہو جایا کرتا ہے نہ اسکے لیے کسی معلم کی ضرورت ہے اور نہ کسی مواد کی حاجت ثبوت کے لیے عرب کے ابتدائی دور اور جاہلیت کے سارے زمانے کی تاریخ اُٹھا کر دیکھیے تو آپ کو آسمان شاعری پر نابغۂ ذبیانی اور امرالقیس ایسے صدہا ستارے اپنی ہلکی اور تیز روشنی کے ساتھ چمکتے نظر آئیں گے شاعری کو جسقدر ترقی اس سادے دور میں ہوئی کیا اُسکی نظیر ابتک کوئی قوم یا ملک پیش کر سکا ہے خود عرب ہی اُس دور کے بعد اُسکا جواب تو درکنار اُسکے برابر نیچرل شاعری نہ پیش کر سکے یورپ کو اپنی موجودہ نیچرل شاعری پر بہت ناز ہے (جو ایک حد تک بجا ہے) لیکن کیا یورپ کی موجودہ شاعری اُسوقت کی عربی شاعری کا جواب ہو سکتی ہے اس کا جواب منصف مزاج طبیعتیں خود دے سکتی ہیں میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کجا روزانہ پیش آنے والے واقعات کا جلد جلد بیان کے ساتھ قید نظم میں لانا اور کہاں نیچر کے عطا کیے ہوئے ہزاروں آبشاروں بادلوں اور درختوں کے مبالغہ آمیز اوصاف میں حد اعتدال سے بڑھ کر خواہ مخواہ بڑھتی ہوئی شاعری کو پیچھے ڈھکیل دینا۔ اُس زمانہ کی عربی شاعری کا بڑھتا ہوا سیلاب عربی مردوں ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ صدہا عربیہ عورتیں بھی ایسی گذری ہیں

کہ جنکی فصاحت و بلاغت کا شہرہ آج تک شاعری کی دنیا میں موجود ہے۔ بکثرت مرثیے اور گیت انھوں نے ایسے نظم کیے کہ جو آج تک بطور مثال یا نظیر کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو جب اُنھوں نے فطری جذبات میں فصاحت و بلاغت کے موتی اور آویزے پروئے تو سمجھدار اور پرکھنے والے پرکھ کی قدردانی بھی ضروری اور لازمی ہوگئی۔ عربی شاعری کا وہ پہلا دور کہ جسکے ہیرو آسمان شاعری پر سبع سیارہ ہو کر چمکے اور دنیاے شاعری کی ہفت اقلیم پر اپنا سکہ جما گئے آج کل پورے عروج پر ہے پانچ مشاعرے ختم ہو چکے اب نئے سال کے لیے چھٹے مشاعرے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سادے زمانہ میں نہ تو دعوتی کارڈ کی ضرورت ہے نہ قوافی و ردیف کی قید بلکہ عربوں کی بڑھتی ہوئی طبیعتیں خود اپنے لیے ردیف تجویز کر لیا کرتی ہیں اُن کا ہر شاعر اس دُھن میں ہے کہ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ میرے ہی قصیدہ کو ملے قصیدہ پر قصیدے نظم ہو رہے ہیں لیکن کوئی میزان شاعری پر پورا نہیں اُترتا۔ کسی کو اپنی تشبیب پر ناز ہے تو کوئی ساقی نامہ پر فخر کر رہا ہے ایک اپنے کلام کی سادگی پر نازاں ہے تو دوسرا استعارات پر داد طلب کرتا ہے غرض کہ اسی دُھن میں پورا سال گذر گیا اور وہ زمانہ بالکل قریب آگیا کہ جس میں کھرے کھوٹے کا تمیز ہونے والا ہے عکاظ کے بازار میں جہاں اور لوگ اپنے دیگر مشاغل میں مصروف ہیں وہاں ایک گروہ مشاعرہ کا اہتمام کر رہا ہے مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے محفل کو زینت دی جا رہی ہے مہمانی کے سامان مہیا ہو رہے ہیں۔ اطراف و جانب سے بڑے بڑے نامی گرامی شعراء آ آ کر جمع ہو رہے ہیں اور ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ آج مشاعرہ میرے ہی ہاتھ رہے گا۔ مشاعرہ شروع ہوتا ہے اور یکے بعد دیگرے لوگ اپنا اپنا کلام پڑھکر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں اور حسب دلخواہ

داد پاکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں کوئی معشوق کا سراپا اس انوکھے پن سے بیان کرتا ہے کہ شوقین مزاج طبیعتوں کو تڑپا دیتا ہے کوئی ہجر کی مصیبتوں کا خاکہ کھینچ کر ہجراں نصیب عشاق کے دلوں کو برما دیتا ہے کہیں نبت العنب کی توصیف پر لوگ جھوم رہے ہیں تو کوئی گروہ اپنے نسب اور اپنی نبرد آمائیوں پر فخر کر رہا ہے ایک آگ ہے جو مشاعرہ میں لگی ہوئی ہے کہ یکایک مشاعرہ کا رنگ بدلا اور شاعرانہ نازک خیالیاں ایک نجدی نوجوان کے قدموں پر نثار ہونے لگیں اس نے ایسا زبردست قصیدہ پڑھا کہ تمام مشاعرہ پر ایک سناٹا سا چھا گیا بڑے بڑے خوش فکر شعراء نے اپنے قصیدہ چاک کر ڈالے اور انکی بڑھتی ہوئی امیدوں کی دنیا اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار نظر آنے لگی چاروں طرف اس نوجوان کے متعلق سرگوشیاں ہونے لگیں ناواقف درپافت حال میں پڑ گئے اور واقف کار کیف شاعری میں مبہوت و بیخود ہو گئے۔ ہر طرف سے داد شاعری ملنے لگی اور فیصلہ کر دیا گیا کہ اس مشاعرہ کا سہرہ اسی نوجوان کے سر رہا غرض کہ سب کی سالہا سال کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور خانۂ کعبہ کے دروازہ پر چھٹی جگہ اسی منچلے شاعر کے قصیدہ نے پائی۔ ناظرین کرام! آپ اس منچلے اور نازک خیال شاعر کے حسب و نسب اور حالات سننے کے لیے بیقرار ہوں گے اب میں آپ کو انتظار کی زحمت نہیں دیتا اور بتائے دیتا ہوں کہ میرے اس مضمون کا ہیرو عنترہ بن شداد ابن معاویہ ابن قراد ہے۔ اسکے ابتدائی نسب کے روایات مختلف ہیں بعض اسکو عامر اور بعض عمر کا لڑکا لکھتے ہیں لیکن معتبر اور متواتر روایت وہی ہے جو میں نے اوپر ذکر کیا اسکے اجداد میں عبس بن بغیض ایک شخص گذرا ہے جسکی طرف یہ منسوب ہے۔

الیاس قریشی - از حیدرآباد تربت یاد

شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے اکتوبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

دیکھو اگر میرے جذب میں کچھ اثر ہے تو میں جلاؤں گی اور تمھیں جینا ہوگا اب روٹھ کے قبر کی گود میں سوتے ہو مگر وقت آرہا ہے کہ میں تمھیں ہوشیار کروں گی اُٹھا کر بٹھاؤں گی اور تمھیں میری خاطر سے اُٹھنا ہوگا۔ گھر سے نکلتی ہو مگر آہ یہ میرے لیے شرم کی بات ہے میں ننگ خاندان ٹھہروں گی۔ لوگ مجھے بیحیا بتائیں گے۔ میں بے شرمی کے لیے مثال کے طور پر پیش کی جاؤنگی خاندان کی عزت پر میری وجہ سے حرف آئے گا مگر کیا کروں والدین تمھارے نام پر ساری عمر گھر میں نہ بٹھائیں گے اور یہ میں نہیں چاہتی کہ میرا پلہ تمھارے بعد کسی دوسرے سے بندھے۔

ہاں اب مجھے جلدی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کوئی آجائے۔ یہ کہکر سلطان جہاں نے مردانے کپڑے زیب تن کیے سر کے بالوں کو عمامہ کے پیچوں میں چھپا دیا۔ کچھ نقدی لی اور ایک مرتبہ گھر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور روتی ہوئی کسی سمت چل دی۔

کھلبلی اور جستجو

رات کے گیارہ بجے تھے جو اکرام اللہ خاں حاضری کے کھانے سے فارغ ہو کر گھر آئے۔ کپڑے اُتارے ضروریات سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ دونوں لڑکے مسین اور یامین بھی آگئے۔ اکرام اللہ خاں نے یامین سے کہا کہ جاؤ دیکھو اور سلطان جہاں کو بلا لاؤ۔ خبر نہیں اُسکا کیا حال ہے

صبح سے اُس نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ یامین یہ سُنتے ہی اوپر پہنچا کمرے میں گیا ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ آپا آپا کہکر دو چار مرتبہ آواز دی۔

وہاں کوئی ہوتا تو بولتا۔ آخر اُسی پریشانی کے عالم میں نیچے آیا اور کہنے لگا ابا جان آپا تو اوپر نہیں ہیں۔

اکرام اللہ خان۔ اوپر نہیں ہیں تو کہاں گئیں دیکھا اندر کسی کوٹھری میں ہونگی۔

یامین۔ (سب کوٹھریوں کو دیکھکر) یہاں سب جگہ دیکھ لیا کہیں پتہ نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ (غصہ سے) پھر کیا آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی (میں سے) تم دیکھو۔

معین نے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر حقیقت میں سلطان جہاں کا پتہ نہ تھا آخر اُسے بھی وہی کہنا پڑا جو یامین نے کہا تھا۔

اب تو اکرام اللہ خاں کی سٹی گم ہوگئی ہوش جاتے رہے۔ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ یامین کو اصغر مرحوم کے مکان پر بھیجا کہ دیکھو شاید وہاں تو نہیں چلی گئیں۔ پھر خود کہنے لگے ابھی تو میں وہاں سے آرہا ہوں آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ چوری چھپے تلاش شروع کی اس پر بھی کنبہ رشتہ میں کچھ پتہ نہ چلا۔ تو معین کو دوڑایا کہ شہر کے گلی کوچوں میں دیکھ اسٹیشن پر مسافر خانہ میں تلاش کر ایک دیرینہ خادم خدا بخش کو اصغر کی قبر پر بھیجا اور سمجھا دیا کہ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یامین نے جاتے ہی اپنی والدہ سے تذکرہ کیا۔ وہ سُنتے ہی ایک چیخ مار کے بیہوش ہوگئیں۔ بس پھر کیا تھا یہ خبر سارے گھر میں پھیل گئی اب ایک آتی ہے دوسری آتی ہے۔ غریب کو گھیر لیا ارے کیا ہوا تھا کیونکر غائب ہوگئیں کس وقت غائب ہوئیں۔ اُسے کچھ خبر ہو تو بتائے۔ گم سُم بیٹھا ہوا ماں کو ہوشیار کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کوئی

آدھ گھنٹے کے بعد یامین کی والدہ نورجہاں کو ہوش آیا آنکھیں کھولیں اور ہائے میری لڑکی کہا اور پھر بیہوش ہوگئیں۔ ماتم میں یہ وہ سرا ماتم بپا ہوگیا۔ ایک سرے سے سب عورتیں متعجب تھیں سلطان جہاں کے غائب ہونے پر سب کو حیرت تھی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اصغر کی محبت خالی خولی نہ تھی آخر رنگ لائی پر لائی کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو نورجہاں کی حالت پر متاسف تھیں اور اسکی ہمدردی کرنا چاہتی تھیں اور کثرت سے ایسی تھیں جنکا یہ خیال تھا کہ اب اپنے کیے کا خمیازہ بھرو۔ ممکن ہے نورجہاں برس میں دو برس میں سلطان جہاں کو بھول جائے کیونکہ ماشاءاللہ دو اولادیں اور سامنے ہیں مگر غریب اصغر کی ماں کیونکر جیے گی جس کی عمر بھر کی کمائی ایک ہی لعل ہو اور عین شباب میں موت اُسکے ہاتھوں سے چھین لے۔

اسوقت نورجہاں حد سے زیادہ پریشان ہے اُس نے جانے کے لیے ڈولی منگائی ہے مگر اصغر کی ماں اُسے برابر تسلی و دلاسہ دیے جاتی ہے کہ بہن گھبراؤ نہیں اللہ کے کرم پر بھروسہ رکھو وہ جامع المتفرقین ضرور تمھاری لڑکی تم سے ملادے گا۔ آہ ایک وہ وقت تھا کہ اصغر کی ماں از حد مایوس ہوکر اپنے لڑکے کے لیے بھیک مانگ رہی تھی اور یہ مغرورانہ لہجہ میں اُسکے سوال کو ٹھکرا رہی تھی آج وہ خود دل خستہ ہے مگر کیا انسانیت کا برتاؤ اُسکے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

نورجہاں اپنے گھر آئیں خاوند کو دیکھا تو عجیب حالت ہے غصہ سے چہرہ سرخ ہے آنکھیں لال ہیں ماتھے کی شکنیں چڑھی ہوئی ہیں واہی تباہی جو کچھ منھ میں آتا ہے کہہ رہے ہیں۔

میری عزت برباد کردی۔ میں تباہ ہوگیا۔ شہر میں کسی کو منھ دکھانے کی

صورت نہ رہی لوگ پوچھیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ ہائے خاندان کے نام کو بٹہ لگا دیا۔ کاش یہ پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔ بیوی نے سمجھایا۔ اے عقل کے ناخن لو۔ گھر میں بیٹھکر رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے تلاش کرو ڈھونڈو۔ خدا مل جاتا ہے وہ تو بشر ہے۔ سمجھ میں آگئی۔ اُٹھے۔ شہر میں جسقدر عزیز رہتے تھے سب جگہ گئے دیکھا بھالا۔ باہر جو اقارب تھے انھیں تار دے دیے۔ ساری رات گذر گئی دن تمام ہوگیا۔ مگر کچھ پتہ نہ ملا۔ سعین اور یامین ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے خدا بخش بھی ناکام واپس آیا۔ دوسرے روز رات کو اکرام اللہ خاں نے یامین کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا۔ بیٹا تمھیں ضرور اپنی آپا کا حال معلوم ہوگا سچ بتاؤ وہ کہاں گئی۔

یامین۔ ابا جان سچ عرض کرتا ہوں مجھے بالکل معلوم نہیں کہ آپا کہاں غائب ہوئیں نہ اُنھوں نے مجھ سے کچھ کہا

اکرام اللہ خاں۔ بیٹا میں تمھیں کچھ بھی نہ کہوں گا صرف پتہ دیدو۔

یامین۔ خدا گواہ ہے مجھے پتہ نشان کچھ معلوم نہیں۔

اکرام اللہ خاں۔ تو یہ ابر بات کی بچ کیے جاتا ہے حالانکہ یہ سب تیری کارستانی ہے

یامین۔ آپ مختار ہیں جو چاہیں فرمائیں۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا تم نہیں بتاتے تو جاؤ آج سے گھر میں نہ آنا جہاں اُسے رو دھو کر صبر کر لیا ہے تمھیں بھی کر لوں گا۔

یہ سن کر یامین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اکرام اللہ خان نے کوئی جواب نہ دیا اور یامین نکلدیا در اصل اکرام اللہ خاں اسوقت گھرے سوچ میں پڑ گئے تھے وہ اپنے طرز عمل پر لعنت بھیج رہے تھے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ بھتیجے کی ایسی دل شکنی کی کہ وہ خودکشی کر بیٹھا بیٹی کے حسیات اور جذبات کا مطلق

پاس نہ کیا۔ آخر وہ دل رکھتی تھی اُسے محبت کرنے کا حق تھا اُسکے تعلقات ناجائز نہ تھے بیشک وہ میرے قابو میں تھی مگر اُسکا دل نہ اُسکے قابو میں تھا نہ میں اُسپر قابو پا سکتا تھا میں نے اسکے ارمانوں کا خون کیا بیشک قیامت کے روز مجھ سے باز پُرس ہوگی۔ افسوس بیوی جان کی اندھی تقلید نے مجھے گنہگار بنایا اور دونوں کو میرے ہاتھ سے کھویا یا مین کا اس میں کیا قصور ہے میں ناحق اُسپر شبہ کر رہا ہوں۔

اس اُدھیڑبن میں اکرام اللہ خاں ایسے مستغرق تھے کہ انھیں یامین کے جانے کی بالکل خبر نہ ہوئی مگر جب ان کے دوست مولوی برکت اللہ تشریف لائے تو اُن کے سلام کی گرج نے انھیں ہوشیار کیا۔

مولوی صاحب۔ کیسے خاں صاحب لڑکی کا کچھ پتہ ملا۔

اکرام اللہ خاں۔ کچھ نہیں اور میری حالت بگڑتی جاتی ہے۔

مولوی صاحب۔ صبر کیجیے اسکا پھل ضرور ملے گا۔ ان شاء اللہ صابرین

اکرام اللہ خاں۔ ہاں صبر نہ کریں تو کیا کریں ہمارا کچھ زور تھوڑا ہی ہے دراصل مجبوری کا نام ہماری اصطلاح میں صبر ہے اور اسکا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں۔

مولوی صاحب۔ نہیں اس مجبوری کا ثواب ملے گا بشرطیکہ گریہ وزاری نہ کی اور یہ سمجھا کہ رضاء الٰہی یوں ہی تھی۔

اکرام اللہ خاں۔ اچھا جناب مولانا صاحب آپ ایک کام تو میرا کیجیے۔

مولوی صاحب۔ فرمائیے۔

اکرام اللہ خاں۔ فال دیکھیے، استخارہ کیجیے، اپنے کشف سے معلوم کیجیے کہ لڑکی کہاں ہے زندہ ہے یا مردہ، مجھسے کبھی ملے گی یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ بھلا یہ کام کوئی میرے بس کا ہے۔

اکرام اللہ خاں۔ جی ہاں آپ کے بس کا ہے۔

مولوی صاحب - کوئی درویش صاحب حال بزرگ کر سکتا ہے میں گنہگار ہوں او خود گم است کرا رہبری کند

اکرام اللہ خاں - نہیں مولانا آپ کسر نفسی کا اظہار نہ فرمائیے اچھا اس بات کے لیے استخارہ تو آپ لے سکتے ہیں -

مولوی صاحب - ہاں یہ فعل احسن ہے کوئی مضایقہ کی بات نہیں میں آج ہی استخارہ لوں گا -

اکرام اللہ خاں - ذرہ نوازی ہوگی -

اسکے بعد کچھ دیر تک مولوی صاحب بیٹھے رہے وعظ و نصیحت فرماتے رہے پھر کل آنے کے وعدے پر رخصت ہوئے - (باقی آئندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

اب گھر بیٹھے انگریزی سیکھ لیجیے!

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے اور آسانی کے ساتھ سیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً ٹنڈن صاحب کا انگلش ٹیچر پڑھیے - اسکی جانچ سررشتۂ تعلیم کے بڑے بڑے افسروں نے نہایت غور سے کی ہے اور اعلےٰ رائیں تحریر فرمائی ہیں - یہ کتاب اس شرط پر فروخت کی جاتی ہے کہ اگر تمام انگلش ٹیچروں سے زیادہ عمدہ اور مفید نہ ہو تو قیمت واپس اور کتاب مفت - قیمت صرف ایک روپیہ محصول ۳ر - دو جلدوں پر محصول معاف ہوگا -

ملنے کا پتہ - منیجر کارخانہ ٹنڈن برادرس ۹ آگرہ شہر

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

زیر مزار جا کر ڈرتا فلک سے کیا میں
یوں مٹ کے رہ گیا ہوں جیسے کبھی نہ تھا میں

اُن کی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دل حزیں سے پھر کیوں ہوا خفا میں

صیاد نے چھڑایا مجھ سے وہ آشیانہ
اک عمر جس کی خاطر تنکے چُنا کیا میں

کھل جائے گی حقیقت اس عاریت سرا کی
جس دن اُتار دوں گا یہ جامہ فنا میں

اظہار حسرت و غم اب کیوں مری لحد پر
گو آج میں نہیں ہوں لیکن کبھی تو تھا میں

کچھ بولتا تو کھلتے کاہے کو راز عالم
شمع خموش بن کر سب کی سُنا کیا میں

نازو ادا کی چوٹیں سہنا تو اور شے ہے
زخموں کو دیکھ لیتا کوئی تو دیکھتا میں

دنیا کے اہل عبرت پڑھ لیں گے یہ کتابت
مٹی پہ چھوڑتا ہوں اک نقش بوریا میں

میرے لہو کا ڈر کیا محشر میں جب میں خوش ہوں
تم کو جواب کیوں ہے کر لوں گا سامنا میں

جو ہمسفر تھے انکو اتنی خبر نہیں ہے
آگے نکل گیا ہوں یا پیچھے رہ گیا میں

برق جمال وحدت تو ہی مجھے بتا دے
شعلہ تو دور بھڑکا پھر کس لیے جلا میں

دل بے سکا نہ کروٹ تیر انکار کر کے
بزم جہاں میں دیکھوں کس کو ترے سوا میں

ہجراں نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تھا
کہتا ہے مجھ سے کوئی تجھ سے قریب تھا میں

محشر تھا عالم اس منگتا سے دل کا
وہ بھیڑ حسرتوں کی دیکھی کہ کھو گیا میں

ثاقب غزل نہیں تھی یہ ماجرائے دل تھا
جو کچھ تھا راز الفت باتوں میں کہہ گیا میں

حضرت حسرت موہانی

پردہ سے اک جھلک جو وہ دکھلا کے رہ گئے
مشتاق دیدار بھی لٹا کے رہ گئے

گم کردہ راہ عشق فنا کیوں نہ ہو گیا
احساں جو اُس پہ خضر و مسیحا کے رہ گئے

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حُسن
آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

جب عاشقوں سے صدمۂ ہجراں نہ اُٹھ سکا
آخر کو ایک روز وہ سم کھا کے رہ گئے

جب وہ چھٹا تو کچھ نہ رہا دل میں اک مگر
داغ فراق اُس گل رعنا کے رہ گئے

ملنے کی اُن سے ایک بھی صورت نہ بن پڑی
سارے مسودے دل دانا کے رہ گئے

ٹوکا جو بزم غیر سے آتے ہوئے اُنھیں
کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے

بیباک تھا زبسکہ میرا اضطراب شوق
شرما کے وہ کبھی کبھی جھلا کے رہ گئے

دل کی لگی بجھا بھی وہ سکتے تو بات تھی
یہ کیا ہوا کہ آگ ہی بھڑکا کے رہ گئے

آئے بھی وہ چلے بھی گئے وہ مثال برق
دل ہی میں حوصلے دل شیدا کے رہ گئے

کیا دل میں آ گئی تھی جو راہ کمال رحم
دعوے وہ میرے قتل کا فرما کے رہ گئے

پہلے تو میرا خون بہایا خوشی خوشی
پھر کیا وہ خود ہی سوچ کے کہ پچھتا کے رہ گئے

دعوائے عاشقی ہے تو حسرت کرو نباہ
یہ کیا کہ ابتدا ہی میں گھبرا کے رہ گئے

حضرت ناطق لکھنوی

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
میں نے تمام عمر گذاری ہے اس طرح

دل کے سوا کوئی نہ تھا سرمایہ اشک کا
حیراں ہوں کام آنکھوں کا جاری ہے کس طرح

اس طرح خوف مرگ نہ ہوگا عدو کو بھی
جان اپنی مجھکو وصل میں پیاری ہے جس طرح

عشاق دھر پوچھتے ہیں مجھ سے نزع میں
فرقت میں تم نے عمر گذاری ہے کس طرح

راحت طلب نہ تجھ کبھی ناطق تو اسقدر
عشق اب سے آج دیکھیے طاری ہے کس طرح

حضرت دل شاہجہاں پوری

شام شبِ جدائی جو تھا خلق فزا تھا — تسکین دینے والا اک درد لا دوا تھا
ہمدرد بن کے ناصح اظہار کیا وہ تو نے — جو راز عشق دل میں اب تک چھپا ہوا تھا
ہنگام خوشخرامی کہتے ہیں وہ مثل کر — کیوں جی یہی وہ دل ہے جس دل میں عاقلا تھا
ہیں آج تک نظر میں آداب دشت وحشت — عید جنوں کے اندر جو تھا برہنہ پا تھا
وہ بن سنور رہے تھے کیا جانے کس غرض سے — آئینہ وقت زینت منہ اُنکا تک رہا تھا
دریائے غم بھرا سکی ہنگامہ خیز موجیں — موجوں کے جزر و مد میں اک درد آشنا تھا
دل سے ہے عشق قائم ہیں حسن و عشق ہمدم — اے اہل دل بتانا جب دل نہ تھا تو کیا تھا
مقتل میں رنگ لائی آخر مری خموشی — ہر قطرہ خون دل کا اک شرح مدعا تھا
کوے بتاں سے آخر برباد ہو کے اُٹھے — وہ ہم جو اہل دل تھے وہ دل جو باوفا تھا
زخموں کے چھیڑنے کو نشتر وہ بن گیا ہے — اے چارہ گر جو ناخن اب تک گرہ کشا تھا
لطف وصال کیا تھا حسن خیال عاشق — دراصل جاے دلبر اک درد لا دوا تھا
محمل نشیں کے دل میں چبھتے تھے خار صحرا — پیش نگاہ جب تک قیس برہنہ پا تھا
پہنچی جو پیش دلبر صورت بیان غم تھی — اپنا سکوت بیحد اظہار مدعا تھا

قطعہ

اے اہل درد ہم سے وہ ماجرا نہ پوچھو — کمبخت دل کا آنا ہم کیا کہیں کہ کیا تھا
وہ بیخودی کا عالم وہ بیکسی کا منظر — افسوس کوئی ہمدم مونس نہ آشنا تھا
ذوق نظر نے ہم کو صورت عجب دکھائی — دل جس کی ہر ادا پر قربان ہو رہا تھا
وہ منظر قیامت وہ سرزمین کلیر — مست مے جوانی اک شوخ دلربا تھا
وہ طرز خوش خرامی وہ دل کی پائمالی — ہر وقت ہم کو گویا محشر کا سا سما تھا
امید وصل کیسی دم بھر میں فتنہ گر نے — اُس دل کو پیس ڈالا جس دل میں عاقلا تھا
چونکے تو یہ حقیقت ہم پر ہوئی ہویدا — دل دے کے رنج پانا قسمت ہی میں لکھا تھا

اے دل یہ چند روزہ ترکیب جسم جاں تھی
ترکِ لباس ہستی در اصل مدعا تھا

حضرت باسط بسوانی

عشق کا کام ہے قربانِ وفا ہو جانا
شیوۂ حسن ہے سرگرم جفا ہو جانا

آستانے پہ ترے ناصیہ سا ہو جانا
فرض الفت میں سمجھتا ہوں ادا ہو جانا

موت سے کم نہیں ہجرِ رخِ محبت کے لیے
آخری وقت مسیحا کا خفا ہو جانا

ہمارسائی کا شب ہجر میں رونا کب تک
زلف سے سیکھ لے اے آہ رسا ہو جانا

دمِ آخر بتِ کافر نے یہ بالیں پہ کہا
اب تو بہتر ہے توکل بخدا ہو جانا

نہ کرم کی ہو تمنا نہ ستم کا شکوہ
شیوۂ عشق ہے راضی بہ رضا ہو جانا

موت سے مجھکو ہم آغوش کرے گا ایدل
عید کے روز مسیحا کا خفا ہو جانا

جمع ہیں سیکڑوں مشتاق شہادت در پر
آج تم ضد سے نہ مصروف حنا ہو جانا

شمع رویوں سے اگر لو ہے لگانا باسط
سیکھ پروانہ محفل سے فنا ہو جانا

ریویو

ٹیچرز صاحب کا انگلش ٹیچر

اس نام کی ایک کتاب ہمارے پاس ریویو کے لیے آئی ہے یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو انگریزی سیکھنا چاہتے ہیں اگر کوئی شخص غور سے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھے تو وہ حقیقتاً اس قابل ہو جائے گا کہ اُسے انگریزی کا کچھ نہ کچھ علم ہو جائے۔ سبق نہایت اچھی طرح مرتب کیے گئے ہیں۔ ٹائپ میں صاف چھاپی گئی ہے۔ قیمت عصر

پتہ ٹمدن برادرز لاہور

میں ایک کروڑپتی خوبصورت نوجوان ہوں

اور ایک نہایت حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی پریمچال صابون (استعمال کرتی ہو (حسن دولت سے بڑھکر ہے)

پریمچال صابون کیا ہے

ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے!

جو چہرے کو خوبصورت بنانے والا حسن و خوبصورتی پیدا کرنے والا سات روز میں کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کے مانند خوبصورت اور پھول کے مانند ملائم ہو جاتا ہے۔ چہرے کے تمام داغ دھبے جھائیاں دور ہو کر شگوفہ کی سی سرخی آنے لگتی ہے پھوڑے پھنسیاں چند روز کے استعمال سے جاتی رہتی ہیں فی بکس تین ٹکیہ مع صابون دانی ایک روپیہ (عہ)

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ لاجواب سرمیں لگانے کا خوشبودار پُر بہار تیل بالوں کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ لمبے و خوبصورت بال مردوں و عورتوں کے حسن و جمال کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اسکے استعمال سے بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہو کر نرم لچکدار بن جاتے ہیں۔ فی شیشی ۱۱ تولہ ایک روپیہ (عہ)

حب مقوی باہ

اعضائے رئیسہ کو تقویت دے کر قوت باہ پیدا کرتی ہیں سستی کو چست کرتی ہیں۔ غلظ ... ہیں فی شیشی ۲۴ گولی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

سرمہ مقوی البصر

یہ خاص خاندانی نسخہ ہے۔ اس میں جواہرات شامل ہیں آنکھوں کے تمام امراض میں بیشل ہے بینائی کو قوت دیتا ہے۔ ابتدائی نزول آب میں مفید ہے۔ جالہ۔ دھند۔ ظلمت جیشم ڈھلکہ کو مفید ہے روشنی بڑھاتا ہے۔ فی شیشی ۱۱ ماشہ دو روپیہ آٹھ آنے (عہ)

بڑی فہرست مفت ملتی ہے

حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار فرش خانہ

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں تو اُنکو بجز بد قسمت اور کیا کہنا چاہیے

اکسیر حیات فیصد للعہ، جو کُل امراض پر بموجب بدرقہ استعمال کرنے سے اخر کیمیائی کیا بلکہ شل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے آزمایش شرط ہے کیونکہ اس میں جزا ایسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا نریدا کنارے ملتی ہے فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کردیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لیے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کرکے ملاحظہ کریں۔ مصفی۔ مولد خون۔ مبہی۔ مشتہی۔ مقوی اعضاے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نامبارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد۔ خارشت۔ پھوڑا پھنسی برص۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر پشت شکم۔ محلل اورام بدن۔ شحمین ادجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال۔ احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دُھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا۔ امراض معدہ۔ استسقا۔ بواسیر۔ دبہ اطفال۔ قاطع سیلان الرحم۔ حابس النفاس وغیرہ۔ اکسیر جاؤظلہ۔ اکسیر خوراک عمر طلبا سے نصف قیمت۔

المشتہر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ

گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال پردہ پوسٹ نمبر ۱۱

قابل دید کتب

خاص رعایت

ناولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید - سعادت شاہد رعنا جو دوبار چھپ کر قدردانوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوا لے گئے ہیں ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت صرف

اسلام بائی قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں پہنچے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیہ شائقین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اس کی قیمت مع محصول ڈاک ۱۲ ار ہے -

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہو سکتیں

آویس - رومانہ الکبرنی کا ایک خاص قسم کا ناول سہ پارہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پُرتاثیر قصہ ہے قیمت ۸ ر

اوٹوپیا - اس ناول میں سر تامس مور نے ایک خیالی ملک قوم کے نظم و نسق کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴ ر

ناول

فرانسیسی مسلم یعنی تربیت اولاد کا ایک کوچہ قیمت مترجمہ مولوی سید جلال الدین عبید صاحب ہے صفحات ۱۵۸ اصل قیمت ۸ ر عاینی ۱ ر

تماشا گاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب اصل قیمت عہ ر عاینی ۱۲ ر صفحات ۲۸۸

نبر نگئی دہر - مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان شریف النسا کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام منشی عبد الغفور صاحب اصل قیمت ۸ ر عاینی ۴ ر صفحات ۱۳۲

تاریخ

علمائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جسمیں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) ر عاینی آٹھ آنہ (۸۰)

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مشہور فاضل سر آرسی دت کی جلیل تاریخ سویلائزیشن آف اینشنٹ انڈیا کا اردو ترجمہ ر عاینی قیمت عہ ر

تذکرۂ امیر - امیر عبد الرحمن خاں صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت عہ ر عاینی عہ ر

سفرنامہ یورپ و مالک یعنی منشی محبوب عالم صاحب روم و شام و مصر ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت ۲ ر عاینی ۱ ر صفحات ۲۰۰

طب

بدپرہیزی کا علاج نسواں - مولوی حکیم خادم حسین صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی مجلد اصل قیمت ۲ ر عاینی ۱ ر

قرابادین حسینی - مولوی حکیم ڈاکٹر نورحسین صاحب صابر
اصل قیمت عہ ر عاینی عہ ر

کیا میں تندرست ہوں یا بیمار - مشہور ڈاکٹر لوی کہنی کی تصنیف کا ترجمہ (ہر شخص کے لیے دستی کتاب) عاینی قیمت ۲ ٹھ ۲ نے (۸ ر)

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام - (ناول) حضرت نیاز کی معجزانہ تحریر کا اعلےٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت ر عاینی ۸ ر

گودڑ کا لال - (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ جو پہلے سلسلہ وار اخبار شرافت ہی میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد فضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ عہ ر

عالم خیال - (با تصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور مغربی زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی اعلےٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۸ ر

آئینہ جنگ یورپ - موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف ۴ ر

السنۂ مشرقیہ - عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے قیمت صرف ۶ ر

برکات سلطانی - عالیا بیگم صاحبہ والی بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ ر

شکوہ - ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱ ر

جذبات مسلم ۸۲ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سالقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ مع ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ مظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ مجسم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت ہر ر عاینی عہ ر

مسدس حالی - مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ و کھائی چھپائی اعلےٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ ر ریے جلد ۸ ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - یہ اسم بامسمّیٰ کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴ ر

شباب لکھنؤ - اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیے۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیے ہیں مترجمہ منشی محمد عاقل صاحب بی۔ اے قیمت ہر مجلد ہر ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی اُن تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو سائنس میں صدی قبل مسیح سے کر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً وقوع میں آتی رہی ہیں - مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا - نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے - مضامین کی وضاحت کے لیے صدہا تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد عہ مجلد عہ

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمیں چاند، سورج، ستاروں، سیاروں، دُمدار تاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، انکی وسعت، جسامت باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں - زمین پر رہ کر آسمان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت صرف مجلد عہ

تاریخ مذہب - اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور آسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے - قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

داستان مریخ - سیارہ مریخ کی جسقدر اب تک تحقیقات ہو چکی ہے اُسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے، قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰ر

جان ہیفکس جنٹلمین - اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنیٰ حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہو گیا - نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے - قیمت ہر دو جلد عہ - مجلد عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و مظلہا - ۳۱۵ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے - قیمت عہ

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور پیغمبر کے حالات - حجم ۵۴ صفحہ - کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۱ر

نبت الرسول - سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سیماب (اکبرآبادی) نے لڑکیوں اور مستورات کے لیے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحات - قیمت ۵ر

کفایت شعاری - سموئل اسمائلز کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب - قیمت ۸ر

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے - قیمت ہر دو حصہ (ر عاتی) ۱۲ر

قاسم و زہرہ - منشی احمد علیصاحب شوق قدوائی منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں - شروع سے آخر تک زبان شستہ، خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے - فقرے چست، لطیفے برجستہ، بانیمہ لکھنی چلکا مذاق سے خالی نہیں - معاشرت کے سین مطابق فطرت دکھائے ہیں - نیچرل کیفیات و جذبات میں سرتاپا یہ ڈاماڈوبا ہوا ہے - قیمت ۸ر

رباعیات خیام و دبیر - اس کتاب میں ہندوستان کے ان مشہور شاعروں کے رباعیات درج ہیں کہ کیونکر وہ اونی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کر کے دولتمند ہو گیا - نوجوانوں کے لیے نہایت مفید ہے - قیمت ہر دو جلد عہ - مجلد عہ

رباعیات خیام - حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ اسمیں ساتسو سے زیادہ رباعیات درج ہیں - دیکھنے کی چیز ہے قیمت ۸ر

رباعیات دبیر - حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ اسمیں ساتسو سے زیادہ رباعیات درج ہیں - دیکھنے کی چیز ہے قیمت ۸ر

رباعیات حالی - مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہے۔ ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں قیمت ۳ر

وصال - منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

ہاکی - ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جسمیں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کیے گئے ہیں جابجا ہاف ٹون تصاویر چسپاں کی گئی ہیں جنکی تعداد ۲۰ ہے کھلاڑیوں کے لیے عمدہ کتاب ہے قیمت ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور اُنکی قیمت میں خاص رعایت کردی گئی ہے اگر درخواستوں میں دیر ہوگی تو اُنمیں سے اکثر کتابیں نہ مل سکیں گی۔

کلیات نظیر اکبرآبادی جسمیں دیوان نظیر دبستان نظیر پورا حصہ شامل ہیں اور جسکو پروفیسر محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے قیمت رعایتی ۴ر

حق بحقدار - (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش اور دلچسپ فسانہ مصنفہ منشی محمد عبدالغفور صاحب مصنف تماشاگاہ عالم وغیرہ صفحات ۵۰۶ قیمت رعایتی عہ

حیات حافظ جسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور اُنکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے قیمت رعایتی عہ

یادگار دربار اسلام یعنی اسلامی تاریخی مخزن (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) دو جلد میں قیمت فی جلد ۴ر

اُردو سے معلّٰی - حصہ اول و دوم یعنی کارنامہ نثر و نظم اور سرمایہ بلاغت رقعات اردو جم الدولہ دبیر الملک مرزا نوشہ اسداللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب قیمت رعایتی عہ

المامون سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید عظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ و منظر دارالخلافت بغداد قیمت رعایتی ۱۲ر

صلاح الدین یعنی ابوالمظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری رعایتی قیمت ۸ر

تصانیف سرسید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ - (مجلد) قیمت ۴ر

اسباب بغاوت ہند - قیمت ۶ر

تصانیف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مرأت العروس -	۴ر
چند پند -	۴ر
منتخب الحکایات -	۴ر
توبۃ النصوح -	۴ر
سلسلہ آصفیہ -	۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق - ہر سہ جلد ۱۲ر

مکمل مخابرات دو حصہ قیمت
روس جاپان ثانی حصہ ۱۲ر

زہرا - ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے۔ قیمت ۸ر

چنگستان عرب پروفیسر دیمبری کا سفرنامہ۔ خیوہ۔ بخارا ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر

گنج شائیگاں ۸ر

حیات نورالدین ۸ر

یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

ملنے کا پتہ دفتر تمدن پل بھادر لال لکھنؤ

تینوں کتابوں کے بجائی خریدار کو محصول ڈاک و فیس ویلو معاف	**پانچ پانچ روپے کے ستو خریدار فوراً مطلوب ہیں**	یعنی تینوں کتابوں کا ویلو مع جملہ اخراجات صرف ۱۵ر میں بھیجا جائے گا۔

(۱) **انتخاب اردوئے معلےٰ** یعنی مرحوم رسالہ اردوئے معلےٰ علی گڈھ کی گذشتہ دس جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید انتخاب — مجلد قیمت عہ

(۲) **مکتوبات امیر مینائی** یعنی منشی امیر احمد مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ مع تصویر و سوانح عمری امیر و موازنہ داغ و امیر — حجم ۳۵۲ صفحے مجلد - عہ

(۳) **تذکرۃ الشعراء حصہ اول مکمل** حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے - مرتبہ حسرت موہانی جس میں تذکرہ شعراء و دیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان امیر - شہیدی تمنا - عیشی - تحمور - آتش - غافل - مائل - ہوس - مومن - نسیم - تسلیم - رنگی - حالی - بینظیر مست - مضطر خیرآبادی و حسرت موہانی کے دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے - ان میں سے اکثر دیوان ایسے ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے - قیمت عہ

نوٹ:- طبع ثانی تک حسرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرۃ الشعراء مل سکتا ہے علاوہ نہیں مل سکتا

المشتہر:- بیگم حسرت موہانی - دفتر اردوئے معلےٰ - علی گڈھ - سٹی

کروروں روپے کی ایک دوا

معجون علوی

"تمدن" کے معزز ناظرین جب اس دوا کا اشتہار دیکھیں تو براہ کرم حق وصداقت کو دل میں جگہ دے لیں - جریان کے لیے اگر کوئی بہتر دوا ہو سکتی ہے تو وہ معجون علوی ہے تجربے شدہ اور آزمودہ ہے دستی خوراکیں کھانے کے بعد شربتیہ آرام - جناب حکیم حاذق خلیق الملک دہلوی مرحوم کے مجربات سے ہے ضعف باہ اور عدم شہوت دور کرتی ہے - جریان خواہ کتنی ہی مدت سے ہو ہمارا دعوی ہے کہ اسکے استعمال سے قطعی جاتا رہے گا -

قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ

پرچۂ ترکیب ہمراہ ہوگا

منیجر دواخانہ قاسمی بازار سیتا رام شہر دہلی

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لا سکے!
یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔
اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا (جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں تماشا دیکھیں۔
قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔ نمونہ پانچ آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

تمدن

لکھنؤ

مذہبی خیال

(۱)

ابتداء آفرینش سے لیکر زمانۂ حال تک مذہبی خیال کی تاریخ لکھنے کے لیے ایک مستقل کتاب کیا متعدد مستقل کتابیں درکار ہیں اور کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ایک ایسا خاکہ کھینچنے کی نیت ہے جس سے بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ مذہبی خیالات اور عقائد کی ابتدا کس طرح پڑی اُن میں ترقی اور تنزل کس کس طرح ہوا اور انسانی زندگی پر اچھا یا برا کیا کیا اثر پڑا تفصیلی اور طولانی بحثوں میں پڑنے کے بجائے ہم پہلے مذہبی خیال کی حدود قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مختصراً اور مجملاً حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک ہستی واحد و حی و قیوم کا تسلیم کرنا۔

(ب) اُسے کائنات کا منبع و مرجع ماننا۔

(ج) یہ یقین کرنا کہ اُسکا منشا یہ ہے کہ انسان بیشمار مراحل ترقی طے کرے اور پاکیزگی اور میل جول کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

(د) اسی سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے انسان کو اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور یہ چند روزہ دنیاوی زندگی اس سارے ڈراما کا انجام نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی کچھ اور باقی ہے۔

(ہ) نیز یہ کہ ان سب کا مقصود نجات ہے اور نجات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے انسانی فرائض کی انجام دہی میں پاس ہو جائے یا پاس کر دیا جائے۔

(و) فرائض انسانی کا کماحقہ علم حاصل کرنے اور اُنپر بخوبی عمل کرنے کی قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف انسانی عقل اور انسانی مشاہدہ یا تجربہ کافی نہیں ہے بلکہ ایک طرف تو اُس فوق الفطرت ذات کی طرف سے جسکے منشا کے موافق زندگی ڈھالنی مقصود ہے بیّن اور روشن ہدایات موجود ہوں اور دوسری طرف کچھ مکمل اور معتمد انسان ایسے دکھائی دیں جن کی ذات میں وہ ہدایات عملی طور سے جلوہ گر ہوں اور وہ انسان اوروں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہدایت ہو سکیں۔

۲ - اب ہم مذہبی خیال کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ اور اسکی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

اولاً۔ فلسفۂ قدیم نے اس پر کیا روشنی ڈالی۔

ثانیاً۔ اُن مذاہب نے اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالی جنکا ظہور اسلام سے قبل ہوا

ثالثاً۔ اسلام نے اسے کہاں تک پہنچایا۔

رابعاً۔ سائنس اور فلسفۂ جدید کی روشنی میں بنی نوع کا رجحان کیا ہے

۳- فلسفۂ قدیم میں یونانی فلسفہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسمیں مغربی خیال

کی بنیاد اس سوال سے قائم ہوئی کہ آخر اس کائنات کی جڑ یا اصل کیا ہے۔ جد فلاسفہ یونان Thales نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ترک و تجرید اور فکر و تفکر میں گذارا اور خیال کیا کہ جو کچھ اس کائنات کی اصل ہوگی وہی خدا ہوگا۔ بہت غور و فکر کے بعد وہ مرد میدان اس نتیجہ پر پہنچا کہ کائنات کی اصل نمی یا پانی ہے۔ اس فلاسفر کے بعد دوسرا فلاسفر Anaximenes آیا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ میرے اندر جو قوت متحرکہ یا روح ہے وہ ہوا ہے اور چونکہ ہوا باہر یعنی فضائے عالم میں بھی موجود ہے اور ہر وقت متحرک ہے اور کل اجزائے کائنات میں ساری اور طاری ہے اور جو ہوا انسان میں ہے وہ ہوا فضائے عالم کی ہوا کا جزو ہے پس ہوا کائنات کی جڑ بنیاد ہے۔

دیوجانس نے اس نظریہ پر یہ اضافہ کیا کہ روحی ہوا یا ہوائے روحی صرف قوت متحرکہ ہی نہیں ہے بلکہ ادراک بھی ہے کیونکہ وہ صرف تحریک ہی نہیں پیدا کرتی بلکہ وہ ہدایت بھی بخشتی ہے۔

Anaximander نے یہ اعتقاد قائم کیا کہ جو کچھ بھی اصل اوّل ہے وہ ازلی اور ابدی ہے۔

فیثاغورث نے کائنات کی تدبیر میں وحدت کا اقرار کیا۔ اور بتایا کہ وحدت سے کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ تو جہاں میں دوئی نہیں سما سکتی۔ سوائے واحد کے باقی اعداد نسبتی ہستی رکھتے ہیں لہٰذا واحد کی شان مطلق ہے۔

Xenophanes نے کل ہستی واحد کا سراغ لگایا اور اس عقیدہ کی بنیاد ڈالی کہ خدا سے مراد کل ہستی ہے اور خدا میں کامل ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ خدا قائم بالذات اور ازلی اور ابدی ہے۔

Heraclitus نے خدا کو آگ سے تعبیر کیا میں خیال کہ آگ حیات

اور ادراک کا مظہر ہے۔

Anaxagoras کے بعد Anaxagoras تشریف لائے اور انھوں نے ارشاد فرمایا کہ خدا وہ قوت ہے جو عالم میں نظم و نسق کرتی ہے۔ سقراط نے خدائے واحد کو مرجشمۂ اخلاقِ حسنہ مان کر مذہب اور اخلاق کی بنیاد ڈالی اور فلاطونِ الٰہی نے اسمیں محبت کی چاشنی ملائی بنابراں اس مشترک تعلیم سے یہ عقیدہ جاری ہوا کہ خدا نہ تنہا اپنی ذات میں نیکی مطلق ہے بلکہ وہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور اسکے شایاں ہے کہ بندے بھی اُس سے محبت کریں یہ لُب لباب ہے اُس حیرت انگیز عقلی کوشش کا جسکی بدولت قدیم یونان پانی ہوا۔ آگ وغیرہ سے گذر کر خدائے واحد وحی و قیوم تک پہنچے۔

۴۔ اب ہم تعلیم حکمائے ہند پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں عقائد انسان کی سب سے قدیم محفوظ اسناد وید مقدس ہیں۔ وید مشتق ہے وِد سے جس کے معنے علم یا دانستن ہے۔ وید کا مفہوم وہ مجموعہ علم و دانش ہے جسمیں اُس کی حقانیت کی شہادتیں خود اُسکے اندر موجود ہیں۔ ویدوں کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ہستیِ کائنات کے دوش بدوش ہستی رکھتے ہیں اور خود ہستی کائنات کا ظہور کسی ماسبق وید کے اصول و قواعد کے مطابق ہوا۔ وید منتشر تھے اور عرصہ دراز کے بعد ایک رشی نے اُن کو جمع کر کے اُنکی موجودہ حیثیت قائم کی۔ بنابراں جس بزرگ نے اُنکو جمع کیا اُسکو ویاس یعنی ترتیب دینے والے کا مقدس لقب دیا گیا۔

وید مقدس نے خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ قدیم رشی لوگ قدرت کی طاقتوں مثل پانی ہوا۔ آگ وغیرہ کو پوجتے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکو علیحدہ علیحدہ

خدا مانتے تھے مگر نظرِ تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان صفات کو مظہرِ ذات مانتے تھے۔ انسان کے ابتدائی عقائد میں بظاہر ایسے خدا وحدہٗ لاشریک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی جو صفاتِ انسانی سے منزہ ہو۔ بلکہ وید کی عام تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عناصر پرستی سے شروع کرکے خدائے بزرگ و برتر کی پرستش تک پہنچ جانا مقصد اعلےٰ تھا۔ سورج۔ منبع۔ آگ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی مگر اعلےٰ درجے کے لوگ اسی میں سے خدا کا عنصر غالب پا لیتے تھے عرصۂ مدید کے بعد وید کی سادہ تعلیم پر فلسفیانہ نظر ثانی شروع ہوئی جسکے حملہ میں آج ہم وہ قیمتی خزانہ فلسفہ الٰہیات کا پاتے ہیں جسکو اوپانشد کہتے ہیں اُپنشد کی تعلیم کو حدِّ فلاسفہ ہند یعنے شنکراچارج نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے

"جو لوگ نجاتِ اُخروی کے طالب ہیں اور جنھوں نے لذاتِ فانیہ اور دنیا اور مافیہا سے منہ موڑ لیا ہے اور اس سائنس کو حاصل کیا ہے جسے اوپنشد کہتے ہیں اُن کو جہل اور اُن برائیوں سے نجات ملے گی جو آواگون (تناسخ) کا باعث ہیں۔ کیونکہ اس وقت اُن برائیوں کا قلع قمع ہو جائے گا"

اصول تعلیم اوپنشد عرفان ذات باری تعالیٰ ہے۔ منازلِ عرفان بذریعۂ اعمالِ حسنہ۔ مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ طے کرائی جاتی ہیں۔ وید اوپنشد اور دیگر کتب کی بنا پر فلاسفہ ہنود کے مشہور و معروف چھ درشن یا شاستر وجود میں آئے جنھیں باعتبار علوِ روحانی سب سے ممتاز ویدانت شاستر ہے جو اپنے لغوی معنوں کی حیثیت سے منتہائے وید ہے۔

یہاں بھی آپ ایک مستقل اور کامیاب کوشش پاتے ہیں جسکے ذریعہ سے انسان کو درخت پتھر۔ سورج ہوا پانی آگ وغیرہ سے شروع کرکے نہ صرف اقرار ہستیِ وحدہٗ لاشریک تک پہنچایا گیا ہے بلکہ جسکے ذریعہ سے عرفانِ ذاتِ باری

تعالیٰ حاصل کرنا مقصود اصلی معلوم ہوتا ہے سری کرشن جی مہاراج جنکا مذہب ہنود کے اوتاروں مین نہایت ممتاز پایہ ہے اُن کی مقدس تعلیم کا لب لباب اُس نادرالوجود کتاب مین موجود ہے جو ساری دنیا مین گیتا کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب نہایت خصوصیت کے ساتھ عرفان ذات کی ہدایت کرتی ہے لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہوگا کہ اصولاً ہنود کی روحانی تعلیم کا منشا خدا شناسی تھا اور اس مذہب کے اوتاروں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی تعلیم کا رواج دیا۔ بالواسطہ تعلیم دینے والون میں اُن بزرگ اوتاروں کا شمار ہے جنہون نے خدا کا ذکر کرکے خدا تک پہونچنے کے عقیدے اور اعمال بتائے۔ بلاواسطہ تعلیم دینے والا مشہور اوتار ہوا ہے جسکا نام نامی ساکھی سنگھ گوتم بدھ ہے۔ اسکی تعلیم کو بلاواسطہ تعلیم اسلئے کہا گیا ہے کہ اُس نے خدا کا نام تو نہیں لیا مگر ایک جیّد قاعدے اور ضابطہ کے ساتھ ذاتی جسمانی اور خواہش نفسانی جڑ سے کاٹنے کی یعنی عقل کی بھول بھلیون اور قلب کی لغزشون اور لرزشون غرض سب کا قلع قمع بتایا ہے اور الف سے لیکر ی تک فنا ہی فنا بتا کر نروان یعنی فنائے ابدی کا سبق پڑھایا۔

بدھ مذہب کی تعلیم کے موافق نروان یعنی فنائے ابدی اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے خواہشات جسمانی اور لذات کو بالکل خیرباد کردیا ہو اور جسکے دل مین رحم اور محبت کے سوا کسی کی برائی کی گنجائش نہو اور جسکی عقل صاف اور پاک ہوگئی ہو۔ نروان لامحدود ہے۔ اور حدود عقل انسانی سے ماورا ہے۔ جس دل مین لوث ہو وہ اسے حاصل نہین کرسکتا۔ نروان سے غیر محدود علم حیات ابدی کا حاصل ہوتا ہے اور یہ علم قیود جسمانی کے ٹوٹنے یعنی موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔

ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ گو الفاظ مین نہ کہا جائے مگر ماسوا کی فنا سے

بقاء الٰہی کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ بدھ جی مہاراج کا منشا یہی ہو۔

۵۔ زردشت اور کنفیوشس کی تعلیموں میں جہانتک ہمارا محدود اور ناقص علم رہبری کرتا ہے کوئی ایسا فلسفہ شامل نہیں جسکا موازنہ یا مقابلہ اصولاً فلسفہ یونان یا فلسفہ ہندوستان سے کیا جائے۔ ہم نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر ناظرین المذہب میں سے کوئی باخبر بزرگ ان تعلیموں پر روشنی ڈالیں گے کنفیوشس تو خیر منوجی مہاراج کے ایک زبردست اور مقدس معاصر تھے مگر زردشت کی تعلیمات کا امتیازی پہلو قلب انسان کی اُس دائمی کشمکش سے وابستہ معلوم ہوتا ہے جو نیکی و بدی میں امتیاز کرنے اور ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنے میں پیش آتی ہے۔ غالباً زردشت نے ان دونوں قوتوں کو خالم بالذات مانا ہے مگر مگر اسکی روحانی تعلیم کا انتہائی نور معلوم ہوتا ہے اور یہ نور جملہ رزائل نفس وغیرہ کو جلانے اور مثل نار کے ہر وقت روشن اور شعلہ زن رہنے سے حاصل ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ جس طرح آگ جملہ خس و خاشاک کو جلاکر آپ الگ تھلگ منور رہتی ہے اسی طرح شعلہ صدق و صفا جملہ رزائل کو جلاکر نور حقیقی کی طرف ہدایت کرتا ہے یہ شعلہ صدق و صفا جسے ہماری اصطلاح میں عشق کہتے ہیں جملہ متعلقات فانیہ کو جلا دیتا ہے۔ بقول۔ العشق نار یحرق ما سوی اللہ (عشق ایک آگ ہے جو سوا اللہ کے باقی سب کو جلا دیتی ہے)

۶۔ جو کچھ اب تک بیان ہوا اُس سے یہ اخذ کرنا غالباً بیجا نہوگا کہ سالہا سال کی کوششوں اور نفس کشیوں کے بعد دنیا نے خواہ عقل خواہ مذہب روحانی سے خدا کا پیشہ لگایا۔ اُسے ہمہ سمیع و بصیر و مطلق خالق حقیقی سازلی و ابدی مانا۔ اُسکی ذات کو مبدء علوم مانا۔ اُسے ہمہ تن نیک جبلت والا اور محبت کے قابل سمجھکر دنیا

میں نیکی اور محبت سے رہنے کے اصول کو تسلیم کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بنیاد ڈال کر فرائض انسانی کی تقسیم بوجود احسن کی جن بزرگوں سے یہ علوم پہنچے اور جنھوں نے یہ دشوار گذار راستے انسانوں کو طے کرائے اُنکی عزت کی گئی کہیں اُنکو خلاسفر مانا کہیں۔ اوتار۔ کہیں مقتن۔ کہیں کچھ کہیں کچھ مگر اپنی حد درجہ نہایت نقصان کو ناکافی سمجھ کر خودی کی جکڑ بندشوں کو توڑنا اور خدا اور خدا والوں کو ماننا انسان نے کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیا۔ اب ہم یہاں سے اُس سلسلۂ تعلیم کی طرف سرسری طور پر رجوع کرتے ہیں جسکی بنیاد فلسفۂ عقلی پر نہیں قائم ہوئی بلکہ جسکے بانیوں کو کسب سے قطع نظر کرکے وہبی طور پر بذریعہ وحی والہام براہ راست خدا واحد سے ہدایت حاصل ہوئی ہے

اُسنے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

ان تعلیموں کے بانی رسول اور پیغمبر اپنے خدا کے بھیجے ہوئے مانے جاتے ہیں جن کتابوں میں اُنکی تعلیمیں درج ہیں وہ کتب سماوی کہلاتی ہیں اور ان تعلیموں یا مذہبوں کے پیرو دل و جان طور پر خدا کو مانتے ہیں اور اُسکے فضل و کرم کے اُمیدوار اور اُسکی رضا کے خواہاں رہتے ہیں ان جملہ مذاہب کا متحد عقیدہ یہ ہے کہ ایک ذات واحد بزرگ و برتر ہے۔ اُسی نے دنیا و مافیہا کو پیدا کیا اور اُسی کے حکم سے ایک دن یہ سب کچھ نیست و نابود ہو جائیگا۔ نیکی خدا کو پسند ہے اور بدی ناپسند۔ پیغمبروں کا اتباع نیکی کو پہنچاتا ہے اور بدی سے بچاتا ہے نیز انسان کو اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اُس حساب کتاب کے بعد اُسی کی نظر فضل و کرم کا نام نجات ہے۔

ان مذہبوں کی تقسیم از آدم تا ایں دم اس طرح پر ہے۔

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰؑ۔

(۲) عیسویت۔

(۳) اسلام۔

(باقی آیندہ)

سرفراز حسین۔ قاری

احتیاج

منعم ہو یا مفلس احتیاج سب کو ہے پھر کیا بات ہے کہ مفلس ہی محتاج کہلاتے ہیں۔ کیا منعم کو حاجتیں نہیں ہوتیں؟ اُن کو تو مفلس سے زیادہ ہوتی ہیں مگر زر کی وجہ سے منعم کی حاجتیں بہ آسانی برآتی ہیں اور بے زری سے مفلس کے حاجات مشکل سے بھی نہیں نکلتے۔ اُس پر مفلسوں کی کثرت ہے اور اہل زر کی قلت۔ مفلسوں کے یہاں زر کی قلت ہوتی ہے اور اہل زر کے یہاں کثرت مفلسوں کو رفع ضروریات کے لیے بھی زر نہیں ملتا اور منعموں کو رفع ضروریات کے علاوہ رفع خواہشات کے لیے بھی زر کی کمی نہیں۔ منعموں کی حاجتیں زرداری کی وجہ سے نکلتی رہتی ہیں اور مفلسوں کی حاجتیں بے زری اور اہل زر کی بے توجہی سے نہیں نکلتیں۔ منعم مفلسوں کی حاجت روائی پر اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک منعم دوسرے منعم کی توجہ سے مستغنی ہوتا ہے اور ایک مفلس دوسرے مفلس کی اعانت سے مجبور۔ مفلسوں میں اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے۔ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند　　کس کی حاجت روا کرے کوئی

تاریخی ورق گردانی کیجیے یا صورت حال کو مشاہدہ کر لیجیے تو غرض مند زیادہ اور بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اہل زر کی خود غرضی اُن کے لیے اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی نو دولتوں کی خود غرضی مفلسوں کے حق میں نقصان بخش ہوتی ہے کیونکہ ایک نو دولت (جو افلاس کی تلخیوں سے واقف ہے) دوسرے مفلس کی داد، درمے، سخنے، قدمے جیسی اور جتنی اعانت ہو سکے نہ کرے

اور اپنی ہی مطلب براری میں منہمک رہے تو افلاس کی افزونی مفلسوں کو ہمیشہ کے لیے محتاج ہی بنائے رکھے گی۔ دنیا کے کام چلتے ہیں تو کسی کی دولت اور کسی کی محنت سے اور سچ پوچھو تو محنت ہی سے دولت ہے مگر حالت زمانہ یہ ہے کہ منعم مفلسوں سے لاپروا رہتے ہیں اور جو مفلس محنت کر کے دولت کماتا ہے وہ اپنے کو اہل دولت میں شامل کر لیتا ہے اور مفلسوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اگر مفلس مالدار بننے پر بھی مفلسوں کو نہ پوچھے تو اہل زر کو حقیقی راحت نہیں مل سکتی جس کے وہ متمنی اور متوقع ہیں کیونکہ روپیہ سے اگر خزانہ بھرا پڑا ہے تو وہ روپیہ انسان کو کوئی آرام نہیں پہنچا سکتا جب تک اُس کا مصرف انسانی محنتوں مشقتوں اور انسانی ریاضتوں کی شکل میں نہ حاصل کیا جائے۔

منعم تو زرداری کے نشہ میں اپنے ہی عیش و صلاح حال میں منہمک ہیں لیکن اگر مفلسوں پر نظر ڈالیے تو وہ بھی اپنے ہی صلاح و فلاح کی فکر میں مصروف ہیں۔ اسی نا اتفاقی و خود غرضی کی بدولت افلاس و فلاکت ایک بڑی جماعت کی جماعت کو احاطۂ تنزل سے آگے قدم بڑھانے نہیں دیتی۔

منفردہ کوشش فلاح نہ ایک فرد ہی کو آرام پہنچاتی ہے نہ اور افراد کے ہی کچھ کام آتی ہے غرض خود غرضی و نا اتفاقی کی وجہ سے محتاجی ایک عالمگیر مرض متعدی ہے تو اب اس مرض کے دفعیہ کی کیا تدبیر ہے؟ کیا اسکو معاملۂ تقدیری سمجھ کر خاموشی اختیار کی جائے؟ نہیں یہ تقدیری معاملہ نہیں ہے۔ اس میں خاموشی اختیار کرنی گناہ ہے! تدبیر کے ہاتھ میں بہت سے کام ہیں۔ تدبیر کرنی چاہیے اس میں خاص لوگوں کی توجہ اور عام لوگوں کی کوشش چاہیے۔ پھر اس کا فائدہ خاص و عام سب کو پہنچے گا۔ اتفاق میں

عوام کے ساتھ خواص شامل نہ ہوں تو کچھ زیادہ نفع کی توقع نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسرے کی ممکنہ اعانت کی جائے تو محتاجی کی یہ حالت نہ رہے۔ خود غرضی کی جگہ ہمدردی کی حاجت ہے! اور دوسروں کی حاجت روائی کے ضمن میں اپنی حاجت براری عمدہ بات ہے اور اس طرح کی حاجتیں اچھی طرح پوری بھی ہوا کرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان اپنے حق میں احسان ہے مگر لوگ اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ہی فکر میں لگے رہتے ہیں اس لیے اُن کو اپنی حاجت براری میں بھی دقت ہوتی ہے اور دوسروں کی احتیاج بھی باقی رہتی ہے۔ کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی کام نکلے؟ جس طرح لوگ دوسروں کے کام پر اپنے کام کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسروں کا کام جبراً رکوا کر کام نکالتے ہیں اس طرح دوسرے اس فکر و تردد میں رہیں گے کہ نکلا ہوا کام دوسرے ہی پر منتقل ہو جائے اور نا اتفاقی سے ہوتا بھی یہی ہے اور نتیجۃً محتاجی بدستور قائم رہتی ہے۔

احتیاج باقی نہ رہنے کے لیے اتفاق کا ہونا لازمی ہے اور اتفاق کے لیے ہمدردی۔ جو لوگ آسایش و آرام میں ہیں وہ مصیبت زدہ اور غرضمندوں کے حالات پر مطلق غور نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ جو لوگ مصیبت کے بعد راحت پاتے ہیں وہ بھی اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو بھول جاتے ہیں اور ان سے غافل رہتے ہیں اس کا نام بیدردی ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں شادی و غم توام ہیں رنج کے ساتھ مسرت ہے، تکلیف کے ساتھ راحت ہے، عُسرت کے ساتھ یُسر ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ایک کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے کا دورہ ہو۔ ہم نے

دیکھا ہے کہ اگر خوشی کا دورہ ہے تو وہ ایک عرصہ تک رہا ہے اور اگر کوئی مصیبت کا شکار ہوا ہے تو اُسکا بھی ماتمنا ہی سلسلہ برسوں تک چلا ہے بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صورت ثانیہ سے نجات ہی نہیں ملی۔ اور دم واپسین تک انسان اسی مصیبت میں مبتلا رہا لہٰذا اگر مرفہ الحال لوگ ضرورتمندوں کی تکلیف و رنج کا احساس کریں اور وقت پر اعانت کو دریغ نہ کریں تو اگر غم سے بالکلیہ نجات نہ ہو تو کم از کم تھوڑا بہت دُکھ تو کم ہو جائے۔

احتیاج سب کو ہے اور دنیا کے کل کام ایک دوسرے ہی کی مدد سے چلتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کام ہی سے کام رکھے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے کہ اس کو آرام پہنچائے خود غرضی کی وجہ سے نزدیک کام تو نکل جاتا ہے مگر خاطر خواہ آرام خود غرض کو میسر نہیں ہوتا ایک دوسرے کو آرام نصیب ہونے کے لیے ہمدردی کی قطعی ضرورت ہے۔ ایک حاکم ہمدرد ہوگا تو محکوم بھی اطاعت و ہمدردی سے اُس کی خدمت کریں گے جس سے دونوں کو آرام حاصل ہوگا۔

خود غرضی ایک طرح کا ظلم بلکہ دوسروں کے حقوق کا خون ہے اور یہ ایسا عام مظلمہ ہے کہ بیشمار اشخاص رات دن لوگوں کے حقوق کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے جاتے ہیں اور پھر اپنے فعل کو ظلم نہیں سمجھتے اور یہ مسلم ہے کہ ظلم نہایت ہی بُرا فعل ہے منطق صغریٰ و کبریٰ سے اس مسئلہ پر اس طرح سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے:۔

صغریٰ۔ خود غرضی ایک طرح کا ظلم اور اتلاف حقوق ہے۔

کبریٰ۔ ظلم اور اتلاف حقوق نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

نتیجہ۔ خود غرضی نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

لہٰذا جب یہ امر مسلم ہو گیا کہ خود غرضی ایسی بُری چیز ہے جس سے حقوق العباد تلف ہوتے ہیں تو پھر خود غرض انسان اس گناہ سے کیونکر بری الذمہ ہو سکتا ہے

خود غرضی کے ظلم سے لوگ کام نکال کے کس طرح خوش وخرم رہ سکیں گے۔ اسی ظلم کی وجہ سے کثیر التعداد بندگان خدا کی محتاجی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چونکہ خود غرضی میں بیدردی ہوتی ہے اس لیے خود غرضوں سے کام نکالنے میں محتاج کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے کو نہ صرف محتاج ہی سمجھتا ہے بلکہ محتاجی کی بدولت تمام عیوب سے متصف بھی ہوجاتا ہے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

فی الحقیقت محتاجی بڑی ذلت ہے۔ احتیاج کے وقت انسان کے کمال پر تاریکی کے پردے پڑجاتے ہیں۔ وہ آفتاب ہو تو ذرّہ ہوجاتا ہے یہ احتیاج اُن کے لیے مخصوص ہے جو محتاج کہلاتے ہیں ورنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے احتیاج اسکے خلاف بھی اثر کرتی ہے غرض محتاجی کے عجب کرشمے ہیں ہاں احتیاج کے اثرات سے وہ حضرات متاثر نہیں ہوتے جو راضی برضا شاکر وصابر اور اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محتاج ہوتے ہیں خدا ان کی حاجتوں کو برلاتا ہے اور غور کرکے دیکھو مفلس ہوں یا منعم سب فقیر و محتاج ہیں۔ دنیا میں جس طرح منعم کم ہیں اور مفلس زیادہ۔ اسی طرح اچھے لوگ بہت کم ہیں اور بُرے زیادہ اور بھلے اچھوں میں اہل اللہ بہت کم گویا شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی عبادت اور اُس کے واجب الاحتراام احکام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اپنی ضروریات سے مستغنی ہوتے ہیں اور وہ لوگ خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ ؎

کارِ ساز ما بہ فکرِ کارِ ما　　فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

بحث تو اُن لوگوں سے ہے جو معاملات دنیوی میں اپنا زیادہ وقت

صرف کرتے ہیں جن کو دین سے زیادہ دنیا ہی کی فکر ہوتی ہے۔ اگر خود غرضی دل سے اُٹھ جائے یا کم از کم اُس میں ایک نمایاں تخفیف ہو جائے اور ہمدردی بے دردی پر غالب آجائے تو دنیا میں احتیاج کے معاملات میں اتنی پیچیدگیاں نہ اُٹھانی پڑیں جتنی محتاجوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں ہمدردی دلوں میں پیدا ہونے کے لیے درستیِ اخلاق کی ضرورت ہے جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اچھی باتیں ضرور فائدہ بخش ہوتی ہیں تو فائدہ بخش امور سے اعراض کر کے مضر امور کی طرف رغبت ورجحان عالم وعقلمند آدمی کا کام نہیں ہے۔ عالم وعاقل وہ ہے جو خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچائے ورنہ جاہل ونادان تو نہ خود آفت سے بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے۔ اگر جاہل زردار ہو اور ایک عالم بے زر ہے تو عالم جاہل کے پاس ضرورت وا حتیاج لے کر جائے گا، اس وجہ سے کہ وہ زر کی قدر ومنزلت سے خوب واقف ہے کیونکہ اس سے تمام دنیوی کام انجام پاتے ہیں۔ مگر جاہل عالم کے یہاں علم کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ وہ اپنے جہل کے باعث علم کی فضیلت سے ناواقف ہوتا ہے۔ پس محتاجی نوعیت اور ضرورت کے لحاظ سے تکلیف وراحت کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اگر محتاج صابر وقانع اور خوددار ہو تو اپنی حاجت براری میں ہرگز ذلیل وخوار نہ ہوگا افسوس ہے کہ بہت سے لوگ احتیاج کے وقت خودداری سے کام نہیں لیتے مفلس ہو تو منعم کی خوشامد کرتے کرتے زبان خشک کر لیتا ہے۔ عالم ہو تو جاہل کی منت کرتے کرتے اپنے آپ کو ذلیل وخوار بنا لیتا ہے، ملازم استاد ہو تو شاگرد کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتا ہے مرد ہو تو احتیاج سے عورت کے آگے نامردی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر بھی نہ تو حاجت ہی

پوری ہوتی ہے اور نہ عزت ہی باقی رہتی ہے۔ ع

بات بھی کھوئی التجا کر کے

محتاجو! تم اپنے کو دیکھو کہ تم میں جوہر کمال کیا ہے اور احتیاج کس بات کی ہے اگر کمال اعلےٰ ہے اور احتیاج ادنیٰ۔ تو ادنیٰ احتیاج کے لیے اپنے جوہر کمال کو معرض مذلت میں نہ ڈالو۔ اپنے گوہر کمال کو کوڑیوں کے مول نہ بیچو کامل ہو کر ناقص کے آگے ذلیل و خوار نہ بنو۔ اپنے کمال کی کسادبازاری کی وجہ سے کہ یہ جوہر بہت گراں بہا ہے اور عقیل و فہیم لوگ اسکو ہمیشہ مہنگے داموں خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ کمال کی بدولت تم اس قابل ہو کہ عقل سلیم تمھاری عزت کرتی ہے اس لیے جاہلوں کی نظروں میں اپنے آپ کو ذلیل اور اپنی وقعت کو کم نہ کرو۔ تمھاری خواہشیں پوری ہوں نہ ہوں مگر اپنی علم و کمال کی عزت کے پورے طور سے محافظ رہو۔ تمھاری ضروریات وہی پوری کرنے والا ہے جس نے تمھیں اس مرتبہ پر پہنچایا ہے۔ عزت کا بے بہا موتی دے کر ذلت کا ٹھیکرا نہ لو۔ تم اہل جوہر و اہل کمال ہو اس لیے تمھارے لیے بھیک باعث ذلت و تہتک ہے۔

منعمو! تم دولتمند ہو۔ خدا نے تم کو ایک بڑی نعمت دی ہے جو تمھیں مبارک رہے۔ مگر خدا کی دی ہوئی نعمت کے شکریہ میں تم کو چاہیے کہ خدا کے بندوں کو اپنی طرح آسایش و آرام سے محروم نہ رکھو اور خدا کے احکام پر عمل کرو۔ اگر تمھارا یہ اعتقاد ہے کہ اس طرح کے سلوک میں ہم بھی محتاج ہو جائیں گے تو خدا کے احکام پر عمل کرنے کے لیے یہ تمھارا ایک حیلہ ہوگا جسکے جواب دہ تم خود ہو گے۔

کس نشنود یا نشنود من گفتگو سے می کنم

ہوش بلگرامی

عشق حقیقی

ایک ہے اے غافلو وہ پاک یزداں ایک ہے
خالق ارض و سما و جن و انساں ایک ہے

بالیقیں بے مثل و یکتا واحد اُسکی ذات ہے
بزم کثرت میں بھی وحدت ہے عیاں کیا بات ہے

ہاں وہی قابل عبادت کے ہے وہ معبود ہے
آستاں پر اسکے سر خم ہو وہی مسجود ہے

جسم ہیں کون و مکاں و جان عالم جان ہے
ان بتوں میں بھی اسی کا فر ادا کی شان ہے

یہ گزیدہ بندگان حق کا دامن تھام لے
وہ تو ساقی ہیں مے وحدت کا اُنسے جام لے

رہبر کامل ہیں وہ اُنکے موافق کام کر
چھوڑنا ہرگز نہ غافل اُنکا دامن تھام کر

چھوڑ دے لذات نفسانی نہ تو گمراہ ہو
چاشنی بادۂ وحدت کی دلمیں چاہ ہو

سامنا رحمت سے اسکی بعد مرگ اے یار ہے
دوزخ و جنت کی ہستی سے عبث انکار ہے

اسقدر وابستگی نقش و نگار دہر سے
ہائے غافل تو نہیں ڈرتا خالق کے قہر سے

دیکھکر صنعت کو صانع کیوں نہ یاد آیا تجھے
حسن دنیائے دو روزہ کس طرح بھایا تجھے

ہیچ ہے عشق حسیناں جہاں سب ہیچ ہے
زلف پیچاں کی گرہ قسمت کا تیری پیچ ہے

دور کر دل کی سیاہی جلد غافل دور کر
شمع وحدت سے تو اپنے قلب کو مسرور کر

نور عرفاں ڈھونڈ اب چاہ ضلالت سے نکل
خواہش پاکیزگی ہے تو کثافت سے نکل

عشق مولا چاہیے یا وصل مولا چاہیے
جب خدا ہی مل گیا باسط تو پھر کیا چاہیے

ماسٹر باسط بسوانی

مغنّیہ

ہم ذیل میں حضرت رُجائی کا مضمون اور اُن کے خط کا ایک حصہ مع "یلدرم" اور "نسائی" کے مضامین کے جن سے حضرت رُجائی کے مضمون کا بہت کچھ تعلق ہے ناظرین "تمدن" کی ضیافت طبع کے لیے درج کرتے ہیں اور حضرت رجائی کی اس سبک قلمی کی داد دیتے ہیں جس نے اُنھیں چھ برس میں اس مضمون کو ختم کرنے میں مدد دی۔ ایڈیٹر

"آپ کا تقاضا کہ مضمون بھیجو اور میں مضمون لکھنے کے ناقابل تاہم تعمیل ارشاد میں ایک مضمون جسے میں نے مخزن میں دو مضمون دیکھنے کے بعد تقریباً چھ برس ہوئے شروع کیا تھا ختم کرکے بھیجتا ہوں چونکہ میرا مضمون بغیر اُن ہر دو مضامین کے بالکل نامکمل ہوگا اس لیے پہلے اُنھیں نقل کرتا ہوں۔ "رجائی"

آہ یہ نظریں

(ایک ہندوستانی مغنّیہ کو)

تھکی ہوئی تمام شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں، تیری آنکھوں سے جو سرمست وشید اور پرلطف دقیقے دینے کے وعدے کرتی ہیں، ان آنکھوں سے نکلنے والی ہلکی نظریں! ان سیاہ آنکھوں کی سوزاں ظلمتوں میں، ایک ایسا مبہم اشارۂ دعوت پاتا ہوں کہ میری روح ان نیوتوں کو دیکھ دیکھ کے حرص سے لرزنے لگتی ہے۔

جب تک کہ تیرا لطف خریدا جاتا ہے تو چاہے جتنی اونچی ہو جتنی چاہے اونچی بن عسیر الحصول نظر آئیں بھی اک پوری رات، اک لمبی رات، تیرے یا یمینی سینے میں گذارنا چاہتا تھا، مگر میرے شوق، میری آتش اشتیاق کو جو تیرا کل وجود روح چاہتی ہے، تیری بے ہیجانی تیری بے حرارتی، تیری بے محبتی زائل کر دیتی ہے، بجھا دیتی ہے۔

تیرے چاہنے والے جو تیرے دل تک ذرا نہیں پہنچ سکتے، جو پیسہ دے کر تجھ تک پہنچتے ہیں، اُنکے لیے تیرے نخرے کس قدر بار، تیرا اظہار شوق کس قدر جھوٹا، اور تیرا گلے ملنا کس قدر بے استکراہ، تیرے بوسے کس قدر ٹھنڈے اور سست ہیں۔

یہ جانتا ہوں مگر پھر وہی! یہ آنکھیں، یہ سیاہ آتش سے بھڑکنے والی سیاہ آنکھیں،

اور اُن کی متلاشی ظلمتیں جو متجسس معلوم ہوتی ہیں یہ خاتماں سوز متانت ہیں۔ ان کی تپش میں جب میں اپنے تئیں پاتا ہوں تو میں بھی یہ چاہنے لگتا ہوں کہ چاہے کچھ ہو میں بھی ان آنکھوں کی ظلمتوں میں ڈوب جاؤں، میں بھی اس آتش سے اپنے تئیں جلالوں، ایک رات تو ان آنکھوں سے سرمست آلام ہوں۔

اور اگر تو کہیں اصلی محبت کرے، اُف! کہیں تو اک ذرا چاہے۔ اُس وقت دیکھتی ہو، اُس وقت کہ سونچ کے اور اپنے پر نظر ڈال کے اپنی روح کو دیکھ کے، میں اس طرح ڈرنے لگتا ہوں جس طرح اک پُر طوفان رات کی پُر شور تاریکی سے کوئی ڈرے۔

نہیں، نہیں، جا، جا میں نہیں چاہتا۔ اور اپنے ساتھ اپنی اُس آواز کو بھی لیجا جو میری روح کو زیر و زبر کر رہی ہے، اور اُس تھکے ہوئے نشے کو بھی ساتھ لے جا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محترص بغلگیری سے حاصل ہوا ہے۔

اتنی دور جا کہ تیری آواز کو، تیرے گانے کو نہ سُن سکوں، تجھے نہ دیکھ سکوں۔ اور تو بھی اے موسیقی، آہ! اے موسیقی، تو بھی چپ ہو جا۔ وہ غزل نہ گا، وہ راگ نہ گا، جو مجھے زندگی کی سب سے بہتر اک رات کی یاد دلاتا ہے۔ اُن حرارتوں کو، اُن شعروں کو جو میری روح میں مستور ہیں، بحران و ہیجان نہ دے۔

کیونکہ میں خود اپنے سے، اپنی طاقت تخیل سے شبہ کرنے لگا ہوں، کیونکہ میں ڈرنے لگا ہوں کہ میں اس عورت کے لیے سب کچھ کر گذروں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں اپنی متانت کھو بیٹھوں گا، اپنی سلامتی، اپنی انسانیت جسے میں اب تک قائم رکھ سکا ہوں، ہاتھ سے دے بیٹھوں گا

چپ رہ، دیکھ میں کانپ رہا ہوں، دیکھ میں مرا جا رہا ہوں۔

یلدرم

مجھے دیکھا کیوں

(ایک ہندوستانی مخنیہ کی طرف سے)

آہ! یہ نظریں! بس لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے۔ اس سے تو میں اندھی ہوتی کہ نہ کوئی صاحب میری نگاہوں پر فریفتہ ہوتے اور نہ یوں بھگو بھگو کر لگاتے۔ شکوہ شکایت تو آگے چل کر ہوگی جناب پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو آپ نے اس طرف رُخ ہی کیوں کیا

پھر پوچھتی ہوں منت سے پوچھتی ہوں۔ کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں کاش مجھے یہ اختیار حاصل ہوتا کہ پوچھتی آپ نے ۔ مجھے ۔ دیکھا ۔ کیوں۔ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی۔ مگر صدمہ تو اس بات کا ہے کہ آپ نے میرا دل نہ دیکھا۔ اُس کے زخم نہ دیکھے اُس کا جنازہ نہ دیکھا۔ اُس کی بے نشان قبر نہ دیکھی۔ اور تو اور اُسکے دوامی عرس کا چور زندہ اشتہار ان کالی کلوٹی آنکھوں میں تھا۔ اُسے بھی نہ دیکھا۔ حیف! حیف!

جی ہاں "شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں" سبحان اللہ کس قدر اچھا کہا ہے! پھر فرمائیے گا؟ "مسرت مخمور" اس خوشی کا نشہ کہ چنا۔ بیدرد تکنہ چین۔ آوارہ مزاج ۔ خدائی خوار۔ "زر منجورم"۔ کی ضرورت سے "آیئے" "بیٹھیے"۔ "خوب"۔ "بہت خوب"۔ "سبحان اللہ"۔ "واہ واہ"۔ کہیں؟ مجھ بدنصیب کی خوشی اور وہ بھی مخمور کر دینے والی خوشی کا اندازہ کس قدر صحیح کیا گیا ہے! بس مجھے کچھ اور کہنا نہیں بھر پائے۔

"میری سیاہ آنکھوں کی سوزان ظلمتوں میں اک مبہم اشارہ دعوت پایا" ٹھیک پایا۔ میں بُلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے۔ میرے زخم جگر پر مرہم لگائے مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سا سہارا ہی دیدے۔

مگر میری تقدیر دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلے حرص سے لرزنے لگی اور طرہ یہ کہ یہ بھی میرا ہی تصور ہے سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ میں بھی لڑتی۔ مگر چپ ہوں اور دل کو مار لیتی ہوں۔ کہ جی ہاں میرا لطف خریدا جا سکتا ہے"۔ اور اسی سبب سے دیکھنے والے کا سارا شوق بجھ جاتا ہے۔ میری "بے ہیجانی" "بے حرارتی"۔ "بے محبتی" اسے ذلیل کر دیتی ہے۔ "بجھا دیتی ہے"۔

اسے بھی جانے دیجیے۔ غضب تو یہ ہے مجھے بالکل مردہ سمجھ لیا۔ میرا "اظہار شوق جھوٹا"۔ میرا "گلے ملنا پر سرد نگاہ"۔ میرے "بوسے تھکے ہوئے اور سست"۔ پیارے دیکھنے والے برائے خدا دو چار گالیاں اور دیدو۔ کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ فرمائیے۔ تیرا مرنا شعبدہ روحانی۔ تیرا جنازہ ایک خالی چاند۔ میری قبر پر آتی گیرت۔ گرجا۔ تیرا حشر نشر پیرو پیئے کا ساتھ۔

افسوس!! افسوس!!۔ مدت بعد ایک شخص ملا۔ مگر راز دل سے ناآشنا!

الٰہی دلدرم بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر مایوسی کہتی ہے۔ صبر کر خاموش ہو جا۔ کیونکہ

آپ اس قدر بیزار ہوئے کہ ذرا سی دیر میں دور دور کرنے لگے۔ میں بھی مردود۔ میری آواز بھی مردود۔ میرا لکھا ہوا نغمہ بھی مردود۔ اور میرے ساتھ موسیقی اور شاعری سب مردود۔ بڑے سنگدل ہو اے یلدرم کے منہ ہی سنگدل کے ہوں۔

اچھا اے گل یلدرمو۔ (آج سے میں ہر سنگدل مرد کو یلدرم کہا کروں گی) سنو۔ گوش ہوش سے سنو کہ میں کون ہوں۔ میری حالت کیا ہے اور کس کس کی گردن پر میرا خون ہے۔ پہلا گناہ میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر دنیا میں آئی۔ بدظنی کا آماجگاہ بنی۔ رقابتوں کا مرکز ٹھہرائی گئی یہ سب میرا تصور ہے۔ مرد کا اس میں تصور نہیں ہے! بدصورت ہوتی تو بھی نیک سیرت مرد زندہ درگور کر دیتے۔

اب جو خیر ذرا چار آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں تو میری کیا کیا ہجو کی جاتی ہے۔ نظریں تو نظریں گلے ملنے اور بوس وکنار تک کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ میں گانا نہ سیکھتی کہ نہ عفتیہ ہوتی اور نہ مردوں میں بلائی جاتی۔ مگر کیا میں نے اپنے شوق سے ایسا کیا؟ کیا مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حس پیدا نہیں کی؟ اے اہل دل مرد کیا اسے بھی میں اپنا ہی تصور تسلیم کروں؟ او ہو مجھے اب اپنا اصلی تصور معلوم ہو گیا۔ عورت بھی ہوتی۔ خوبصورت بھی ہوتی گانا بھی سیکھتی۔ مردوں سے بھی ملتی۔ مگر اپنا دل نکال کر پھینک دیتی!۔

ورنہ میری "بے حرارتی" "بے محبتی" وغیرہ کی کیوں شکایت ہوتی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ ظلم عورت پر اور اس کی غنائی ہستی پر تقدس نما لوگوں کی طرف سے ہوا۔ انھوں نے خدا کا تو یقین کیا۔ مگر خدا کے بعد جیسا کہ حق تھا۔ عورت کا یقین نہ کیا۔ اکثروں کو بند کر کے انکی زندگی بے سُری کر دی اور انکے اور علم موسیقی کے درمیان ایک ایسا دز فی اور موٹا پردہ حائل کر دیا۔ جو نہ اُٹھائے سے اُٹھے نہ پھاڑے سے پھٹے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج میں ہوں اور میرا بدنام فرقہ ہمارے کلیجے ہیں اور یلدرموں کے تیر۔

ہم بھی انسان تھے۔ ہم بھی دل رکھتے تھے۔ ہمیں یوں "بارہ پتھر باہر" نہ کیا جاتا تو ہم بھی گھروں کی بستی ہوتے۔ مردوں کے غمگسار ہوتے۔ ہم میں بے حرارتی۔ اور بے محبتی نہ ہوتی۔ ہمارا اظہار شوق جھوٹا نہ ہوتا۔ حیف اب ہمیں لوگ دیکھتے ہیں تو کس کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کس وقت دیکھتے تو ضروریوں دیکھتے۔ ؎

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھکر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

دیکھو مسٹر یلدرم۔ ایک نصیحت میری مانو کہ آج سے کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اور یہ سزا اس قصور کی ہے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ "بقلم نسائی"

ہاں دیکھا

(ایک ہندوستانی مغنیہ کو)

(یلدرم کی طرف سے)

ہاں دیکھا۔ تم کو دیکھا۔ تمھاری آنکھوں کو دیکھا۔ آنکھوں کی تعریف کی کوئی گناہ کیا؟ اگر کیا تو اس کی سزا تم نے تجویز کر دی۔ اُس کا خمیازہ ایک نہیں بہت سی راتوں کو بھگتنا پڑا۔ تم کہتی ہو کہ "لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے" میں کہتا ہوں "مجھے دیکھا کیوں" کہنے والے کو خدا انصاف دے تم پوچھتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں جواب دیتا ہوں تم نے مجھے دیکھنے کو کیوں دیا؟ کیوں تم نے مجھے دیکھنے کے لیے دعوت دی؟ اور مجھ سے کہا کہ دیکھو۔ سنو۔ مسرور ہو اُس پر میں نے دیکھا تو چندرا کر کہتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں نے دیکھا۔ ہاں دیکھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے جوابی نظروں سے میری نظروں کا استقبال کیوں کیا؟ اگر کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ میں تمھیں دیکھوں اور تم اپنی جوابی نظریں ڈال کر مجھے پریشان کرو تو پھر یہ سوال کیسا؟ کون سا انصاف اسکی اجازت دیتا ہے؟ مگر انصاف کی کیا دُہائی دوں انصاف تمھاری سرشت میں نہیں۔ انصاف کی پرچھائیں تمھارے سایہ تک سے بھاگتی ہے۔ اچھا انصاف نہیں رحم۔ واہ رحم کیا کبھی کسی مغنیہ نے رحم کیا ہے؟۔ بال بچے برباد۔ گھر بار تباہ۔ کن لوگوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ خاندانی ثروت۔ دولت عزت کی چادر کو کون لوگ کو ناپکڑ کر لٹ دیتے ہیں "تم" "تم"۔ اس لیے رحم کا بھی گذارہ نہیں۔ خیر اب میں تمھاری ہی دُہائی دیتا ہوں تمھیں بتاؤ جو کچھ تم نے لکھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟

تم کہتی ہو کہ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی ماشاء اللہ کیا بھولا پن ہے۔ جی نہیں تم کو تو شکوہ شکایت کرنی چاہیے تھی اور تم نے کی ہی۔ یہ میں کیا کہوں کہ تم کو کیا چاہیے تھا اور کیا کیا۔ مگر تم کہتی ہو کہ "آنکھیں دیکھیں میرا دل نہ دیکھا" جی ہاں آنکھیں دیکھیں دل کیا دیکھیں وہ دل جس میں سیکڑوں ہزاروں کی خود مطلب اور خود غرض محبت کے تابوت رکھے ہیں جن میں سے گو ہر ایک جداگانہ رنگ کا ہے مگر جن سب کی کشش ایک مقصد کی طرف ہے جب ضرورت ہوتی ہے تو جس تابوت کو آپ کے حضرت دل ٹھوکر لگا دیتے ہیں اُس میں سے آہ و بکا کی سُریلی آواز نکل کر حشمت آلود دیویوں کو حکم دیدیتی ہے اور آپ کا خود غرضانہ کام بن جاتا ہے۔ جب آپ کے حضرت دل چاہتے ہیں تو کسی تابوت کو چھیڑ دیتے ہیں اور اُس تابوت والے سے سب کچھ اُف کرا لیتے ہیں اور اُسکی نعش کے لیے تابوت تک نہیں چھوڑتے اور اُن شان و شوکت والوں کی نعش جو ہاتھیوں پر بیٹھ کر بازاروں میں نکلتے تھے بے گور و کفن پڑی رہتی ہے مگر اُس تابوت والے کے بے تابوت ہوتے ہی اُسکی جگہ کوئی دوسرا لے لیتا ہے اور آپ کی لیلائے دل محل مغنیہ میں بدستور دُلہن بنی ہوئی تشریف فرما ہوتی ہیں۔ آپ کے "دل" کو کوئی کیا دیکھے؟ اُسکے "زخموں" پر کوئی کیا نظر ڈالے؟ اُسکا "جنازہ" دیکھ کر کوئی کیا کرے؟ اُسکی "بے نشان قبر" پر کوئی کیا فاتحہ پڑھے؟ تمھارے دل کے زخم کیا ہوں گے تم لوگ ایسے تیر انداز ہی نہیں جو اپنے تیر لگانے میں اسقدر مستغرق ہو جائے کہ دوسرے کا تیر بھی اثر کر جائے۔ تمھارے دل میں زخم ہوں گے تو اُن تیروں کے جو دوسروں کے پاک دلوں کو نہ چھید سکے ہوں اور آکر تمھارے ہی دل میں ناکامی کا زخم لگایا ہو۔ جنازہ ہوگا تو کس کا اونھیں تیروں کا۔ بے نشان قبر ہوگی تو کس کی اُنھیں تیروں کی۔

اپنے دل کا جنازہ مجھے دکھاتی ہو حق تو یہ تھا کہ خود دیکھتیں اور سبق لیتیں تم کہتی ہو کہ میری خوشی کا اندازہ کسقدر صحیح کیا گیا ہے مجھے "کچھ کہنا نہیں بھر پایا" جی نہیں تمھاری خوشی کا اندازہ بالکل غلط کیا گیا۔ مجھے بھی افسوس ہے تمھاری خوشی کا صحیح اندازہ تو یہ ہوتا کہ تم جس سے ملتی ہو دل سے ملتی ہو۔ خوشی سے ملتی ہو۔ زر طلبی کی خواہش سے نہیں دل طلبی اور محبت طلبی کی خواہش سے ملتی ہو اگر کوئی تمھاری خوشی کے اندازہ میں بھی دھوکا کھاتا تو تم کہتیں واہ واہ جزاک اللہ کیا ذہن رسا پایا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مغنّیہ ہونا ممکن ہے مگر دل سے محبت کا جوش عشق کی اُمنگ کا مفقود ہونا ناممکن۔ اگر وہ اندازہ صحیح نہیں تھا اُس پر چوٹ کرتی ہو نام دھرتی ہو تو میں تمھاری خاطر سے کہے دیتا ہوں کہ تمھاری خوشی کا یہ اندازہ جائز اور ٹھیک صحیح۔ اَب تو خوش ہو اب تو سچ مچ بھر پایا یا اب بھی کوئی کسر باقی ہے؟

تمھارے نزدیک تمھاری آنکھوں میں اشارۂ دعوت نہیں تھا اچھا میں بھی کہتا ہوں کہ اشارۂ دعوت نہیں تھا مگر اشارہ عداوت تھا جس کو بعض زد دیدن و فولاد نرم کے عامل اشارۂ دعوت کہہ دیتے ہیں۔ میں نے اشارہ دعوت اس لیے کہا کہ تمھاری آنکھوں سے وہ قاصد نظر دعوت کا پیغام ہی لے کے چلا تھا مگر اسکی "سوزاں ظلمتوں" میں عداوت کا زہر اس طرح بنا سنوار کے چھپا دیا گیا تھا جس طرح تم اپنا دل اور اسکا بھید چھپائے رکھتی ہو۔

تم کہتی ہو کہ "میں بُلاتی نہ تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے میرے زخم جگر پر مرہم لگائے مجھے اس تعریہ نامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سہارا ہی دیدے"۔ واللہ بہت خوب بُلانے کا کیا اچھا مقصد تجویز کیا ہے۔ کسی ہادی کی تلاش تھی۔ کسی پیر مرد کی جستجو تھی۔ بہت اچھا

خدا نیک ہدایت دے۔ اسی لیے مجھے بلاتی تھیں۔ افسوس ہے میں نہ سمجھا میری سمجھ کا قصور ہے تمھاری نیت اچھی تھی۔ کیوں صاحب یہ جو آپ کے ہاں لوگ آتے ہیں ان میں سے کتنی ہادی کتنے مرشد اور کتنے ولی ہوتے ہیں۔ انھیں بھی تو تم پہلی دفع اس غرض سے بلاتی تھیں کہ تم "معصوم" "فرشتہ" کو تعربدنامی سے نکالدیں مگر تم میں وہ اوصاف قدرت نے نہیں بلکہ تمھاری بے حیابے حمیت بے شرم بے حجاب زندگی نے پیدا کردیے تھے۔ کہ ان سے تمھاری ہدایت نہ ہوسکی اور تم ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں۔ انھوں نے ممکن ہے تم کو کچھ سہارا دیا ہو مگر تم اس کا توڑ جانتی تھیں تم نے اُلٹا ان کو زمین پر دے پٹکا۔ تم کو تعربدنامی سے نکالنے کے لیے آئے تھے اور بقول تمھارے تم نے اُسی لیے بلایا تھا مگر اُلٹے تعربدنامی و بربادی میں گر پڑے۔

تمھاری "تقدیر" تمھاری نیت اور تمھارے پوشیدہ ارادے کو دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلہ ترس سے لرزنے لگی۔ جی ہاں ترس سے نہ لرزتی تو کیا ہوتا۔ ہمدردی کرتے تو کیفر کردار کو پہنچتے بھلائی کا بدلہ بُرائی ہوتا۔ اگر سچ مچ تم یہ چاہتیں کہ کوئی آئے تم کو تعربدنامی سے نکالے تو یہ کیوں کہتیں "اگر یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو ادھر کا رخ ہی کیوں کیا" تم کہتی ہو کہ سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے میں بھی لڑتی مگر چپ ہوں دل کو مارتی ہوں" گو تم اپنے دل سے سچی محبت سچی ہمدردی کو دور دور پرے پرے کرتی ہو مگر سچائی کا وہ جوہر جو قدرت نے ہر ایک میں ودیعت کیا ہے اتنی احتیاط کے پردوں میں بھی جھلک دکھادیتا ہے اور راز کو فاش کردیتا ہے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ خود تم ہی سے تمھارے دعوے کو باطل ثابت کرادیا۔ بتاؤ کہ تمھارا اصلی مقصد کیا تھا۔ خود تعربدنامی سے نکلنا یا دوسرے کو

قعر بدنامی میں دھکا دینا۔ تمہارے نزدیک تمہارا "لطف خریدا" نہیں جا سکتا۔ جی ہاں سچ ہے۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر دکھانا تمہارا ہی کام تھا۔ دیکھنے والا بھی لطف خریدنا چاہتا تھا مگر اس کا شوق "محبت آلود" "حمیت آمیز" لطف کو محبت سے خریدنا چاہتا تھا مگر اسکو معلوم ہو گیا۔ جو دل آنکھوں پر رکھنے کی چیز ہے وہاں ایک سیاہ پتھر رکھا ہوا ہے وہ تہ کو پہنچ گیا اور جس طرح بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیتے ہیں اس نے دیکھا سوچا اور ٹھکرا دیا۔ اب بتاؤ کہ اگر اس کا "شوق بجھا" تو ٹھیک بجھا یا غلط۔

تم شاکی ہو کہ تمہیں "بالکل مردہ سمجھ لیا گیا تمہارے "اظہار شوق کو جھوٹا" کہا گیا تمہارا "گلے ملنا" پر "استکراہ" خیال کیا گیا" تمہارے بوسے تھکے ہوئے اور سست بتائے گئے۔ جی نہیں تم زندہ اور ایسی زندہ کہ ہزاروں زندوں کو زندہ درگور کر دو تمہارا "اظہار شوق" سچا۔ تمہارا "گلے ملنا" محبت کی شان۔ تمہارے بوسے بادصبا کی طرح دلفریب اور شیریں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم محبت میں سچی ہر ایک کو سچے دل سے پیار کرنے والی۔ ہر ایک کے لطف کو دوبالا کرنے والی۔ مگر للہ یہ تو بتاؤ کہ ہر۔ ایک۔ کو کیا جواب تمہارے پاس ہے۔ کیا قدرت نے تمہارے دل میں وہ گنجائش دی ہے کہ وہ ہر ایک کا ہو کر ایک۔ ایک کا ہو سکتا ہے۔ یا تم کو کوئی سو دو سو دل دیے گئے ہیں جو الگ الگ خانہ میں ہر ایک کے ایک ایک اور الگ الگ ہو کر رہتے ہیں۔ اگر اس کا جواب مل گیا تو میں قائل۔ میں جھوٹا تم سچی تمہارے دعوے قابل تسلیم تمہاری محبت قابل ستائش اور تم قابل پرستش۔ تم نہایت پیارے لہجہ میں "گالیاں دینے" کی فرمائش کرتی ہو کہ میرا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے، میرا ارمان تو یہ تھا کہ کاش تمہارے پاس ایک دل اور صاف دل ہوتا اور صرف ایک کے لیے ہوتا جب ہم دیکھتے کہ کون سا یلدرم

تمہارے لیے "تیغ بکف" نظر آتا۔

تم مجھے کیا خوب فرمائش کرتی ہو کہ میں کہوں تیرا مرنا "شعبدۂ روحانی" تیرا جنازہ ایک "خیالی مچان" تیری "قبر ہاتھی پکڑنے کا گڑھا" تیرا "حشر نشر" بہروپیے کا سانگ۔ جی نہیں تمہارا مرنا دنیا کے لیے عبرت کا تھیٹر۔ تمہارا جنازہ اخلاقی سبق حاصل کرنے کی مجلد کتاب۔ تمہاری قبر عذاب الٰہی کا عجائب خانہ۔ تمہارا حشر نشر۔ دوزخ میں جانے والوں کے لیے تسکین کا ساماں "افسوس افسوس" تم کو مدت کے بعد ایک شخص ملا اور وہ ایسا سنگدل کہ تم نے اسکے ہم ناموں کو بھی سنگدل ٹھہرایا۔ تم کو شکر کرنا چاہیے تھا کہ ایک شخص ایسا ملا جس نے تمہارے وجاہت پرست دل کو ایک ٹھیس لگائی اور تم کو یہ خیال تو آ گیا کہ میری زندگی نیکی میں بسر ہوتی تو وہ کیسی ہوتی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ ذرہی دیر میں دنیا کی اور لطیف چیزوں حتیٰ کہ موسیقی اور شاعری کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگا اور بدنصیب عورت دیکھ اور غور کر صرف تیری وجہ سے دنیا کی لطیف چیزیں بھی ٹھکرائی جانے لگیں کیونکہ وہ تیرے قبضہ میں ہیں کاش کہ تو۔ تو نہ ہوتی تو موسیقی۔ شاعری۔ آنکھوں پر بٹھانے کی چیز ہوتی اور ہے ہی۔ جہاں تو اور وہ ساتھ نہیں ہیں وہاں یہ چیزیں کس قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ افسوس تو انسان ہو کر وہ چیز ہے کہ تیرے قبضہ میں آ جانے سے دنیا کی نعمتوں کو بھی مردود کیا جاتا ہے۔ کہتا ہے تو جو چاہے کہہ لے پکار لے سو بگاڑا دنیا کی لطیف چیزوں کی بے عزتی اور ہتک کی جو حشر کے دن تیرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر خدا سے فریاد کریں گی تو اپنا خون مردوں کی گردن پر رکھنا چاہتی ہے مگر یہ جب سچ ہوتا جب اپنی گناہوں کو اس سے زیادہ بڑا حصہ اُن بدنصیب مردوں کی گردن پر ڈال دیتی جو مرد کہلاتے ہیں اور نامرد ہیں۔ جو انسان کہلا کر انسانیت اور شرافت کے

جوہر سے کوسوں دور ہیں۔ جو تیرے دل کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ جو تیرے دھوکے اور فریب میں آجاتے ہیں۔ تو کہتی ہے کہ "سب سے بڑا قصور میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر پیدا ہوئی" یہ تصور نہیں وصف ہے۔ رحمت ہے اگر تو عورت ہوتی اور۔ تو نہ ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اگر بھی عورت نہ ہوتی تو مرد زندہ درگور کر دیتے" اگر تو عفت اور عصمت کی بعض پابندیوں کو جو ایک گھر کی عورت کو مغنیہ کے مقابلہ میں کرنی پڑتی ہیں زندہ درگور ہونا خیال کرتی ہے تو جہاں ہے وہیں رہ اور جو کچھ جس کسی کے جی میں آئے کہے تو سن اور مسکرا۔ ورنہ نیچے اتر اور دیکھ کہ تو کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ تو اپنے آپ کو عالم بالا پر پہنچا ہوا سمجھتی ہے مگر مجھکو معلوم ہوگا کہ جہاں تو ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے کتنی گہرائی میں ہے۔ تو کہتی ہے کہ "مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حس پیدا کر دیا۔ واہ واہ ماشاءاللہ کیا خوب۔ اب آئندہ کبھی کہنے کی ضرورت پڑے تو یوں کہنا۔ نا اہل مردوں کی طلب کاذب اور ہوسناکی نے ہم میں یہ حس پیدا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک حصہ تم کو اس قعر مذلت میں ڈالنے میں ان کا بھی ہے اور ضرور ہے۔

"تقدس نما" لوگوں کو مجرم قرار دینا تمہارا ہی کام تھا بائی دبی زبان سے اس کا اعتراف مجھے بھی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا اور سخت ظلم کیا۔ عورت اور موسیقی دونوں کو الگ کر کے دنیا میں ایک بڑے فرقہ کی بیباکی اور دنیا کو خرابی کے جال میں پھانسا۔ اب بھی اگر تو عورت اور موسیقی ایک ساتھ ہو عورت کے دلدادہ اور موسیقی کے شیدا بہتری کی طرف رجوع کریں تو تم لوگ بہت کچھ اچھے ہو سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ موسیقی اور تم کی معجون مرکب میں کوئی دوسرا عنصر شامل نہ ہو۔ پھر تم ضرور آیا۔ آدھ پائے کے بعد اس قعر مذلت

نکل جاؤ گی جس کو تم اپنی جنس کے لیے موت سے تعبیر کرتی ہو اور ایک زمانہ آئے گا کہ تمھارا دیکھنے والا تمھارا چاہنے والا تم سے محبت کرنے والا کہے گا

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھ کر پاؤں ترا منھ نہ کسی کا دیکھے

تم آخر میں یلدرم کو نصیحت کرتی ہو کہ اب کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا۔ دیکھیں گے ضرور دیکھیں گے مگر دل کو قابو میں رکھیں گے اور تم کو اس تعہد نامی سے نکالیں گے۔ دیکھو اس دیکھنے سے یہ فائدہ تو ہوا کہ تم کو اپنی زندگی پر غور کر کے معلوم ہوا کہ تمھارا صحیح مصرف کیا تھا اور اب تم کیا ہو۔

اگر تم نے یہ سب باتیں چند راکر لکھی تھیں تو تم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ یلدرم آیندہ کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اگر دیکھنا تو دل کو قابو میں نہ رکھنا۔

"رجالی"

شہر مصر نو سو برس پہلے

(سلسلے کے لیے ۱۰ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

غرضکہ اہل مصر بہت اطمینان اور امن وامان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہزاروں صرافوں اور جوہریوں کی دوکانوں پر خرید فروخت کی ہر وقت گرما گرمی رہتی تھی۔

ایک دولتمند یہودی جوہری سلطان کا مقرب تھا اُس پر سلطان کو اتنا بھروسا تھا کہ جواہرات خریدنے کی خدمت اُسکے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک دن اس یہودی کو فوجی سپاہیوں نے مار ڈالا۔ پبلک میں یہ واقعہ اہم سمجھا گیا اور مگیبیں بھی اپنی حرکت سے نادم و خائف ہوئے۔ عام طور پر جب اور فوجی سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اس جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی تو بیس ہزار سوار مجرموں کو لیکر شہر سے باہر نکل گئے

اور ایک میدان میں جمع ہوئے۔ اس مجمع کا باشندگان شہر پر بڑا اثر پڑا لوگ خائف ہونے لگے مقتول یہودی کے بھائی کا بھی بُرا حال ہوا اس نے گھبراہٹ میں آؤ دیکھا نہ تاؤ بارگاہ سلطانی میں عرضی اس مضمون کی پیش کردی کہ۔

"میں اپنی جان و مال کی بچاؤ کے عوض میں شاہی خزانہ کی چالیس ہزار دینار مغربی سے خدمت کرسکتا ہوں"

اس درخواست سے سلطان کا مزاج برہم ہوا حکم دیا کہ درخواست مجمع کے سامنے لے جاکر پھاڑ ڈالی جائے کہ نہ تمھاری جان سے کسی کو دشمنی ہے اور نہ مال کی پروا تم اپنے کو ہر طرح امین سمجھو۔ اس کے بعد متمرد سپاہیوں کے متعلق حکم ہوا خادم فوجی مجمع کے سامنے آکر کہنے لگے "تم لوگ اطاعت کروگے یا نہیں" سپاہیوں نے اک زباں ہوکر جواب دیا "ہم سلطان کے مطیع اور فرمانبردار خادم ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سے قصور ہوا جس کی تہ دل سے معافی چاہتے ہیں جب دوبارہ خادموں نے آکر معافی قصور کا شاہی فرمان سُنایا تو یہ لوگ مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بصدق دل دوبارہ اطاعت کا حلف اُٹھایا۔ اور اس طرح یہ فتنہ رفع دفع ہوا۔

شہر مصر ہی میں نہیں بلکہ ملک شام سے لے کر قیروان تک سلطانی عمداری کے جن جن شہروں اور قصبوں میں میرا گذر ہوا وہاں کی ہر مسجد کے کل اخراجات بار سلطانی خزانۂ عامرہ پر تھا۔ روشنی کے لیے چراغوں کا تیل فرش کے لیے چٹائی بسترے وغیرہ کا اعلےٰ انتظام اور امام مؤذن فراش کی تنخواہیں اور انعام سب سلطان کی طرف سے تھا۔ ایک سال شام کے گورنر نے رپورٹ کی "زیتوں کی کمی ہے اگر حکم ہو تو دوسرے قسم کے تیل فراہم کیا جائے" اس پر حکم ہوا "جس چیز کا تعلق خدا کے گھر سے ہے اس میں کانٹ چھانٹ اور ردوبدل جائز نہیں"

ہر قاضی کی تنخواہ دو ہزار دینار مغربی ماہوار مقرر تھی تاکہ کسی کے مال و دولت پر للچ کی نگاہ نہ ڈالے اور دولتمندی دیکھکر حرص و ہوس کی آگ مشتعل نہو سکے۔

باغ لگانا اگر کوئی شخص باغ بنانا چاہے تو ہر فصل میں بنا سکتا ہے کیونکہ جن پودوں کی باغ لگانے میں ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہمیشہ آسانی سے مل سکتے ہیں۔ خواہ پھل دار ہوں یا پھول دار یا بغیر پھل پھول کے۔ بہت لوگ پودے بیچنے کا ہی پیشہ کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پودے ان کی معرفت مل سکتے ہیں۔ یہ اپنے بلند مکانوں کی چھتوں پر ہر قسم کے پودے ہر وقت اُگائے رکھتے ہیں۔ اُن کی چاندنیاں اچھا خاصا باغ ہوتی ہیں جس میں نارنگی میٹھوہ انار سیب بہی وغیرہ اور ہر قسم کے پھلوار کے درخت ہوتے ہیں جس کو ضرورت ہوتی ہے مناسب قیمت پر خرید کر گھر دوروں پر لدوا کے لے آتا ہے۔ محافظت کے لیے جڑوں کو گیلی مٹی سے لپیٹ دیتے ہیں تاکہ ہوا لگ کر اُگنے کے ناقابل نہو جائے۔ جہاں لگانا ہوتا ہے پہلے سے وہاں گڈھا کھود رکھتے ہیں اور پودے کو گاڑکر مٹی برابر کر دیتے ہیں یہ لوگ کئی بار ایک پودے کو ایک جگہ سے دوسرے مقام پر منتقل کر کے لگا سکتے ہیں اور اس آہستگی اور ہوشیاری سے کہ درخت کو بھی خبر نہو انصاف یہ ہے کہ اس قسم کے ماہر فن باغبانی کسی دوسرے شہر میں میں نے نہ کبھی دیکھے نہ سُنے یہ لوگ اپنے ہنر میں بے نظیر مہارت رکھتے ہیں۔

مطالب اہل مصر ان لوگوں کو مطالب کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانے اور دفینے تلاش کریں۔ ممالک شام مصر اور مغرب سے بیشمار اشخاص اس سودے کو سر میں لے کر یہاں آتے ہیں اور بہت کچھ صرف کر کے اکثر بوجہ ناکامی مفلس ہو کر واپس جاتے ہیں کسی خوش قسمت کو کبھی کوئی دفینہ مل بھی جاتا ہے جس سے اُسکے دن پھر جاتے ہیں۔ عام طور پر یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ان اضلاع میں فرعون کی دولت و مال مدفون ہے جس کو دفینہ مل جاتا ہے وہ پانچواں حصہ حسب قاعدہ بحق سلطان

خزانۂ شاہی میں داخل کرتا ہے اور چہارم حصہ اُسکی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

بزم شیخ و شاب

غم سے گو خلوت میں رہتا ہوں میں پیچ و تاب میں — فرق گو کرتا ہے مشکل مجھ میں اور سیماب میں
دل بہل جاتا ہے لیکن محفلِ احباب میں — بیٹھ جاتا ہوں میں دم بھر جبکہ شیخ و شاب میں

مجمع احباب میرا اور میں ہوں مغتنم
ایک ہے اپنی نظر میں جلوۂ دیر و حرم

دوستی سے دوستی ہے بیر ہے یاں بیر سے — کام ہے باغ محبت کی انوکھی سیر سے
بڑھکے یوں اہل حرم ملتے ہیں اہل دیر سے — جس طرح اپنا سمجھکر کوئی لپٹے غیر سے

ہاں تعصب مذہبی نظروں میں اپنی ہیچ ہے
تنگ چشموں کے مقدر کا وہ بیشک پیچ ہے

یاں محبت میں جسے دیکھو سراسر فرد ہے — سچا ہم مشرب ہے وہ ہمراز ہے ہمدرد ہے
میرا نالہ سُن کے اسکے لب پہ آہِ سرد ہے — شکل محزوں دیکھکر چہرہ بھی اسکا زرد ہے

ایک سی الفت ہے سب کو سب وفا کوشوں میں ہیں
ایک ہی میخانے کے ہم سب بلانوشوں میں ہیں

بادۂ الفت کا بھی ہوتا ہے کیا سچا خمار — مرگ کی ترغیب سے بھی ممکن نہیں جسکا اُتار
ہم نے مانا چار دن کی زیست کا کیا اعتبار — بعد مرنے کے ہیں گے پھر بھی ہم روز شمار

ہم جدا ہو جائیں لیکن دل جدا ہوتا نہیں
اس محبت کی بدولت ہائے کیا ہوتا نہیں

شرکتِ شادی میں اک جانب جو وہ تیار ہیں — دوسری جانب ہمارے غم میں بھی غمخوار ہیں
سچی الفت حبِ صادق کے یہی آثار ہیں — ایک دو اپنے ہیں گر تو غیر بھی دو چار ہیں

امتیاز دین و ملت کی ضرورت کون ہے
اس سے بڑھ کر وصل صادق کی وہ صورت کون ہے

چندرموہن[۵۱] کے ہے دل میں داغ الفت کا پڑا — پریم کا اوتار ہے بیشک کرشن[۵۲] باوفا
ہے محبت سے بھری گربچا[۵۳] کی بھی ہر ہر ادا — خلق سے ملتے ہیں جگتی اور پنو[۵۴] بھی سدا

بامروت دیکھیے ہے ہر طرح احمد[۵۵] حسین
اور ننکو[۵۶] کو بھی فرقت میں نہیں پڑتا ہے چین

ہے فدا عثمان[۵۷] ہر اک پر سدا پروانہ وار — کیا کہوں بانکے[۵۸] بہاری کی محبت کی بہار
بھول کر آتا نہیں دل میں لطافت[۵۹] کے غبار — خوش نصیبی سے ملے ہیں کیسے کیسے غمگسار

سوز الفت دل میں ہے۔ غمخوار ابراہیم[۶۰] ہے
آگ میں جل مرنے کو تیار ابراہیم ہے

جوش الفت سے ہوئے ہیں سب کے سب شیر و شکر — اب جدائی کا نہیں باقی ہر دلمیں کچھ اثر
بزم میں بیٹھے ہیں سب اس طرح حلقہ باندھکر — منسلک ہوں جس طرح سے ایک رشتہ میں گہر

کچھ عجب محفل ہماری بزم شیخ و شاب ہے
مختلف پھولوں کا اک گلدستۂ نایاب ہے

کام باسط وہ کرو موقع ہو جس سے ناز کا — اپنے دل میں لطف پیدا کر لو سوز و ساز کا
بات کہدوں بھید کی۔ پردہ اٹھادوں راز کا — یاد رکھو یہ مقولہ شاعر شیراز کا

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

ماسٹر باسط علی باسط بسوانی

---

۵۱ بابو چندر موہن لال صاحب عرف راجہ ۵۲ پنڈت رام کرشن صاحب ماسٹر۔ ۵۳ بابو گربچا پرشاد صاحب عرف مسٹر متعلم بی۔ اے کلاس کرسچین کالج لکھنو۔ ۵۴ بابو جوتی سروپ صاحب متعلم بی۔ اس سی کلاس جمناشٹن الہ آباد۔ ۵۵ بابو لاوده بہاری لال صاحب عرف پنو ۵۶ مسٹر احمد حسین صاحب عرف چن مٹی ۵۷ بابو نرائن سروپ صاحب عرف ننکو۔ ۵۸ بابو بانکے بہاری لال صاحب عرف منشی ۵۹ مسٹر لطافت علی خاں صاحب عرف نہنو ۶۰ مسٹر محمد ابراہیم صاحب۔

عالی ظرفی کی ایک عجیب مثال

جس زمانے میں اسلام کا آفتاب عالمتاب اسپین کے طول و عرض کو اپنی تنویر سے منور کر رہا تھا اور عربوں کی زبردست حکومت اس سرزمین پر قائم تھی اُسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک اسپینی سے (جو عیسائی تھا) اور ایک نوعمر مسلمان عرب سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی بیچارے عرب کے زخم کاری لگا اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکا اور اُسی وقت جاں بحق تسلیم ہو گیا۔

اس قتل کی خبر بجلی کی طرح محلہ والوں اور شہر کے لوگوں میں پھیل گئی اور سب لوگ اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر قاتل کو قتل کرنے کے لیے بے تحاشا دوڑے قاتل بھاگا وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے گھر پہنچ جائے مگر ہر ایک راستہ کی ناکا بندی کر لی گئی۔

قتل کا محل وقوع ایک باغیچہ تھا چار دیواری باغیچہ کی جانب چھوٹی تھی مگر دوسری جانب گھری تھی، اسپینی دوڑتے دوڑتے فصیل کے پاس پہنچا اور دوسری جانب کود پڑا۔ اتفاق کی بات کہ وہاں گھوڑا تھا اُس نے گھبراہٹ میں اسی کو غنیمت سمجھا اور لپٹ کر اپنے کو کوڑے کرکٹ میں چھپا لیا۔ اسوقت اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا، اسکے پیٹ میں سانس نہیں سماتی تھی، خوف کے مارے بدن خشک ہوا جاتا تھا حواس باختہ ہو رہے تھے اور اپنے کو اب بھی امن کی جگہ میں نہیں سمجھتا تھا یہ اسی حیص بیص میں تھا کہ ادھر ایک بوڑھے عرب کا گذر ہوا جس کا مکان یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا اور اپنی آن بان سے غیر معمولی جوانمرد معلوم ہوتا تھا، قاتل کو اسوقت جو

دُھن بندھی تو لپک کر اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ عرب نے اس اچانک حرکت پر متحیر ہو کر اُس سے پوچھا۔ کیوں کیا معاملہ ہے۔ کس لیے تم اپنے آپے سے گذر گئے ہو؟ وہ بے اختیار چلّانے لگا، امان! امان! امان! اے پیر مرد امان! اس وقت مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، لوگ مجھے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اگر اُنھوں نے مجھے پا لیا تو ضرور مار ڈالیں گے، اس واسطے آپ سے رحم کا خواستگار ہوں، امان دیجیے عرب نے اُسے غور سے دیکھکر کہا "ہرگز مت ڈرو۔ چونکہ تم اپنے بُرے فعل سے پشیمان ہو کر مجھ سے التجا کر رہے ہو اس لیے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں چھپانے، اور تمھاری جان بچانے میں کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کروں گا میرے گھر چلے چلو، وہاں آرام سے رہو" قاتل نے شکریہ ادا کیا اور عرب کے مکان میں آ کر چھپ رہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد عرب کو خبر ہوئی کہ کسی اسپینی کے ہاتھ سے جو شخص مارا گیا ہے وہ میرا ہی بیٹا ہے یہ خبر بجلی کی طرح اُس کے ہوش حواس پر گری اور تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کی جو ناگفتہ بہ حالت ہوئی اُسکا ادا کرنا الفاظ کی مدد سے ممکن نہیں، وہ بخوبی سمجھ گیا کہ میرے بیٹے کا مارڈالنے والا یہی شخص ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے، اس کا یہی اکلوتا بیٹا تھا جو نورِ نظر لختِ جگر، اور اُس کی دنیاوی زندگی کا سچا ثمر تھا۔ تھوڑی دیر تک سکوت اور حیرت کے عالم میں رہنے کے بعد انتقام کا تیز جذبہ اسکے دل میں پیدا ہوا لیکن اس کی عالی ظرفی، غیرت، حق میزبانی، اور مہمانداری نے اجازت نہیں دی آخر کار وہ اپنی سب قوتوں پر غالب آ گیا اور اسی حالت میں قاتل سے ڈانٹ کر کہا "اس ناقابل معافی اور قبیح حرکت سے جو تم نے ابھی میرے ساتھ کی ہے کسی بات کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اسواسطے کہ ایسے

ناگوار موقع پر تمام عہدہ پیمان پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے بہت جلد چلے جاؤ" قاتل نے اس تسکین بخش گفتگو سے خوش ہو کر عرب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ہاتھ چومنے کی کوشش کی عرب نے ہاتھ جھٹک کر نہایت حقارت سے گھورا اُس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے غصہ کے مارے کانپنے لگا، اور کہا ملعون، مردود، خبیث، اُن ناپاک ہاتھوں سے جن میں میرے لختِ جگر کا گرم خون ابھی ٹھنڈا بھی نہیں ہوا ہے، کس جسارت سے میرے ہاتھ چھوتا ہے، جا ہٹ جا۔ نابکار۔ میری خونفشاں آنکھیں تیری منحوس صورت دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اسپینی اس غضبناک گفتگو سے سہم گیا خوف کے مارے اس کے جسم کا خون برف کی طرح جم گیا اور حسرت سے عرب کی صورت دیکھنے لگا اس کو یقین ہو گیا کہ میں نے اسی عرب کے لڑکے کو قتل کیا ہے۔ اس وقت یہ اپنی زندگی سے بالکل نا امید ہو کر موت کا انتظار کرنے لگا، بدن میں لرزہ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا وہ سمجھنے لگا کہ موت نے مجھے انتقام کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عرب نے پھر کہا "اے عیسائی اُس گناہ کبیرہ نے جو تجھ سے ابھی سرزد ہوا ہے اگرچہ میرے قلب، روح، حواس کو جاودانی عذاب میں مبتلا کر دیا ہے، میری فرحت و انبساط پر پانی پھیر دیا ہے مگر میرا وجدان اور ضمیر اس طرف مجھ کو بدلہ لینے سے باز رکھتا ہے، جو عہد و پیمان کر چکا ہوں وہ توڑنا نہیں چاہتا اور اس مقدس کو عدالت الٰہی کے سپرد کرتا ہوں جس دنیا والوں کی عیب پوشی کے لیے رات کی تاریکی کا پردہ موجود ہے پر چھا گیا، اسپینی کو بھاگنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بوڑھے عرب نے نہ صرف اپنے جگر پارہ کے خون سے درگذر کی بلکہ عبارتاً و نٹ بھی قاتل کی سواری کے واسطے دیا تاکہ وہ آرام سے اپنے گھر پہنچ جائے اندریں عالی ظرفی ہیچ تو وہ ہے کہ عربوں کے سوا دنیا کی کسی قوم میں اس عالی ظرفی کی مثال نہیں مل سکتی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محمد اسمٰعیل۔ ہاتف

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی

(نام و نسب) تقی الدین ابو العباس احمد ابن شیخ شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم ابن شیخ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام ابن شیخ ابو محمد عبد اللہ ابن شیخ ابو القاسم خضر ابن محمد ابن اخضر ابن علی ابن عبد اللہ ابن تیمیہ۔

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اُنکے جد امجد محمد ابن خضر حج کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو اُنھوں نے دروازہ تیماء[1] پر ایک لڑکی کو دیکھا جو اُنھیں بہت پیاری معلوم ہوئی[2] پھر جب وہ گھر لوٹے تو اُنھیں خبر ملی کہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے جس کو انھوں نے اے تیمیہ اے تیمیہ کہکر پکارا۔ بعض کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی دادی محمد کی ماں کا نام تیمیہ تھا اور وہ بڑی واعظہ تھی شیخ چونکہ بہت بڑے واعظ اور فصیح اللسان تھے لہذا اس مناسبت سے ابن تیمیہ کے لقب سے مشہور ہوئے میرے خیال میں یہی وجہ موجہ تھی اور میں اسی قول کو ترجیح دیتا ہوں۔

(ولادت) شیخ پیر کے دن دسویں تاریخ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں شہر حران میں پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب خدا کے غضب کی تلوار مسلمانوں پر کھینچ گئی تھی اور فتنۂ تاتار تمام عالم اسلام میں آسمان قہر و غضب بن کر چھا گیا تھا تاتاریوں کی خصوصیت سفک و قتل اتنی عام تھی اور اُن کے وحشیانہ مظالم کی خبریں اسقدر دور دور تک پھیل گئی تھیں کہ اُس وقت ایشیا میں کوئی ایسا

[1] تیما ء مدینہ شریف سے آٹھ کوس دور ایک جگہ کا نام ہے۔ [2] الکوکب الدریہ۔

شہر نہ تھا جہاں کی آبادی خوف زدہ اور زندگی سے بیزار نہو اور تاتاریوں کے شہر میں آنے سے پیشتر دنیا سے اُٹھ جانے کے لیے تیار نہ ہو گئی ہو۔ حران میں جب اس فتنۂ قیامت کے قرب کی خبریں پہنچیں تو تمام آبادی میں کھلبلی پڑ گئی حران کی رونق ہوا ہو گئی۔ جلا وطنی و مہاجرت کا مقدس مرحلہ ہر شخص کے پیش نظر ہو گیا۔ شیخ کو ابھی ساتواں برس تھا کہ ۶۱۷ھ میں انکے والد کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان ہی وجوہ سے حران چھوڑنا پڑا اور شیخ اور اُنکے بھائی اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ یہ مختصر سا قبیلہ جو بڑی بے سروسامانی میں گھر سے نکلا تھا تاتاریوں کے خوف سے رات کو چلتا تھا اور دن بھر جنگلوں اور ویرانوں میں سر چھپاتا پھرتا تھا اسقدر جلد سفر کی تیاری کرنا پڑی تھی کہ کسی سواری کا بھی انتظام نہو سکا تھا صرف شیخ کے خاندان کا علمی خزانہ یعنی کتابیں بجائے رخت سفر ہمراہ تھیں اگرچہ اس سفر میں دشمن سے بچنے اور اس علمی خزانہ کے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن احتیاط پر کافی غور خوض کر لیا گیا تھا اور دشمن سے دور رہنے کے لیے ہر ایک مشہور گذرگاہ اور عام سڑکیں چھوڑ دی گئی تھیں مگر پھر بھی خدا کی قدرت ایک مقام پر تاتاریوں سے مڈبھیڑ ہو گئی اور قریب تھا کہ ظالموں کے پنجہ میں اسیر ہو جائیں لیکن خدا کا فضل شامل حال ہوا کہ ادھر تو اُنھوں نے رب السموات سے فریاد کرنا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنا شروع کیا اور ادھر تاتاریوں کو ان کی بے سروسامانی دیکھکر رحم آ گیا اور یہ خاندان اس بلا سے بچ کر ۶۱۸ھ میں دمشق پہنچ گیا دمشق میں پہنچ کر شیخ کے قوائے ظاہری اور باطنی کی نشوونما ایسے اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی کہ خدا کی قدرت کو لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا شیخ کا بچپن بھی بہت معقول عجیب الخصائص تھا وہ ابتدا ہی سے بڑے ذکی اور فہیم تھے۔ اُن کا ابتدائی درس

مطالعہ بھی مجتہدانہ انداز و خصوصیات اپنے اندر رکھتا تھا انھوں نے بہت تھوڑے زمانہ میں قرآن کو ختم کر لیا اور حدیث و فقہ و عربیت کے تدبر و تفقہ اور حفظ و ذکر میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کا پایہ متقدمین کے مرتبہ کو پہنچ گیا وہ اپنے تمام اقران اور اماثل پر سبقت لے گئے وہ اُدھر تو حدیث سُنتے تھے اور اِدھر اُسکو یاد کر لیتے تھے انھوں نے اکثر کتابیں اپنے شیخ کے سوا مختلف مشائخین سے بھی سُنی تھیں[1] چنانچہ انکے مشائخین کی تعداد دو سو سے زائد تھی سب سے پہلی کتاب جو اُنھوں نے حدیث میں حفظ کی وہ امام حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین تھی شیخ نے حدیث کی بڑی کتابوں میں مسند امام احمد صحیح بخاری و صحیح مسلم ابن ماجہ دار قطنی نسائی کئی دفعہ سُنی بلکہ اُن کے علاوہ معجم طبرانی کبیر بھی اُن کی سُنی ہوئی تھی انھوں نے نہ صرف حدیث کو سُنا تھا بلکہ اُسکو لکھا اور پڑھا تھا وہ نحو میں کتاب سیبویہ پر کچھ دنوں غور کرتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے نحو کے تمام مسائل پر عبور حاصل کر لیا اور وہ اس فن کے بھی امام نظر آنے لگے پھر وہ تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے تمام معاصرین سے آگے نکل گئے اسی طرح فقہ اور اصول فقہ میں اُن کا علم و فضل حد درجہ بڑھا ہوا تھا حالانکہ ابھی مسند درس پر بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُس زمانہ کے علماء اور فضلا اُن کی حدت وجودت اور کمال ذکاوت دیکھکر حیران تھے اور اُن کی روانی طبیعت اور قوت حفظ اور سرعت ادراک کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔ ابن قدامہ کہتا ہے کہ میں نے کمال حافظہ کی خبر سُن کر حلب کے ایک شیخ دمشق آئے اور شہر میں پوچھنا شروع کیا کہ کوئی بچہ احمد ابن تیمیہ یہاں رہتا ہے کہ جسکے حافظہ کا شہرہ مجھے یہانتک کھینچ لایا ہے اور اُسکے ملنے کے قصد سے اتنی منزلیں طے کر کے آیا ہوں کوئی مجھے اُسکا پتہ بتائے تاکہ میں اُسکو دیکھ سکوں

[1] ابن قدامہ ترجمہ شیخ ابن تیمیہ۔

ایک درزی نے اُنکو دیکھا اور اُنکی بات سُن کر اُنھیں بتایا کہ یہی راستہ ابن تیمیہ کے کاتبوں کے مکان کا ہے اور وہ ابھی تک ادھر سے نہیں گذرا ہے آپ ایک آدھ گھنٹہ یہاں بیٹھیے وہ آپ کے سامنے ادھر سے نکلے گا یہیں آپ کی ملاقات ہو جاے گی شیخ درزی کی دوکان پر بیٹھے ابن تیمیہ کی راہ دیکھ رہے تھے کہ درزی نے پکارا وہ دیکھو وہ جو بڑی سی بوجھ لیے ہوے ہے یہی ابن تیمیہ ہے شیخ نے ابن تیمیہ کو آوازدی اور بڑھکر اُن سے ملے پھر اُنکے ہاتھ سے وہ بوجھ لے کر گیارہ یا تیرہ حدیثیں لکھدیں اور ابن تیمیہ سے کہا کہ پڑھو ابن تیمیہ نے شیخ کے لکھتے وقت جو ایک نظر اُن حدیثوں پر ڈال لی تھی وہ اُنکے حفظ کرنے کے لیے کافی تھی چنانچہ وہ سب حدیثیں شیخ کو حفظ سُنا دیں پھر شیخ نے متعدد اسانید منتخبہ تحریر کیے اور ابن تیمیہ نے اُنھیں ایک نظر ڈال کر پہلے کی طرح حفظ سُنا دیے شیخ یہ دیکھکر بیساختہ پکار اُٹھا کہ اگر اس لڑکے نے عمر پائی تو ایک بڑی چیز ہوگا میں نے اسکے مثل کوئی نہیں دیکھا اور واقعی یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ میں نے اسکی شہرت سُنی تھی۔ (باقی آیندہ)

راغب جیلانی

ابرِ سفید

اے فلک تجھ سے ہیں اتنی دور ہم — تو سُنے کیونکر ہمارا دردِ غم
آہ میں اب میری یہ طاقت کہاں — سا سنے تیرے کرے جا کر فغاں
مدتوں سے مے نہیں ساقی نہیں — شیشہ و ساغر بھی اب باقی نہیں
تیرے قاصد اے فلک اب ہیں کہاں — برق بار و رعد یہ سب ہیں کہاں
منتیں مبکش کی کرتیں — [illegible] اثر — روے ساقی پر تو کرے اک نظر
ہاتھ اُٹھاے شیخ ہیں پر دعا — برہمن ناقوس کو ہے پھونکتا
چپ کھڑا دہقاں ہے اپنے کھیت پر — العطش چلاتے ہیں جن و بشر

تیری ہی جانب نگاہ دھر ہے — اوستم پرداز یہ کیا قہر ہے
ہاں وہ دیکھو آگیا ابرِ سفید — شادمانی کی کوئی لے کر نوید
فکرِ ابر آذر دل میں مرے — آگ دوزخ کی بجھا تسکیں دے
راحتِ قلب و جگر آرامِ جاں — قوتِ نامیۂ پیر و جواں
تشنگوں کے سر پہ ہے رحمت تری — دل میں ساقی کے محبت ہے تری
تا میسر کچھ بھی نہیں تیرے بغیر — دستِ بے باکِ خزاں کو بھی سے پھیر
روح تو نے پھونک دی گلزار میں — جان سی اک پڑ گئی اشجار میں
اوج پر بادِ بہاری کا مزاج — واہمہ سے تیز تر چلتی ہے آج
کان میں یہ کیا صبا نے کہہ دیا — غنچۂ گل کھل کھلا کر ہنس پڑا
ہر شجر ہے باغ کا نخلِ امید — کوہ و صحرا میں بھی اب آئی ہے عید
رنگ میخانہ تو کچھ آج اور ہے — رندِ مے کش کا نرالا طور ہے
بعد مدت کے ملی میکش کو مے — خم کے خم خالی ہوئے ہیں پے بہ پے
لڑکھڑاتے آرہے ہیں شیخ جی — اے برہمن تھوڑی سی لے تو بھی پی
ہاں بتا دے یہ ذرا ابرِ سفید — بھر دیے ہیں تجھ میں کیا خالق نے بھید
جس نے دیکھا تجکو وہ بے بس ہوا — آج تو خوش ہر کس و ناکس ہوا
رزق عالم کا تو ہی وقیام ہے — ہاں یہ دستِ فیض تیرا عام ہے
مال سے تو خانۂ دہقاں بھرے — موتیوں سے بحر بے پایاں بھرے
کوہ و دشت و خار پر تیرا کرم — باغ کے اشجار پر تیرا کرم
ذرۂ عنصر ہے تجھ سے بامراد — آب ہو آتش ہو یا ہو خاک و باد
شرق سے تا غرب ہے رحمت تری — چار سو عالم میں شہرت ہے تری
کس کو دنیا میں نہیں تجھ سے امید — تو ہی بتلا دے ذرا ابرِ سفید
عاشقانِ زار پر بھی اک نگاہ — ہاں ذرا ایسے کرم بھی سے الٰہ

جس کا تو ہے حکم اُس کا واسطا
ہاشمی پر بھی رہے کوثر سخا

چودھری رحم علی الہاشمی

نشاط

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

نشاط اُس مضمون کا ایک سلسلہ ہے جو پچھلے پرچہ میں بعنوان شباب شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ مضمون اک ممتاز انگریزی انشا پرداز اسکروالڈ کی مشہور تصنیف "مرقع ڈورین گرے" سے ماخوذ ہے بلکہ ادھم کی تمام تر گفتگو بڑی حد تک ترجمہ ہے اور ڈورین گرے کا دوسرا نام "نشاط" رکھا گیا ہے اس لیے شباب کے بجائے نشاط زیادہ موزوں ہوگا۔

اس موقع پر ناظرین سے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ مضمون کے بعض فقرے خالص محاورات اُردو کی معیار پر پورے نہ اُتریں۔ لیکن چونکہ مصنف کے اُن خیالات کو بجنسہٖ زبان اُردو میں ادا کرنا ہے جو کہ اُس نے کتاب مذکور کے لکھتے وقت مدنظر رکھے ہیں۔ لہٰذا وہ حضرات مجھے معذور رکھیں جو اُردو علم ادب کو ایشیائی طرز ادا تک محدود اور یورپین تخیل سے بے نیاز رکھنا چاہتے ہیں۔ ناقدین مخالفت سے عموماً اور اپنے ایک دوست محترم جن کی تنقید معاندانہ نے مجبوراً جواب دینے پر آمادہ کیا ان سے خصوصاً یہ التماس ہے کہ

حریف کاوش مژگاں خوں ریزش نہ ناہد
بدست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن

ہم اپنے دوست کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے لیکن ان کی خصوصیات سے ناظرین کو ناواقف رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارے دوست کا نام مجموعۂ متناقضات ہے یعنی ایک طرف تو منت پذیر عظمت ہے اور دوسری طرف تمت کش انکسار بھی جناب قاضی بھی ہیں اور حافظ بھی مولوی بھی ہیں اور وکیل بھی۔ لیکن ان پر

یہ الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ منت کشِ فن ادب بھی ہیں۔ قاضی اس لیے کہ خاندانِ قضاۃ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ اس لیے کہ جان صاحب اورچرکین کے دیوان حفظ ہیں۔ مولوی اسلیے کہ ڈاڑھی بہت لمبی ہے۔ وکیل اس لیے کہ مختلف اضلاع میں وکالت کر چکے ہیں۔

ادہم۔ نشاط تم میری ملاقات سے یقیناً خوش ہوگے۔

نشاط۔ بیشک۔ اسوقت تو ہوں لیکن کیا ہمیشہ رہوں گا

ادہم۔ ہمیشہ! یہ تو ایک خطرناک لفظ ہے۔ نہ محض خطرناک بلکہ مہمل بھی۔ میں اس لفظ کو سُن کر لرز جاتا ہوں۔ عورتیں اسکو استعمال کرنے کی بیحد شائق ہیں۔ ہمیشگی کی تمنا میں ہر لطف کو برباد کر دیتی ہیں۔ جذبۂ دوامی اور تلون میں صرف یہ فرق ہے کہ کون نسبتہً کچھ زیادہ دیر پا ہے۔

نشاط کی نظر اپنی تصویر پر پڑتی ہے۔ اسکو دیکھکر محو حیرت ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

نشاط۔ ارے۔ کیا یہ میری ہی تصویر ہے۔

ہارون۔ ہاں یہ تمھاری ہی تصویر ہے۔ آج تمھاری طرز نشست میں کیا شانِ عظمت اور حُسن آفرینی تھی میں تمھارا بیحد مشکور ہوں۔

ادہم۔ یہ سب صرف میری وجہ سے۔ نشاط کیا یہ جھوٹ ہے۔

نشاط کوئی جواب نہیں دیتا ہے اور تصویر کے سامنے خاموش کھڑا ہے۔ اتفاق کے مانند اسکو اپنے حُسن کا ایک نیا احساس ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے اسکو کبھی محسوس نہیں ہوا تھا ہارون کی تحسین و ستائش اسکی نظر میں محض دلکش و دوستانہ مبالغہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ ان کو سُن چکا تھا ان پر مضحکہ کر چکا تھا اور بھول بھی گیا تھا۔ لیکن اسکی طبیعت ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اسکے بعد ادہم کی نوبت آئی جس نے جوانی پر ایک حیرت انگیز لکچر اور اسکے ناتمام انگیز اختصار سے متاثر کیا۔ اس لکچر نے البتہ اس پر ایک عارضی اثر پیدا کیا تھا۔

لیکن اب وہ خود اپنی رعنائیت کے عکس کے سامنے موجود ہے۔ ادہم کی تقریر اپنی اصلی حقیقت میں اسکے پیش نظر ہے۔ ہاں ایک دن وہ ضرور آئے گا جبکہ اسکے چہرہ پر جھرّیاں پڑجائیں گی۔ اسکی بصارت میں فرق آجائے گا۔ اسکی دلربائی کو سخت صدمہ پہنچے گا اسکے بدن کی سُرخی اور بالوں کی سیاہی زائل ہوجائے گی۔ زندگی کے سال وماہ اسکے جسم کو برباد کردیں گے۔ وہ وحشتناک بدقوارہ اور بھدا ہوجائے گا"

یہ خیال آنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے اسکے قلب پر برف کی اک قاش رکھدی اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

ہارون۔ نشاط کی خموشی سے بیقرار ہوکر "کیا تم کو یہ تصویر پسند نہیں آئی۔

ادہم۔ پسند نہ آنے کی کیا وجہ۔ یہ تصویر زمانۂ حال کے فنون لطیفہ کی بہترین چیزوں میں سے ہے اسکے لیے جو تم مانگو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

ہارون۔ ادہم یہ میری ملک نہیں ہے۔

ادہم۔ پھر یہ کس کی ملک ہے۔

ہارون۔ نشاط کے سوا اور کس کی ہوسکتی ہے۔

ادہم۔ نشاط کیا ہی خوش قسمت ہے۔

نشاط۔ لیکن یہ کہنا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ میں نوضعیف۔ بدنما اور ہیبت ناک ہوجاؤنگا مگر یہ تصویر ہمیشہ جوان رہے گی۔ اس کی عمر جون کے اس خاص دن سے زیادہ کبھی نہ ہوگی کاش کہ صورت حال اسکے برعکس ہوتی۔ کاش میں ہمیشہ جوان رہتا اور یہ تصویر ضعیف ہوتی جاتی اسکے واسطے میں ہر چیز سے ہاتھ دھولوں گا۔ ہاں دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جو میں اس پر قربان نہ کردوں گا۔ میں اسکے لیے اپنی جان تک دے دیدوں گا۔

ادہم۔ ہارون یہ انتظام شاید تم کو پسند نہ آئے کیونکہ اس سے تمھاری تصویر کا حسن زائل ہوجائے گا۔

ہارون۔ اور ہم میں تمہاری اس طرز تقریر کا سخت مخالف ہوں۔

نشاط پلٹ کر ہاروں کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

نشاط۔ "مجھکو یقین ہے کہ تم اپنے آرٹسٹ کو اپنے دوستوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہو میں تمہاری نظر میں پتھر کی تصویر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بلکہ شاید اس سے بھی کم ہو"

ہارون متحیر ہو کر نشاط کا منہ تکنے لگتا ہے۔

نشاط ایسی باتیں تو کبھی نہیں کرتا تھا۔ یہ طرز گفتگو اسکی طبیعت کے بالکل خلاف ہے

نشاط۔ واقعہ یہ ہے کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری Wife اور Picture سے کم ہوں تم ان کو ہمیشہ عزیز رکھو گے لیکن مجھکو کب تک پسند کرو گے۔ غالباً اسی وقت تک جبتک میرے چہرہ پر نیلی شکن نہ پڑے گی۔ مجھ کو اب معلوم ہوا کہ اچھی صورت کے ضائع کرنے کے بعد انسان دنیا کی ہر چیز کھو بیٹھتا ہے۔ تمہاری تصویر نے یہ مجھکو سکھایا ہے۔ اور ہم بالکل سچ کہتا ہے جوانی ہی ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے"

ہاروں زرد ہو گیا اور نشاط کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "نشاط اس طرح کی باتیں مت کرو تمہارا جیسا دوست نہ آج تک مجھکو ملا ہے اور نہ آیندہ کسی کو ملے گا۔ تم کو مادی چیزوں پر رشک ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ تم ان سب سے لطیف تر ہو"

نشاط۔ میں ہر اس چیز پر رشک کرتا ہوں جس کا حسن کبھی ضائع نہ ہوگا۔ میں اس تصویر پر رشک کرتا ہوں جو تم نے کھینچی ہے۔ ہر لمحہ جو گذرتا ہے مجھ سے کچھ نہ کچھ لے اور اسکو کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے۔ کاش واقعہ اسکے برعکس ہوتا۔ کاش تصویر متغیر ہوتی رہتی اور میں ہمیشہ ایسا ہی رہتا جیسا کہ اس وقت ہوں۔ تم نے یہ تصویر کیوں کھینچی۔ ایک دن یہ مجھپر مضحکہ کرے گی اور حقارت سے دیکھے گی۔

اسکی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ ہاتھ کھینچ کر قالین پر اپنے تئیں گرا دیا اور اس طور پر اپنا منہ تکیہ میں چھپا لیا گویا کہ وہ رو رہا ہے۔

۱؎ عورت ۲؎ تصویر

ہارون۔ نہایت غضبناکی کے ساتھ۔ اوہم یہ سب تمہاری حرکت ہے۔

اوہم۔ متبسم ہو کر یہی تو اصلی اور حقیقی نشاط ہے

ہارون۔ ہرگز نہیں۔

اوہم۔ نہ ہی سہی۔ تو آخر میں نے کیا کیا۔

ہارون۔ میں اپنے دو دوستوں سے ایک وقت میں لڑ نہیں سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم دونوں نے مل کے میری بہترین صنعت کی طرف سے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی۔ میں اسکو برباد کر دوں گا۔ یہ کیا ہے۔ صرف کاغذ اور رنگ کی آمیزش۔ میں محض اسکی وجہ سے تین زندگیوں کو ناخوشگوار نہ ہونے دوں گا۔

نشاط نے اپنا منہ تکیہ سے ہٹا لیا ہے اور یہ دیکھکر کہ مصور تصویر کو چاقو سے ہلاک کرنا چاہتا ہے چیخ اٹھتا ہے خبردار ہارون۔ خبردار یہ تو ایک قسم کا قتل ہوگا اور چاقو چھین کر کمرہ کے باہر پھینک دیتا ہے۔

ہارون۔ خیر یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ آخر کار تم نے اس تصویر کی قدر کی مجھکو ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ تم اسکی قدر کرو گے۔

نشاط۔ قدر؟ میں تو اسکے لیے تم سے التجا کرتا ہوں یہ تو میری ہستی کا اک جزو ہے میں اسکو پورے طور پر محسوس کرتا ہوں۔

اب چار بجے کا وقت ہے۔ چار آئی ہے۔ نشاط۔ اوہم اور ہارون باہم متکلم اور مصروف چاء نوشی ہیں۔

اوہم۔ آج شام کو بھٹھر کیوں نہ چلیں۔ آج نہایت اچھا تماشا ہونے والا ہے میں نے آج طلعت سے اسکے ہاں کھانے کا وعدہ کیا ہے لیکن یہ وعدہ ایک قدیم دوست سے ہے میں اسکو تا روز سکتا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا اس وجہ سے نہیں آسکتا۔ یا یہ کہ تم سے وعدہ کرنے کے بعد میں دوسرے صاحب سے زبان ہار گیا۔ میرے نزدیک یہ نہایت معقول اور شوخ عذر ہوگا۔ اسمیں تامل تحیر صاف گوئی مضمر ہے

نشاط۔ میں آپ کے ساتھ تھیٹھر چلنے کو تیار ہوں۔

اوہم۔ ہارون پھر تم کو بھی چلنا پڑے گا۔

ہارون۔ میں نہیں جا سکتا۔ مجھکو اور بہت سے ضروری کام ہیں۔

اوہم۔ اچھا۔ پھر نشاط۔ ہم تم تنہا چلیں گے۔

ہاروں لب دبا کر افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوا ہٹ گیا "میں اپنے حقیقی نشاط کے ساتھ رہوں گا جو مجھ سے کبھی خفا نہ ہوگا اور ہمیشہ وفادار رہے گا۔

ادہم۔ وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا شور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جذبات کا اک مسئلہ ہے۔ اسکا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے اک نوجوان چاہتا ہے کہ وہ وفادار رہے لیکن نہیں ہوسکتا۔ اک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بیوفائی کرے لیکن نہیں کرسکتا بس یہ ہے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہا جاسکتا ہے۔

نشاط۔ بہت دیر ہوگئی۔ اب میں جاتا ہوں۔ سلام علیک ہارون و ادہم۔

ادہم۔ میں بھی چلتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چل سکتے ہو میری گاڑی باہر کھڑی ہے میں تم کو مکان پر اتار دوں گا۔ نشاط یہ سہ پہر بھی کیا دلچسپ سہ پہر تھا۔

نشاط اور ادہم کے چلے جانے کے بعد ہارون صوفہ پر لیٹ گیا۔ اسکے چہرہ پر آثار ملال نمایاں تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے رات کا وقت ہے۔ مسز حامد کے یہاں دعوت ہے۔ نشاط ادہم۔ مسز انور اور مولوی عجمت اللہ زمرۂ مہماناں میں نمایاں نظر آتے ہیں کھانا ختم ہوچکا ہے۔ مسز حامد ادہم کو یوں مخاطب کرتی ہے۔

مسز حامد۔ ادہم تم نے میرے یتیم خانہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

ادہم۔ میں ہر چیز سے ہمدردی کرسکتا ہوں بجز تکلیف کے۔ میں تکلیف سے ہرگز ہمدردی نہیں کرسکتا۔ وہ بہت ہی بدنما بہیت ناک اور مکلف ہے زمانۂ حال کی ہمدردی آلام میں عنصر صحت کی آمیزش نہیں۔ یہ ایک مریضانہ کیفیت دماغی ہے۔ اک شخص رنگ۔ حسن اور مسرت زندگی سے ہمدردی کرسکتا ہے۔ مصائب حیات کا ذکر جتنا کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

مسز انور۔ مسز حامد جب مجھ سے یتیم خانہ کے متعلق باتیں کرتی تھی تو مجھکو شرمندہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ مجھکو اسکے یتیم خانہ سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن آج سے میں بغیر کسی انفعال کے باتیں کرسکتی ہوں

ادہم۔ مسز انور جلس لطیف میں انفعال ہی تو اک موزون و دلآویز چیز ہے۔

مسز انور۔ ایام جوانی میں نہ کہ عالم ضعیفی میں۔ ادہم کیا تم مجھکو بتا سکتے ہو کہ وہ بارہ

جوان ہونے کا راز کیا ہے۔

اوہم کچھ دیر تک سوچتا رہا اسکے بعد تبسم ہو کر پوچھا۔

"مسز انور تم کو کچھ یاد ہے کہ تم نے اپنی عمر میں کبھی کوئی بہت بڑی غلطی کی ہو۔

مسز انور۔ بہت سی۔

اوہم۔ پھر انکا ارتکاب کرو۔ شباب کو دوبارہ حاصل کرنا محض اپنی حماقتوں کا اعادہ کرنا ہے۔

مسز انور۔ کیا مزے کی ہمیشری ہے میں اس پر ضرور عمل کروں گی۔

مولوی حجت اللہ۔ یہ ایک نہایت خطرناک نظریہ ہے۔

اوہم۔ مولوی صاحب واقعہ یہ ہے کہ یہ تہیشری زندگی کے اسرار غیبیہ میں سے ہے۔ آجکل لوگ ہوشیاری اور دانائی کے پیچھے جان دیے دیتے ہیں لیکن یہ عقل کہ جس چیز کا انسان کبھی افسوس نہیں کرتا وہ صرف اسکی گذشتہ حماقتیں ہیں اُن کو اُس وقت آتی ہے جب کہ ان میں خود قابلیت ارتکاب باقی نہیں رہتی۔

میز کے گرد ایک قہقہہ کی آواز گونج گئی۔

اوہم اس خیال کے ساتھ کھیلتا ہے اور اس پر تکرار کرتا ہے۔ اسکو ہوا میں اُچھالتا ہے اور اور پھر ہاتھ میں لے کر اسکی برزخ کو بدل دیتا ہے۔ اسکو چھوڑ دیتا ہے اور پھر گرفتار کرلیتا ہے ذہائر تخیل سے کام لیکر اس طائر خیال کے بازو میں شوخیوں کے پر لگا دیتا ہے۔ تحسین حماقت رفعت فلسفہ پر پہنچ جاتی ہے پیر فلسفہ خود ایکبار جوان ہو جاتا ہے اور طرب کے نغمۂ دلربا سے مسرور اور جامۂ رندی و خرابا تی سے مبرہن ہو کر لباس تقشف کو نذر گل افشان کر دیتا ہے۔ کبھی بکیس[1] کے مانند البرز حیات پر رقصان۔ کبھی فیثا غورث اور فلاطون کے زہد یا بس پر طعنہ زن اور کبھی دیوی دیوی نغمہ سے حالت مستی میں یوں سرگرم خطاب ہوتا ہے ؎

چو در دست ست رودے خوش مزن مطرب سرودے خوش ۔ کہ دست افشاں غزل خوانیم و با کوباں سرانداز یم

واقعیت اسکے سامنے سے بھاگ جاتی ہے کبھی دانائے خیام کی کرسی عظمت کا طواف کرتا اور اس کے پایۂ رنگین کو چومتا ہے اور کبھی قلندر مشرب میں وفور مسرت سے غوطہ لگاتا ہے یہانتک کہ اُس کا چہرہ فرط غم سے گلفشاں ہو جاتا ہے۔

یہ اک غیر معمولی بدیہ آفرینی اور برجستہ خیالی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ نشاط کی آنکھیں برابر اسی کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں اور یہ ادراک کہ سامعین میں ایک شخص ایسا ہے

[1] شراب کی دیوی۔

جس کی طبیعت کو وہ مسخر کرنا چاہتا ہے اسکی ظرافت میں شوخی اور اسکے تخیل میں رنگ پیدا کرتا تھا۔ وہ غیر ذمہ دار۔ شوخ۔ اور فضا و تخیل میں طیراں تھا۔ وہ اپنے سامعین کو اپنی دلاویزی اور رنگیں بیانی سے خود فراموش کر دیتا تھا سب اس کے نغمہ کو تبسم کناں سنتے تھے نشاط نے اپنی نگاہ اسکی طرف سے مطلق نہ ہٹائی بلکہ اک شخص مسحور کے مانند بیٹھا رہا اسکی آنکھوں میں تحیر پیدا اور لبوں پر تبسم نہاں کے آثار آشکارا تھے۔

آخر کار وا قعیت لباس عمر پہنے ہوئے ملازم کی شکل میں گرہ کے اندر نمودار ہوئی اور مسز انور کو معلوم ہوا کہ اسکی گاڑی آگئی ہے۔

مسز انور دست افسوس مل کر اپنے شوہر کی نا وقت تکلیف دہی پر خشمگین ہوتی ہوئی رخصت ہوئی۔

مسٹر ادہم آپ تو نہایت مزہ دار آدمی ہیں کسی نہ کسی دن شام کو میرے یہاں دعوت کیوں نہ قبول کیجیے۔ اچھا منگل کی شب منگل کو آپ کو فرصت ہے۔

ادہم ۔ تمھارے لیے میں ہر شخص کو چھوڑ سکتا ہوں۔

مسز انور۔ خیال تو خوب ہے لیکن غلطی پر مبنی ہے اچھا تو ہمکا خیال ضرور رکھیے گا۔ وعدہ فراموشی نہ ہونے پائے

مولوی حجت اللہ۔ جناب ادہم۔ آپ تو غضب کے آدمی ہیں کتاب کی کتاب بول جاتے ہیں اک کتاب لکھتے کیوں نہیں۔

ادہم۔ مجھکو کتابوں کے پڑھنے کا اسقدر شوق ہے کہ لکھنے کی پروا نہیں لیکن میں اک ناول ضرور لکھونگا ایسا خوشنما جیسے قالین ایرانی اور ایسا ہی حقیقی لیکن مجھکو کوئی ادبی پبلک نہیں ملتی۔

حجت اللہ۔ جناب ادہم آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں مجھکو بھی ادبی تمنائیں ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اقیانوس ادب میں شناوری اور غواصی کے ارادے تھے لیکن اسی خیال سے میں مدت عرصہ ہوا ان کو ترک کر دیا۔

ادہم ہنستا ہوا اٹھتا ہے اور پارک جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ دروازہ سے باہر نکل رہا ہے کہ اتنے میں نشاط کا ہاتھ اس کے شانہ پر پڑتا ہے۔ میں بھی آپکے ساتھ چلونگا لیکن جو وعدہ کیجیے کہ آپ راستہ بھر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے چلینگے۔ آپکی سی حیرت انگیز باتیں تو کوئی نہیں کرتا

ادہم۔ تبسم ہو کر آج کے لیے میں کافی باتیں کر چکا۔ اب میں منظر حیات کو دیکھنا چاہتا ہوں تم بھی جی چاہے چلو اور میرے ساتھ نظارہ حیات میں مصروف ہو۔ **آرٹسٹ**

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ کی کنیت ابو المغلّس اور لقب فلحاء تھا اور دونوں میں اُسکی بدصورتی ملحوظ تھی سیاہ فام ہونے سے ابو المغلس کنیت پڑی اور حبشیوں کی طرح موٹے اور شگافتہ ہونٹوں کے باعث فلحاء لقب قرار پایا۔

بنی تغلب سے ایک کامیاب لڑائی لڑا تو شریح تغلبی نے اپنے ایک شعر میں اسکی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا لقب ذکر کیا ہے۔

وعنترۃ الفلحاء جاء مُلأمًا کانہ فِنْد من عَمایۃ اسودُ

یعنے عنترۃ الفلحاء نے زرہ پوش ہو کر جب میدان کارزار میں قدم رکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جبل عمایہ کا ایک بہت بڑا کالا ٹکڑا سامنے آگیا۔

اسکی ماں زبیبہ نامی ایک حبشن کنیز تھی جسکو اس کے باپ نے کسی لڑائی میں حاصل کیا تھا۔ ماں کی طرف سے اس کے چند بھائی تھے اور سب غلام اپنے کلام میں ایک جگہ کہتا ہے۔

یقدمہٗ فتیٌ من ال عبس اخوہ وامہ من نسل حام

گھوڑے کو بنی عبس کا وہ جوان بڑھا رہا ہے جس کی ماں اور بھائی حام ابن نوح کی نسل سے ہیں۔ چونکہ حبشی حام کی نسل سے تسلیم کیے گئے ہیں اسلیے عنترہ نے اپنے مادری نسب کو اس پیرایہ میں ظاہر کیا۔

ماں کی سیاہی نے بیٹے میں اثر کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عنترہ بالکل حبشی بچہ معلوم ہوتا تھا اس لیے عرب والے اُس کو سیہ فامی پر طعنہ دیا کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر خود کہتا ہے۔

یعیبون لونی بالسواد جھالۃ ولولا سواد اللیل ما طلع الفجر
وان کان لونی اسود افخصائلی بیاض ومن کفی یستنزل القطر

لوگ اپنی جہالت سے میری سیاہ فامی کو بُرا سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر رات کی سیاہی نہ ہوتی تو کبھی صبح نمودار نہ ہوتی اگرچہ میرا رنگ کالا ہے لیکن میرے خصائل تو اچھے ہیں اور میرے ہاتھ داد و دہش میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے منچلے شاعر نے اپنے پہلے شعر میں تو بالکل شاعرانہ استدلال کیا ہے لیکن ہاں دوسرے شعر سے اپنے طعنہ زنوں کی زبانیں بند کردیں کیونکہ ہمیشہ خوش سیرتی بدصورتی کے عیوب کو نظر انداز کرا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم بھی آج عرب کے ایک کالے کوّے کی بدصورتی سے قطع نظر کرکے اُس کے محاسن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ عرب کے تین کالے کوّے مشہور ہیں۔ عنترہ۔ خفاف سلیک اور تینوں میں اُن کی مادری سیاہی نے اثر کیا۔

عرب کی کثرت طعنہ زنی سے مجبور ہو کر ایک جگہ اور کہتا ہے۔

لئن انک اسود فالمسک لونی وما السواد جلدی من دوائہ
ولکن تبعد الفحشاء منی کبعد الارض من جو السماء

مانا کہ میں کالا ہوں لیکن کوئی ہرج نہیں کیونکہ مشک ایسی عمدہ چیز کا رنگ میرے رنگ کے موافق ہے ماورا اسکے میری اس سیاہ فامی کا کوئی علاج بھی نہیں لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میری سیرت اسقدر اچھی ہے کہ بُری باتیں مجھ سے اُسی قدر دور ہیں جتنا کہ زمین آسمان سے۔

یہاں بھی عنترہ کا طرز استدلال پہلا سا ہے لیکن اتنی زیادتی ہے کہ اپنی بدصورتی کے دفعیہ پر لاچاری کا اظہار بھی کر رہا ہے ساتھ ہی اس کے دونوں جگہ اپنے حسن سیرت

غرور میں اپنی بدصورتی کے عیب کو قابل توجہ نہیں سمجھتا۔

اعراب جاہلیت کا دستور تھا کہ کنیز سے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اُسکو غلام بنا لیتے تھے اگر شرافت و نجابت کے آثار اُس میں پائے تو اپنا لڑکا تسلیم کرکے آزاد کر دیتے تھے ورنہ اُسی طرح غلام بنائے رکھتے تھے۔

عنترہ بھی اُن کی اس رسم کا شکار رہا چنانچہ ابتداءً اُسکے باپ نے اُس سے انکار کیا اور محض اس وجہ سے اُس کو اپنا لڑکا نہیں ظاہر کیا کہ وہ لونڈی کے پیٹ سے تھا لیکن بعد کو وہ اپنی جوانمردی اور ہنرمندی سے خاندان عبس کا ایک رکن اور مایا فخر و ناز تسلیم کیا گیا۔

چنانچہ ابتداءً عنترہ اپنے باپ کے پاس غلاموں کی زندگی بسر کرتا تھا اور ایک زمانہ تک دوسرے غلاموں کے ساتھ اونٹ چراتا رہا۔ باوجودیکہ وہ اپنے اس کام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن مجبور تھا کچھ نہ کر سکتا تھا آخرکار وہ زمانہ آیا کہ جس میں عنترہ بنی عبس میں ستارہ ہو کر چمکا۔

عرب کے بعض قبائل نے بنی عبس پر حملہ کر دیا سیکڑوں مردوں کو قتل کیا اور صدہا عورتوں کو گرفتار کر لیا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ عبس والوں نے لاکھ کوشش کی لیکن دشمن پر غالب نہ آ سکے۔ عنترہ الگ کھڑا یہ سب تماشا دیکھا کیا کیونکہ وہ بنی عبس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اتفاقاً عنترہ کا سامنا اُسکے باپ سے ہو گیا اُس نے عنترہ کو خطاب کرکے کہا کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر عنترہ نے جواب دیا میں غلام ہوں حملہ کرنا کیا جانوں میں تو اونٹنیوں کا دودھ دوھنا اور اُنکے تھنوں کا باندھنا خوب جانتا ہوں باپ نے کچھ گھبراہٹ میں اور کچھ اپنی غرض سے کہدیا کہ ارے حملہ کر تو آزاد ہے تجھکو غلام کون کہتا ہے۔ بس پھر کیا تھا عنترہ اپنے باپ سے یہ خوشخبری سُن کر ایسا مست ہوا کہ اُسکی شجاعت دونی ہو گئی حریف کیلئے

خون نے رگ وپے میں دوڑنا شروع کیا اپنے قبیلہ کو جمع کرکے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ عنترہ نے تعاقب شروع کیا صدہا مردوں کو قتل کردیا اور بکثرت عورتوں کو قید کرلیا اپنا تمام مال ومتاع مع اموال غنیمت کے واپس لیا ایسی زبردست اور نمایاں فتح حاصل کی کہ اُسی وقت سے تمام عرب میں نام ہوگیا باپ نے جب دیکھا کہ ایک ہزیمت خوردہ اور منتشر فوج نے کہ جس کے دل ٹوٹ چکے تھے عنترہ کی ماتحتی میں ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ جنگ کا رنگ بالکل بدل دیا کہاں وہ مدافعانہ کارروائی اور کہاں عنترہ کے جارحانہ حملے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کہاں وہ پہلی شکست اور کہاں عنترہ کی فتح وظفر" تو اُسکے دل میں عنترہ کی وقعت ومحبت پیدا ہوئی اور اُس نے تمام قبیلہ کے روبرو نہایت فخر کے ساتھ اُسکے فرزند ہونے کا اقرار کیا اور اُسی وقت سے عنترہ نے خاندان عبس کے ایک رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا شروع کی۔ بعض مورخین عنترہ کے خاندان عبس میں شریک ہونے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ بنی عبس نے قبیلہ طے کے لوگوں پر حملہ کرکے اُن کا مال واسباب اور جانور سب لوٹ لیے عنترہ بھی اس موقع پر بنی عبس کا شریک تھا۔ لوٹ مار کے بعد جب تقسیم کرنے بیٹھے تو سب نے مل کر عنترہ سے کہا کہ ہم تم کو اپنے حصوں کے برابر حصہ نہ دیں گے کیونکہ تم غلام ہو اس میں بات بڑھی اور نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ طے والوں نے موقع پاکر ان پر حملہ کردیا عنترہ یہ کہکر الگ ہوگیا کہ تم اُن سے تعداد میں کم نہیں ہو خود سمجھ لو میں کچھ نہیں جانتا طے والوں نے ان کو مار مار کر اپنے تمام اونٹ واپس لے لیے اور یہ عنترہ کے کم ہوجانے سے اُن کا کچھ نہ بنا سکے۔

عنترہ کے باپ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ سب کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے تو چلا کر کہا اے عنترہ کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر اُس نے جواب دیا کہ میں غلام ہوں

لڑنا کیا جانوں۔ باپ نے کہا غلام کوئی اور ہوگا تو آزاد ہے حملہ کر۔
عنترہ نے یہ خوشخبری سُن کر نہایت بے جگری سے حملہ کیا اور پھر تمام اونٹ بنی ملے سے چھین لیے۔ اب کیا تھا باپ اُسکے نسب کا اقرار کر چکا تھا اُسکو بھی سب کے برابر حصہ ملا اور اُسی وقت سے عنترہ خاندان عبس میں شریک کر لیا گیا۔
عنترہ کی اس ابتدائی غلامانہ بسر اوقات کے بعد اُسکی زندگی کا وہ روشن اور کامیاب حصہ شروع ہوتا ہے کہ جس میں بجز جنگ و جدال اور الفت و محبت کے کچھ نہیں نظر آتا چنانچہ اُسکا تمام کلام انھیں دو باتوں سے بھرا ہے اور وہ بھی اس طرح باہم مخلوط ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔
اُسکے عاشقانہ جذبات اور جنگ و جدال کے مختلف حالات پر بین تنقید کلام کے وقت نظر ڈالوں گا فی الحال دیگر دلچسپ واقعات اور اُسکے عشق کے اجمالی سلسلہ کو بیان کر کے اس نمبر کو ختم کرتا ہوں۔
عنترہ خاندان عبس میں داخل ہونے کے بعد اپنے چچا مالک کی بیٹی عبلہ پر عاشق ہو گیا اور اکثر اپنے کلام میں اُسکا تذکرہ کیا ہے بلکہ کوئی قصیدہ عبلہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ مالک اپنی خوبصورت لڑکی کو اسکی بدصورتی کے باعث اسکے ساتھ بیاہنا نہیں چاہتا تھا۔ بہت ٹالا لڑکی کو ہمراہ لے کر مارا مارا پھرا لیکن عنترہ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ عنترہ کے فراق کے زمانہ میں مختلف لوگ عبلہ پر عاشق ہوئے لیکن کوئی کامیاب نہ ہوا اور آخر کار عبلہ عنترہ ہی کے عقد میں آئی۔
خود عبلہ عنترہ کو پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

وان عابت سوادی فهو فخری لانی فارس من نسل حام

اگر وہ (عبلہ) میرے سیاہ فام ہونے کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ میرے لیے باعث فخر ہے کیونکہ میں اولاد حام کا ایک شہسوار ہوں۔

دوسرے موقع پر اُس کی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

ضحکت عبیلۃ اذ رأتنی عاریا خرق القمیص وساعدی مخدوش

میری پھٹی ہوئی قمیص اور زخمی کلائی کو ننگا دیکھکر عبلہ ہنس پڑی۔

عنترہ ظہور اسلام سے سات سال قبل نوے برس کی عمر میں قتل کر دیا گیا اور عبلہ بھی اُسکے بعد تھوڑے ہی زمانہ تک زندہ رہی۔

اغانی میں ابن عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عنترہ کا یہ شعر پڑھا

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ حتی انال بہ کریم المأکل

یعنے میں نے کئی کئی راتیں اور دن اسی انتظار میں فاقہ سے گذار دیے ہیں کہ کریمانہ طور سے کچھ کھانے کو ملے تو کھاؤں۔

اور فرمایا کہ عنترہ کے علاوہ کسی اور اعرابی کا ذکر سُن کر مجھکو اُسکے دیکھنے کا شوق نہیں پیدا ہوا۔

اغانی میں مذکور ہے کہ عنترہ سے کسی نے پوچھا کیا تم تمام عرب میں سب سے زیادہ بہادر اور زبردست ہو اُس نے جواب دیا کہ نہیں اُس شخص نے کہا کہ آخر پھر تم اسقدر مشہور کیوں ہو عنترہ نے جواب دیا کہ میں قاعدہ اور قرینہ سے لڑتا ہوں اگر پیش قدمی کا موقع دیکھتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں اور اگر دیکھتا ہوں کہ یہاں رکنا مناسب ہے تو رُک جاتا ہوں خواہ مخواہ آگے بڑھ کے ہلاکت میں نہیں پڑتا اور کسی ایسی جگہ نہیں جاتا کہ جہاں سے نکلنے کا راستہ پہلے ہی سے میں نے نہ دیکھ لیا ہو۔ بہادر اور بزدل میں بہت جلد تمیز کر لیتا ہوں اور پہلے کمزور کو مار کے بہادر کے دل پر اپنا رعب جما لیتا ہوں پھر اُسکو بھی آسانی سے مار لیتا ہوں۔ (باقی آیندہ)

الیاس قریشی

حالتِ قوم

کچھ خبر ہے تمھیں اسلام کی حالت کیا ہے — کیسے اعمال ہیں افعال ہیں عادت کیا ہے
ہیں بُرے آپ زمانے کی شکایت کیا ہے — دل میں سوچو تو سہی قوم کی غیرت کیا ہے
مست و مدہوش بدل شاد نظر آتے ہیں
میکدے آپ سے آباد نظر آتے ہیں

شوکت و حشمت و اجلال کی تابش ہی نہیں — عقل کیا خاک بڑھے علم کی خواہش ہی نہیں
زندہ اقوام میں اس قوم کی پرسش ہی نہیں — کوئی سُنتا دلِ نالاں کی گذارش ہی نہیں
ایک بھی اپنے بزرگوں کی نہیں خو ہم میں
ہاں ابھی تک ہے امیری کی رہی بو ہم میں

گردشِ چرخِ ستمگر نے دکھایا نیرنگ — حوصلے پست ہوئے جوش نہ ہمت نہ اُمنگ
حسرت و یاس و تمنا نے کہ ہے دل تنگ — کوئی غمخوار ہے اپنا نہ کوئی ہم آہنگ
دن مصیبت کے بسر کرتے ہیں گمنامی میں
موت بھی پاس پھٹکتی نہیں ناکامی میں

باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت کھودی — صاحب حشمت و اجلال تھے غیرت کھودی
تیسرے عالم میں حکومت تھی حکومت کھودی — وہ فصاحت وہ بلاغت وہ فضیلت کھودی
عدل و انصاف کی دنیا میں ترازو ہم تھے
کون حکمت میں ارسطو تھا ارسطو ہم تھے

اہلِ یونان کو تہذیب سکھائی ہم نے — ملک جاپان کو تادیب سکھائی ہم نے
روم میں فوج کی ترتیب سکھائی ہم نے — بزم میں عیش کی ترکیب سکھائی ہم نے
اہلِ صنعت ہمیں اُستاد کہا کرتے تھے
فرسٹ یورپ کی نمائش میں رہا کرتے تھے

پہلے تہذیب و تمدن کی نشانی ہم تھے — منبعِ چشمۂ صد فیض رسانی ہم تھے

نظم میں نثر میں اعجاز بیانی ہم تھے دہر میں اہلِ زباں اہلِ معانی ہم تھے
اب وہ پہلے کی نہیں ایک بھی عادت ہم میں
ہے شرافت نہ فضیلت نہ حمیت ہم میں

اہلِ اسلام کے آئے ہیں بُرے دن ازحد میل آپس میں نہیں پھیل گیا بغض و حسد
ہائے اپنوں سے بھی ہوتی نہیں اپنوں کی مدد محسن الملک جہاں میں ہے نہ سید احمد
مر گئے قوم ترے ناز اُٹھانے والے
بیکسوں کے لیے آواز اُٹھانے والے

یوں تو بدلے ہیں زمانے نے ہزاروں فیشن اپنی تقدیر کے پیچوں میں وہی ہے الجھن
سارے مفقود ہوئے اُنس و محبت کے چلن بھائی سے بھائی کی نکلا رعداوت ان بن
نام نیکی کا نہیں دل میں بدی آئی ہے
کیسی ادبار و نحوست کی صدی آئی ہے

نازنینوں کی ملاقات کے دلدادہ ہیں جلوۂ بزم خرابات کے دلدادہ ہیں
رندِ بدمست ہیں برسات کے دلدادہ ہیں ناچ کا شوق ہے ہر بات کے دلدادہ ہیں
رہنہ اندازیاں غمازیاں سب آتی ہیں
راستبازی کے سوا بازیاں سب آتی ہیں

چھا گیا قوم میں اندھیر سیہ کاری سے حال برباد ہے افلاس سے ناداری سے
عقل چکر میں رہی روز کی میخواری سے عشق بازوں کو نہیں چین دلِ انگاری سے
کیوں نہ پستی میں ہوں اقبال مسلمانوں کے
قابلِ شرم ہیں اعمال مسلمانوں کے

اور قوموں کو ترقی ہے تنزل ان کو لاسکا راہ پہ قندھار نہ کابل ان کو
دیکھتا ہے نگہِ قہر سے ہر گل ان کو چھیڑتے رہتے ہیں گلزار میں بلبل ان کو
عزت و حرمت و تعظیم کو کھو بیٹھے ہیں
جب سے قرآن کی تعلیم کو کھو بیٹھے ہیں

دل کے ارمان نکالے سے نکل بھی نہ سکے اور قسمت کے نوشتہ کو بدل بھی نہ سکے

آنسوؤں کی طرح دامن میں مچل بھی نہ سکے ایسے نظروں سے گرے ہم کہ سنبھل بھی نہ سکے
خاک سے اپنے یتیموں کو اُٹھایا نہ گیا
تھپکیاں دے کے کلیجے سے لگایا نہ گیا

بجلیاں دل پہ گراتا ہے بلکنا ان کا اپنے ماں باپ کی فرقت میں بھٹکنا انکا
دردمندوں کی طرف یاس سے تکنا ان کا تھام کر دامن امید ٹکنا ان کا
ہائے کملائے ہوئے پھول سے چہرے انکے
گرد آلودہ ہوئے دھول سے چہرے انکے

قوم کی گود سے ہوتے ہیں جدا وائے نصیب سرپرست ان کا کوئی ہے نہ معلم نہ ادیب
حیف کرتے ہیں گذر بھیک کے ٹکڑوں پہ غریب کون امداد کرے کون سکھائے تہذیب
رحم کہتا ہے کلیجے سے لگا لو ان کو
دُرِّ نایاب ہیں دامن میں اٹھا لو ان کو

اپنے انجام پہ اب غور کرو غور کرو کامرانی کا نئے سر سے کوئی طور کرو
کام اس وقت تمھیں چاہیے فی الفور کرو ساری دنیا میں تجارت کے لیے دور کرو
گو سلف کی سی نہیں شان مسلمانوں میں
پھر بھی باقی ہے ابھی جان مسلمانوں میں

نوجوانوں میں اگر جوش حمیت آئے قوم کے نام پہ ہر شخص کو غیرت آئے
علم کے نور سے اخلاق و محبت آئے آپ گھر پر پھر اسلام کا دولت آئے
نیّر حشمت و اقبال چمکتا ہی رہے
اختر بخت زمانے میں دمکتا ہی رہے

اے خلیق جگر افگار و حامانک بے آج رحمتیں چھائیں ہیں بدلا ہے زمانے کا مزاج
اہل اسلام کو حاصل ہو جہاں میں معراج ساری قوموں کی بنے قوم ہماری سرتاج
علم و دولت کی ترقی ہو مسلمانوں میں
پھول اخلاق کے کھل جائیں مسلمانوں میں

خلیق دہلوی

غزلیات

(جناب سید محسن علی خاں صاحب آہر لکھنوی ڈپٹی معیار)

ورد شکووں میں بس اب کیا دل ناشاد بھرے — نالہ وہ کھینچے لہو سے لب فریاد بھرے
امتحانِ عشق میں اب صبر و رضا کا ہے ختم — حوصلہ نکلیں وہ سب جتنے ہوں بیداد بھرے
جب یہ ہو تنگ قفس جب ہو یہ روحانی قید — سانس پھر کیا کوئی بے مرضیِ صیاد بھرے
کوئی قاتل سے یہ بسمل کی تمنا کہدے — اور دو ہاتھ وہی زورِ خداداد بھرے
ہاں سرِ حشر ہوں صف بستہ ستمگر اک سمت — شکوہ سنج آتے ہیں اب دامنِ فریاد بھرے
دادخواہ آج بس اتنا ہوں میں اے مالکِ حشر — اک دمِ سرد ہی مجھ پر کوئی جلا دبھرے
تیرے ہے تیرے اب تو کسی سائل کی سد — اور کیا زورِ اثر اک دلِ ناشاد بھرے
کوہ و صحرا میں وہ سب لالہ پر داغ بنے — جتنے ذرات تھے خونِ سرِ فرہاد بھرے
دمِ تسلیم و رضا یوں ہو تقرب حاصل — دیکھکر مجھ کو ہر اک دل میں تری یاد بھرے
مٹ چلے مٹ چلے سب نقشِ دنگارِ ہستی — ہاں نئے رنگ پھر اب عالمِ ایجاد بھرے

رگِ سودا کی دھمک آہر ہے نشتر کے خلاف
نہ دمِ چارہ گری آج سے، فصاد بھرے

حضرت حسرت سوہاوی)

حائل تھی بیچ میں جو رسائی تمام شب — اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب
کی یاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب — تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب
چھیڑی تو ختم کر نہ سکے آرزو کی بات — ہر چند ہم نے ان کو سنائی تمام شب
بیباک ملتے ہی جو ہوے ہم تو شرم سے — آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کس خیال سے — کرتے رہے عدو کی بڑائی تمام شب
پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑکنے ہاتھ — دکھتی رہی جو اُن کی کلائی تمام شب

حسرت سے کچھ وہ آتے ہی ایسے خفا ہوئے
پھر ہو سکی نہ اُن سے صفائی تمام شب (بقلم امید انصاری جرات)

جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

ہوا جذب اُنھیں کھینچ لائے گا گھر سے — یہ کب امید تھی بھولے ہوئے مقدر سے
شہید کون ہوا قتلگہ میں خنجر سے — لہو جو رو نہ سکا تلوار چشم جوہر سے
بلائے جاں ہے بخیلوں کے واسطے دولت — ہلاک ہو گیا قارون کثرت زر سے
وہ دو گھڑی جو عیادت کو میری آئے تھے — ابھی تک آتی ہے بوئے عروس بستر سے
مٹے نہ سوز دل آہ سرد سے یارب — یہ شمع بزم نہ ٹھنڈی ہو باد صرصر سے
غم فراق سے کیوں دل نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو — کہ چور چور ہو شیشہ لڑے جو پتھر سے
جگر میں زخم کوئی پڑ گیا نیا شاید — لہو ٹپکتا ہے ہر وقت دیدۂ تر سے

جواب نامہ بھیجا یہ یار نے عشرت
بہت خجل میں ہوا اپنے قلب مضطر سے

حضرت قلب بدایونی

عیش آزادی کے منظر کی ہوس کب تک کریں — اے اجل فریاد پابند قفس کب تک کریں
کھل گیا اُن شوخ نظروں کا تبسم کھل گیا — زخم پنہاں کا رفو تار نفس کب تک کریں
باغ میں صیاد آیا تھا تو سمجھے میہماں — اب گلہ قسمت کا ہمراں قفس کب تک کریں
دامن جاں اور شمیں آتش یاقوت دل — رحم اے دزد حنا ضبط نفس کب تک کریں
ہر نظر ہے بے پر و بالی میں اپنا مرثیہ — دیکھنا ہے وار کیا کرتی قفس کب تک کریں
ہر خراش ہے دست حسرت ہر نفس ہے سینہ کوب — ماتم دل اس طرح اے ہم نفس کب تک کریں

عمر گذری سوز غم سے شمع دل ہے شعلہ ریز
رہا خب اُن کی بزم عشرت کی ہوس کب تک کریں

جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی

شبِ غم آنکھ لگ جاتی تو پھر دیدار ہو جاتا
وہ آتے خواب میں طالع مرا بیدار ہو جاتا

اگر ہم سے مقدس اتنیں بادہ خواریاں کرتے
تو جائے ذکر ہو حق خانہ خمار ہو جاتا

نہ رکھتا میں اگر اپنے دل و دیدہ میں پوشیدہ
تو عالم محو دیدار جمال یار ہو جاتا

نقاب اُٹھتی تو ستر آنکھوں سے لاکھوں اُٹھتیں
وہ اک عالم کو غافل کر کے خود ہشیار ہو جاتا

مصیبت ہی اُٹھانی تھی تو مر کر کیوں اُٹھائی تھی
نہ ہوتا عشق جاہے اور کچھ آزار ہو جاتا

اب آخر اس سے کیا سمجھوں کہ دیکھا جائے گا دیکھو
یہ بیچینی ہی کیوں ہوتی اگر انکار ہو جاتا

نظر تجھ پر اگر دیوانۂ وحشت جنوں کرتے
تو پھر آباد تو اے دامنِ کہسار ہو جاتا

میں اک لذت شناس بیخودی عشق ہوں ورنہ
یہ ایسی بات ہی کیا تھی کہ میں ہشیار ہو جاتا

جو گرتا بھی تو بن کر آسمان حسن کا تارا
اگر اے اشک تو عرقِ جبینِ یار ہو جاتا

وہ شاید آ ہی جاتے پرسش حالِ اُحباں کو
کچھ ایسی مجھ پہ آ بنتی کہ میں بیمار ہو جاتا

اگر موقع تری طاعت کا دیتی گنہگاری
تو بخشش کا سہارا اے مرے غفار ہو جاتا

اب آنکھوں میں سمانے سے میں کیونکر دیکھ لوں تم کو
جو پردوں سے نکل آتے تو پھر دیدار ہو جاتا

نہ ہوتی میرے قاتل کی نظر میں یہ اگر آفت
تو پھر میں اپنی جان زار سے بیزار ہو جاتا

جناب مرزا محمد وصی علی خاں صاحب وصفت لکھنوی

آسماں ٹھہر گیا رنگ جہاں کا ٹھہرا
واے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

اللہ اللہ وہ بیتابیِ دل بعد فنا
ایک جا بھی نہ مری خاک کا ذرا ٹھہرا

جوششِ عشق کی تشریح شہادت نے جو کی
رگ جاں میں نہ کوئی خون کا قطرا ٹھہرا

شعلۂ حسن ہوا باعث توہین حجاب — جذب کامل ہوا جس وقت نہ پردا ٹھہرا
قطع ہر گز نہ ہوا سلسلۂ بیتابی — دل جو ٹھہرا تو نہ پہلو میں کلیجا ٹھہرا
طور پر لے گئی تھی دل کی کشش اے موسیٰ — کہیے تو حسن محبت میں بھلا کیا ٹھہرا
میرا رہ رہ کے تڑپنا وہ الٰہی توبہ — چشم ہر ذرۂ مشہد کو تماشا ٹھہرا
اثر عشق نے کی ضعف میں راحت طلبی — رگ ہر سنگ میں خون سر سودا ٹھہرا
ہائے تحریک محبت کا برا ہو یارب — کم ہوا درد مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا
کس سے ناکامی قسمت کی شکایت کیجیے — غرق دریا ہوا جب میرا سفینا ٹھہرا

درد میں ہو گئی گو سعی سے تخفیف اے وصف
وائے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

جناب کشوری لال صاحب قمر لکھنوی ایڈیٹر انوار قمر

کر کے زخمی دل جگر آخر پشیماں ہو گئیں — خود وہ نظریں چشم کے گوشہ میں پنہاں ہو گئیں
حال کی میرے رعایت کی تری لفظوں نے بھی — دیکھکر تیری پریشانی پریشاں ہو گئیں
قتل عاشق کے لیے لائے تھے جنکو کام میں — پیٹھ کر دل میں وہی نظریں رگ جاں ہو گئیں
جن کے سودے نے پریشاں ہمکو رکھا تا بہ زیست — آج ماتم میں وہی زلفیں پریشاں ہو گئیں
وہ لٹیں بکھری ہوئی شانوں پہ زلف یار کی — اور بھی میری پریشانی کا ساماں ہو گئیں
مدتوں بزم حسیناں میں مرا ماتم رہا — سیکڑوں زلفیں مرے غم میں پریشاں ہو گئیں
وہ ادائیں دلستاں تیری وہ مستانہ روش — بس یہی تو میری بربادی کا ساماں ہو گئیں
بدلیاں برسات کی تھیں کیا یہ دل کی حسرتیں — مجتمع دم میں ہوئیں دم میں پریشاں ہو گئیں
مرحبا اے عشق تیرے دم کی ہے یہ روشنی — جلتے جلتے ہڈیاں تک شمع سوزاں ہو گئیں
بن گیا دست زلیخا دست گستاخ نسیم — گل کی کلیاں حضرت یوسف کا داماں ہو گئیں

روتے ہو معمورۂ دل کے لیے کیا اے قمر
سیکڑوں آبادیاں ہوں گی جو ویراں ہو گئیں

ایک نظر

اُردو کانفرنس "انجمن ترقی اُردو" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اسوقت تک ایک شعبہ تھا اور اب بھی ہے مگر ملک کے بیشتر حامیان اُردو کو کانفرنس مذکور کی طرف سے ایک عرصہ سے یہ شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اپنے اس شعبہ کے ساتھ بہت سرد مہری کا برتاؤ کرتی ہے جس کے ثبوت میں "انجمن ترقی اُردو کے لیے بقدر مقررہ (مبلغ دو سو روپیہ سالانہ) کا کانفرنس کے دفتر سے نہ وصول ہونا اسکو سالانہ اجلاس تک میں بہت کم وقت دیا جانا" اور اس کے علاوہ کانفرنس کی طرف سے ترقی اُردو تحفظ اُردو۔ اور توسیع اُردو کے لیے کسی خاص کوشش کا نہ کیا جانا وغیرہ باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے صحیح ہونے میں بہت کم شبہ کیا جا سکتا ہے ان امور کو مدنظر رکھکر اور ان کے علاوہ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اُردو جیسی ہندوستان کی مشترکہ زبان کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو ہندو حضرات کو ترقی اُردو سے علیحدہ رکھا جائے یا انھیں ترقی اُردو کے لیے کسی دوسری انجمن بنانے کا موقع دیا جائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اُردو کی ایک جداگانہ انجمن قائم کی جائے یہ عرض کرنا غالباً برادران وطن کے ناگوار نہ ہوگا کہ انجمن ترقی اردو کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے اسکے کہ ہندو حضرات اُردو زبان کو اپنا حق بتاتے اور اُسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے علیحدہ کرکے اور "اُردو کانفرنس" کے آزادانہ قیام پر زور دیتے اُنھوں نے قریب قریب اُردو کو چھوڑ دیا۔ اور مادر ہند کی اس ہر دلعزیز بیٹی کو صرف مسلمانوں کی ملک گردان نیا برادران وطن کا یہ رویہ اُن کے اس احساس وطن پرستی پر ضرور حرف لاتا ہے جس کے ماتحت اُن پر ہندوستان کی بہترین پیداوار (اُردو) کی خدمت لازم آتی تھی۔ ان حضرات میں سے ایک حصہ اُردو کو اپنی مادری زبان ماننے سے بھی منحرف ہونے لگا اور بجائے اُس کی حمایت کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا۔

ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرات لکھنؤ نے ایک "آزاد اُردو کانفرنس" قائم کرنے کا خیال کیا اور اُس کا ایک جلسہ تعطیلات دسمبر میں لکھنؤ میں منعقد کرنا قرار دیا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے شریک ہونا منظور کرلیا ہے جن کی ذات چند سال سے انجمن ترقی اُردو کے قائم رہنے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہنے کا باعث ہوئی ہے اس کانفرنس سے متعلق دو جلسے منعقد ہو چکے ہیں جس میں سے پہلا باشندگان لکھنؤ کا ایک عام جلسہ ۱۲ نومبر کو قیصر باغ بارہ دری میں منعقد ہوا

اس جلسہ میں استقبالیہ کمیٹی کے ۱۵ ممبران مقرر کیے جانے کے علاوہ حسب ذیل اصحاب مجلس استقبالیہ کے عہدہ دار منتخب کیے گئے۔

صدر۔ جناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا سابق جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن۔

نائبین صدر۔ آنریبل رائے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب مالک نولکشور پریس۔ جناب سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقدار سندیلہ۔ جناب نواب سلطان علی خاں صاحب عرف باسو صاحب رئیس لکھنؤ۔ جناب نواب آغا محمد شفیع خاں صاحب رئیس لکھنؤ جناب پنڈت منوہر لال زتشی صاحب ایم اے ہیڈ ماسٹر جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ۔ جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا بی اے۔ جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب ایم اے بی ایل نیشنر ڈپٹی کمشنر جناب مولانا سید علی نقی صاحب حقی۔ جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی۔

معتمدین جناب پنڈت بریج نرائن صاحب چکبست بی اے۔ جناب ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر۔

مددگاران معتمد۔ مسٹر عبد الوالی بی اے۔ مسٹر عباس حسین قاری ایڈیٹر تمدن۔ مولوی صنت اللہ شہید ایڈیٹر النظامیہ۔ ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر۔ مولوی اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر الندوہ۔

(۱) طے پایا کہ بیس ارکان کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی (کارکن مجلس) تمام انتظامی امور کے انصرام کے لیے مقرر ہو جو سب عہدہ داران مندرجۂ بالا بھی کارکن مجلس میں شامل رہیں گے۔ چنانچہ اصحاب ذیل اسی وقت رکن منتخب ہوئے۔

(۱) پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ایڈیٹر ہندوستانی ورکن انجمن خدام ہند (سروینٹ آف انڈیا سوسائٹی)
(۲) سید سجاد حیدر صاحب بی اے پرائیوٹ سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد۔
(۳) مسٹر عبد الماجد بی اے۔
(۴) سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم۔
(۵) منشی ممتاز حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ۔
(۶) منشی سخاوت علی صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنؤ۔
(۷) راجہ غلام حسین صاحب۔ سب ایڈیٹر آئی ڈی ٹی۔

(۲) طے پایا کہ مجلس استقبالی کے کارکن معتمد ظفر الملک صاحب علوی ایڈیٹر الناظر مقرر ہوں۔

(۳) طے پایا کہ انعقاد جلسہ کی تاریخ اور جگہ کا تعین کارکن مجلس کی رائے پر چھوڑا جائے جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

دوسرا جلسہ استقبالیہ کمیٹی کا تھا جو ۲۰ نومبر کو منعقد ہوا جس میں جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال (پٹنہ) کو صدارت کے لیے منتخب کیا گیا جو حضرات اُردو سے دلچسپی لیتے ہیں اُن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کانفرنس کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں گے۔

اُردو پریس کانفرنس لکھنؤ کے بعض اُردو اخبار نویس امسال اجتماع دسمبر کے موقع پر ہندوستان کے اُردو اخبار نویسوں کو ایک کانفرنس کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں "اُردو پریس کانفرنس" کے قیام کی تحریک سے کلی اتفاق ہے۔ اپنے ہمعصروں سے توقع ہے کہ وہ "اُردو پریس کانفرنس" کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس کانفرنس کا خیر مقدم کریں۔

گفتار بیخود یعنی وحید العصر حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ دہلوی کا پہلا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لیے آیا ہے۔ حضرت بیخود دہلی کے ممتاز ترین شعرا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کا کلام دہلی کی زبان کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے یوں تو آپ داغ کے جانشین ہیں مگر آپ کے کلام میں دیگر اساتذۂ فن کے کلام کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ ہم اپنے ناظرین کے لیے آپ کے دیوان سے شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ بتاتے ہوئے اپنے ریویو کو حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جو حضرت بیخود کے دیوان کی تاریخوں میں شائع ہوا ہے۔

کیا نہیں سب کچھ ہے اس میں نکتہ رس دل کے لیے
سادگی۔ بیساختگی۔ روزمرہ۔ بول چال

یہ شعر جناب بیخود کے دیوان کے متعلق مبالغہ سے بالکل پاک ہے بلکہ اس کے اوصاف اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ یہ دیوان (گفتار بیخود) حضرت مصنف کے پتہ پر میٹیا محل دہلی سے بھر میں مل سکتا ہے۔

انگلش ٹیچر ٹنڈن برادرز کے انگلش ٹیچر کے ریویو میں جو نومبر کے تمدن میں شائع ہوا تھا پتہ میں بجائے آگرہ کے لاہور شائع ہو گیا ہے۔ صحیح پتہ ٹنڈن برادرز آگرہ ہے۔

میں ایک کروڑ پتی خوبصورت نوجوان ہوں

اور ایک نہایت حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی "پری جمال صابون" استعمال کرتی ہو۔ حسن و دلت بکھیرے

پری جمال صابون کیا ہے؟

ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے!

یہ چہرہ کو خوبصورت بنانے والا حسن و خوبصورتی پیدا کرنے والا سات روز تک نہانے سے کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ گلاب کی پتی کے مانند خوبصورت اور مخمل کے مانند ملایم ہو جاتا ہے۔ چہرے کے تمام داغ دھبے جھائیاں دور ہو کر فیغرت کی سی سرخی آنے لگتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے پھنسیاں چند روز کے استعمال سے جاتی رہتی ہیں فی بکس تین ٹکیہ مع صابون دانی ایک روپیہ

روغن پری بہار گیسو دراز

یہ لاجواب سرمیں لگانے کا خوشبودار تیل بالوں کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ لمبے، خوبصورت بال مردوں و عورتوں کے حسن و جمال کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہو کر دم لچکدار بن جاتے ہیں۔ فی شیشی ۱ تولہ ایک روپیہ (محصول)

حب مقوی باہ

اعضائے رئیسہ کو تقویت دے کر قوت باہ پیدا کرتی ہیں۔ سست کو چست کرتی ہیں

مغلظ: ۔ ہیں فی شیشی ۲۴ گولی ایک روپیہ آٹھ آنے (محصول)

سرمہ مقوی بصر

یہ خاص خاندانی نسخہ ہے۔ اسمیں جواہرات شامل ہیں۔ آنکھوں کے تمام امراض میں بیشل ہے بینائی کو قوت دیتا ہے ابتدائی نزول آب میں مفید ہے۔ جالہ، دھندلاہٹ، تشنج، تھکاوٹ کو مفید ہے۔ روشنی بڑھاتا ہے فی شیشی چھ ماشہ دو روپیہ آٹھ آنے (محصول)

بڑی فہرست مفت ملتی ہے

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار فراشخانہ

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض ہیں
تو ان کو بجز بدقسمتی اور کیا کہنا چاہئے

اکسیر حیات فیضد للعہ۔ جو کل امراض پر بموجب بدقہ استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کیا بلکہ مثل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا ہے۔ آزمائش شرط ہے کیونکہ اس میں جز دیسی نباتات کا ہے جو عموماً گنگا۔ نربدا کنارے ملتی ہے۔ فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کر دیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لئے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کر کے ملاحظہ کریں۔ سعفے۔ مولد خون۔ مبہی۔ شہی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض ناجارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد خارش۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر پشت۔ شکم محلل۔ اورام بدن۔ دشمن ادجاع مفاصل۔ جریان۔ سرعت انزال احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ ہیضہ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا امراض معدہ۔ استسقاء۔ بواسیر۔ ذبح الاطفال۔ قاطع سیلان رحم۔ احتباس النفاس وغیرہ اکسیر حافظہ۔ اکیس خوراک ۵ر طلبا سے نصف قیمت

المشتہر

احقر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ۔ گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال دیرہ پوسٹ نمبر ۱۱

نادر و نایاب مشہور عالم کتابیں

گنجینہ اسرار حقیقت

اس نادر کتاب میں ہندوستان اور ممالک اسلام روم عرب مصر شام کے ۱۱۳ درویشان کامل اور رہبران راہ طریقت بزرگوں اور مستند ولیوں کے جامع اقوال اور نصائح درج ہیں کتاب کا ایک ایک لفظ جواہرات سے تولنے کے قابل ہے قابلدید کتاب ہے قیمت ۱۲ر معہ محصول

رہنمائے باغبان:- اسمیں ہر قسم کے میوہ دار درختوں ترکاریوں اور ہر قسم کی پھلواری پیدا کرنیکے طریقے۔ بونے کا موسم اور بہت سی متفرق باتیں درج ہیں تاکہ ہر شخص باغبانی کے عام اصولوں بھیدوں سے مستفید ہو سکے اور باغبان کی خوشامد سے بچے قیمت مجلد معہ محصول گیارہ آنہ (۱۱ر)

رہنمائے مسافران:- ہندوستان و پنجاب کے ۶۶ نامی چیدہ چیدہ مشہور شہروں کا حال جو سیاح اور مسافر کو رہنما کا کام دیں ہر جگہ کی تجارت مشہور عمارات کے مفصل حالات سفر کا آرام قابلدید جو آدمی ریل کا سفر کرنیکے عادی ہیں وہ ضرور خریدیں قیمت مجلد معہ محصول بارہ آنہ (۱۲ر)

نعمتوں کا طلائی تھال:- قسم قسم کے کھانے اور مٹھایاں وغیرہ بنانیکی لاجواب کتاب دنیا بھر کے ہر قسم کے کھانے اور مٹھایاں وچاٹ وغیرہ ہر قسم کے اچار چٹنی مربے پاپڑ ترکاریاں وغیرہ خود بنا لو عبارت عام فہم ایک نوار عورت کو بھی پڑھکر سنا دو نود وہ بھی عمدہ سے عمدہ لذیذ کھانے بنا لے قیمت گیارہ آنہ

پھلجھڑی:- یہ روتوں کو ہنساتی ہے پژمردہ دلوں کو شگفتہ کرتی ہے غمگین اور رنجیدہ کو باغ باغ کرتی ہے قابلدید مہذب عمدہ لطائف کا مجموعہ ۱۲۵ صفحہ قیمت گیارہ آنہ (۱۱ر)

(نوٹ) تمام کتابوں کی قیمت معہ محصول درج ہے اور سب مجلد ہیں

ملنے کا پتہ

مینیجر قیصر ہند ایجنسی ۲۲ سہارنپور۔ یو۔ پی

قابل دید کتب

خاص عنایت

ناولہائے قاری

قاضی محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سید سعادت، شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدردانوں کے ہاتھ میں پہونچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت صرف

اسلام اور قاری

قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھاپ کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیہ شائقین کئے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کردی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت صرف محصول ڈاک ۱۲ ر ہے

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں

آویس روضۃ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کی پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پرتاثیر قصہ ہے قیمت ۸ ر

اٹوپیا اس ناول میں سر تھامس مور نے ایک خیالی ملک قوام کر تنظیم و تمدن کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا تھا قیمت ۴ ر

ناول

فرانسیسی معلمہ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ ترجمہ صفحات ۲۰۰ قیمت مجلد ۱۲ ر

تماشا گاہ عالم ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸ ر رعایتی ۱۲ ر صفحات ۲۸۸

نیرنگی دہر مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان شریف الف کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب اصل قیمت ۸ ر رعایتی ۴ ر صفحات ۱۲۴

تاریخ

علمائے سلف مولانا محمد حبیب الرحمن خانصاحب شیروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور تصنیف جس میں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں اصل قیمت اکیس روپیہ عمدہ رعایتی آٹھ آنہ (۸ ر)

قدیم ہندوستان کی تہذیب مشہور فاضل مسٹر آر سی دت کی بنگالی تاریخ سوسیلائزیشن آف اینشنٹ انڈیا کا اردو ترجمہ رعایت قیمت ۴ ر

تذکرہ امیر امیر عبدالرحمن خان صاحب مرحوم کی سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب اصل قیمت ۴ ر رعایتی ۲ ر

سفرنامہ یورپ بلاد دینی منشی محبوب عالم صاحب

روم و شام و مصر ایڈیٹر پیسہ اخبار کا مشہور سفرنامہ اصل قیمت مجلد رعایتی ۴ ر صفحات ۹۷۰

تاریخ اودھ نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے واجد علیشاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں یہ مستند و نایاب کتاب تاریخ سے مرتب کی ہے اسکے مولف جناب

مجم الغنی صاحب پوری تحقیقات اور صحیح تاریخ انتقاد کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور تاریخ اودھ انکا ایک کارنامہ ہے جس پر بیان اردو کو بجا نازہ ہے یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کے دربار کی پوری تصویر ہیں دکھائی ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی مکمل چار جلد ونگار قیمت سے ۲ دو جلد روپیہ عاوہ محصول ڈاک

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام (ناول) حضرت زیاد کی معجز انہ تحریر کا اعلیٰ نمونہ سراپا درد تڑپا دینے والے خیالات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۱ر

گودڑ کا لال (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف نیز میں کئی سال تک شایع ہو چکا ہے مصنفہ جناب مخزنہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ ۱ر

عالم خیال (با تصویر) حضرت عشوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے انتہا لطافت نظم بہکا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ و معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار یورپی ملک کی منتخب مثالی کو شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور انکی رائے ہے کہ اردو تو اور دو اور مغربی زبان (انگلستان) کی وغیرہ کو ہیں بھی ایسی اعلیٰ پایہ کی نظمیں موجود نہیں، چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۶ر

آئینہ جنگ موجودہ جنگ مغرب کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جسمیں اسباب جنگ تر تفریق کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف

السنۂ شرقیہ عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زبان کی ترقی و تنزل اور زبان کے نوٹ نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶ر

برکات سلطانی علیا بیگم صاحبہ والیٔ بھوپال کی روشن زندگی کا نامہ اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع (با تصویر) پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ر

شکوہ ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱ر

جذبات مسلم ۸۲ قومی اور معنی خیز مضامین کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول ایڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ تحقیقی و ولولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ مظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ حجم ۱۰۰ صفحات اعلیٰ قیمت ہر رعایتی ۱ر

مسدس حالی مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانحعمری حالی و حاشیہ کاغذ و لکھائی چھپائی اعلیٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ بے جلد ۸ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل یہ اہم بامسمی کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴ر

شباب لکھنؤ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمایئے۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب بی۔ اے قیمت ہر مجلد عہ

علوم طبعیہ کی تاریخ علوم طبعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو سا تویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً وقوع میں آئی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکماء نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور مختصر کتاب ہے مضامین کی وضاحت کیلئے صدہا تصویریں دیگئی ہیں قیمت ہر دو جلد ۱۲ مجلد ۱۴ عہ

سورج چاند ستارے ابرام فلکی کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور مفید کتاب ہے جس میں چاند، سورج، ستاروں، سیاروں، دمدار ستاروں، ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری، آکی وسعت مساحت، باہمی تعلقات، گردش، کیفیت، اثرات، روشنی، حرارت، برودت، وغیرہ معمولی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ زمین پردہ کر آسمان کی سیر کرا تا ہے اور اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں حجم ۳۰۰ صفحات قیمت ۸ مجلد ۱۲

تاریخ مذہب اسمیں مذہب کی ابتداء و ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور ہند اور دیگر ممالک اور اقوام کے مذاہب مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ مجلد ۱۰

داستان مریخ سیارہ مریخ کی جسقدر اس وقت تک تحقیقات ہوچکی ہے اس کو اختصار کے ساتھ اسمیں قلمبند کر دیا ہے، قابل دید کتاب

جان ہنکن جنٹلمین اس کتاب میں ایک نوجوان غریب لڑکے کے حالات درج ہیں کہ کیونکر وہ ادنی حالت سے محض اپنی ہمت و جوانمردی کے باعث ترقی کرکے دولتمند ہوگیا۔ نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے قیمت ہر دو جلد ۱۲ مجلد ۱۴

بچوں کی پرورش مصنفہ علیا حضرت سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا ۲۱۰ صفحہ کی کتاب ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے قیمت ۸

رسول عربی پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور سچے حالات حجم ۱۸۰ صفحہ کاغذ کھپائی چھپائی عمدہ قیمت ۸

بنت الرسول سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی مکمل تالیف اس کتاب کو حضرت شہاب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کیلئے لکھا ہے حجم ۹۴ صفحات قیمت ۵

کفایت شعاری سوائل سمائل کی مشہور و معروف کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب قیمت ۸

آئینہ ہارمونیم مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والوں کیلئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے قیمت ہر دو حصہ (اعاشی) ۱۲

قاسم و زہرہ منشی احمد علی صاحب شوق خدا کی اس منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں۔ شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے فقرے چست لطیفے برجستہ بذلہ سنجی و دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں ۔ مناظرت کے عین مطابق فطرت دکھائے ہیں۔ نیچرل کیفیات و جذبات میں سراپا ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸

رباعیات انیس و دبیر اس کتاب میں ہندوستان کے مشہور فادر الکلام و معجز بیان شعراء کی عزائیہ اور اخلاقی رباعیات کا انتخاب درج ہے حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۴

رباعیات دبیر حضرت دبیر کی رباعیات کا قابل نور مجموعہ اسمیں سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں۔ ۸

رباعیات حالی مولانا حالی کی رباعیات کا یہ جدید ایڈیشن مسدس کی تقطیع پر چھپا ہوا ہے۔ ۳۲ صفحہ میں ۳۰۰ رباعی درج ہیں ۳ر

وصال منشی درگا سہائے صاحب سرور مرحوم کی دلکش تصنیف ۸ر

ہاکی ایک مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ جس میں نہایت عمدگی کے ساتھ ہاکی کھیلنے کے اصول و طریق بیان کئے گئے ہیں جا بجا بہت ٹون تصاویر چسپاں کی گئی ہیں ٹکی تعداد ۲۰۰ ہے کھلاڑیوں کے لئے عمدہ کتاب ہے ۱۲ر

مندرجہ ذیل کتابیں بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں اور انکی قیمت میں خاص رعایت کر دیگئی ہے اگر دو استون دیر ہوگی تو انمیں سے اکثر کتابیں نہ ملسکینگی

کلیات نظیر اکبرآبادی جسمیں دیوان نظیر اسکا نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں جسکو پروفیسر سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے رعایتی قیمت عہ

حق بحقدار (ناول) ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلکش اور دلچسپ فسانہ مصنفہ منشی محمد عبد الغفور صاحب مصنف تماشا گاہ عالم وغیرہ ۱۸۰ صفحات رعایتی قیمت عہ

حیات حافظ جسمیں لسان العصر خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور انکی شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے عہ

یادگار دربار اعظم یعنی اسلامی تاریخ خزانہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا) دو جلدیں فی جلد عہ

درس اردو یعنی ہماکو دی کالیدس کو اردو شیکسپیر ہونا ثابت کیا ہے عہ اکیڈمی ملیٹ مقدمہ کو جسمیں ہند و ایران کی تاریخ اور ادبیات پر مفصل بحث کی گئی ہے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ ایچ ایگیزمٹ حیدرآباد دکن یہ قابل بدیع کتاب ہدیۃً عہ

ملنے کا پتہ :-

الہارون سوانحعمری ہارون رشید اعظم منقشہ ۱۲ر

صلاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری ۸۰ر

تصانیف سرسید احمد علیہ الرحمہ

خطبات احمدیہ مجلد عہ

اسباب بغاوت ہند ۲

تصانیف شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد صاحب

مراۃ العروس ۴ر

چند پند ۴ر

منتخب الحکایات ۴ر

توبۃ النصوح ۴ر

سلسلہ آصفیہ ۱۲ر

تصانیف نواب محسن الملک بہادر

تہذیب الاخلاق مکمل

محاربات روس جاپان دو حصہ فیمت فی حصہ ۱۲ر

زہرا ایک ترکی ناول کا ترجمہ مترجمہ سید سجاد حیدر صاحب بی اے۔ ۸ر

چمنستان عرب ۱۰ر

پروفیسر وبمبری کا سفرنامہ خیوہ بخارا ایران و کردستان وغیرہ ۱۲ر

تاریخ مسجد الحرام ۸ر

گنج شائیگان ۸ر

حیات نور الدین ۸ر

یادگار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

دفتر تمدن بل جھاولال لکھنؤ

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جسکی تاب حضرت موسیٰ نہ لاسکے! یہی وہ نظارہ ہے جسکے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دنیائے علم کے تماشائی کہاں ہیں آنکھیں کھولیں اور اس جام جہان نما کی سیر کریں۔ اخلاقی تمدنی ادبی معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کیطرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے۔ اہل نظر نظارے کو آئینہ کیطرح رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویر دیکھا دنیکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں تماشا دیکھیں قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے نمونہ بارسال آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

مینیجر رسالہ نظارہ میرٹھ

دیکھنے کی چیز

النظامیہ (فرنگی محل لکھنؤ) کا مخصوص اور شاندار رسالہ ربیع الاول میں خاص اہتمام سے شایع کیا جائیگا اسکا حجم موجودہ حجم سے دگنا اور اسکی اشاعت موجودہ اشاعت سے دگنی یعنی ۲۰۰۰ ہوگی اور ہندوستان کے مشہور علماء و فضلاء شارحین مثلاً حضرت مولانا عبدالباری صاحب (فرنگی محل) مولانا سید سلیمان صاحب (ندوی) اور عبدالحلیم صاحب شرر، خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز (لکھنوی) مولوی عبدالماجد صاحب بی اے (لکھنؤ) وغیرہ نے خصوصیت سے مستفیض فرمانیکا وعدہ کیا ہے رسالہ کی قیمت ۸ ہے رسالہ تجار اور طلباء سے نصف بشرط تصدیق مدرسہ کیلئے یہ موقع بہت غنیمت ہے کیونکہ اسکے ایک صفحہ کے اشتہار کی قیمت صرف ۱۰ اور نصف صفحہ کی ۷ ہے جبکہ آپ سال کیلئے ایک صفحہ کے ۱۲ اور نصف کے ۷ ہیں انشاء اللہ یہ رسالہ ہندی اور ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے خصوصیت سے ممتاز ہوگا۔ ملک کے ہر گوشہ میں اسکے پہنچانے کی کوشش کیجائیگی اسکے اشتہار دینے والے یقیناً خواہ مخواہ کامیابی حاصل کرسکیں گے ایک صفحہ سے زائد کیلئے اشتہار میں خاص رعایت ہے ۱۰ سالانہ کی قیمت ۲ اور سالانہ قیمت بشرط تصدیق مدرسہ ہے۔ اخبنوں کے ساتھ خاص رعایت ہے۔

محمد شفیع مینیجر النظامیہ فرنگی محل لکھنؤ

تمدن

لکھنؤ

تھیٹر اور اصلاح اخلاق

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

نقل یا تھیٹر سے بعض برائیاں یا بعض کمزوریاں بہ نسبت کسی دوسری طرح کی تعلیم کے ایک خوبی سے دور ہو سکتی ہیں اور اس طرح اچھائیوں کا اعلان اور نقش بھی نقل اور تھیٹر کے ذریعہ سے خوب تر ہوتا ہے۔

ہم اس بات کے ماننے سے گریز نہیں کر سکتے کہ بعض وقت نقل اور تمثیل یا نظیر اخلاقی اصلاحات میں بہت کچھ کام دے جاتی ہے اور اثر ایک صداقت اور پائداری لیے ہوتا ہے۔ نقل تمثیل اور نظیر میں ایک اثر اور ایک کشش دلچسپی ہوتی ہے جیسے بعض اقوال۔ اور انشاء میں ایک اثر اور ایک کشش ہوتی ہے۔ تمثیل اور نظیر کے ذریعہ سے بعض طبائع پر اثر ڈالنا کوئی نئی چیز نہیں شروع ہی سے یہ طریقہ جاری ہے نہ صرف مادی دنیا میں ہی بلکہ مذہبی اور معادی دنیا میں بھی یہ طریقہ معمول رہا ہے الہامی کتابوں

میں بھی بعض باتیں تماثیل اور نظائر دے کر بیان کی گئی ہیں ہر قوم میں نقایے کسی نہ کسی رنگ میں پائے جاتے رہے ہیں اور ایک حد تک اُن کی خدمات کا اعتراف بھی کیا جاتا رہا ہے۔

پرانے زمانوں میں دستور تھا کہ رات کے وقت گھر کی بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد بچوں کو مختلف قسم کی کہانیاں سُنایا کرتے تھے گو بچوں کے واسطے ایسی کہانیاں ایک ضیافت طبع ہی ہوتی تھیں مگر اس کے ساتھ ہی اُن کہانیوں اور اُن زبانی قصّوں سے طبائع پر کچھ نہ کچھ اثر بھی ہوتا تھا۔

بعض امیروں کے ہاں تذکرہ گو نوکر بھی رہتے تھے۔ یہ گو یا گذشتہ و موجودہ زبانی اخبار اور تذکرے تھے اور ایسے زبانی اخبار کا چرچا ملک بھر میں ہی نہیں بلکہ خانہ بہ خانہ ہوتا تھا سونے سے پہلے بچیاں اور بچے خاندان کی معمر عورتوں کو مجبور کرتے تھے کہ کوئی نہ کوئی (بات) کہانی سُنائی جائے سُننے والے نہ صرف ایسی کہانیاں اور باتیں سُنتے ہی تھے بلکہ یاد بھی رکھتے تھے۔

شادی بیاہوں میں نقلیے جو نقلیں کرتے تھے وہ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچاتی تھیں یا کوئی نہ کوئی نتیجہ رکھتی تھیں اگرچہ اس وقت دیسی یا مردہ اقوام کے نقالوں کا کوئی پرساں نہیں اور نہ وہ گرم بازاری ہے مگر جب زمانہ موافق تھا تو ان میں سے بھی بعض نقلیے اپنے اس فن اور کرتب میں بہت کچھ کمال رکھتے تھے اور بعض وقت بڑی بڑی مجلسوں اور شاہی درباروں میں ایسے کام کے کلمات بھی نکل جاتے تھے اور ایسے سوانگ بھی بھرتے تھے کہ سلاطین اور امیر و وزیر سُن اور دیکھ کر اُن بعض ملکی واقعات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے جو اُن سے مخفی تھے یا جو عمال حکومت کی جانب سے مخفی رکھے گئے تھے بعض کتابوں میں اس قسم کے قصّے ایک دضاحت کے ساتھ لکھے ہوے اب بھی

ملتے ہیں۔ بعض وزرائے سلطنت نے اکثر اوقات بادشاہوں کے کانوں میں ان نقالوں کے ذریعہ ہی سے ضروری اور اصلاح طلب باتیں پہنچائی ہیں۔

اس قسم کی نقلوں یا تھیٹروں کی بادی النظر میں دو ہی غرضیں ہو سکتی ہیں۔

(الف) بعض روایات اور بعض واقعات کا اظہار تمثیل اور تصویر کے پیرایہ میں۔

(ب) تفنن یا تفریح طبع۔

انسان بالطبع تفریح طبع کا شیدائی ہے جو لوگ انسان کے واسطے تفریح طبع کی غذا ممنوع قرار دیتے ہیں میری رائے میں وہ ایک فطرتی مداوا کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں خواہ کوئی سا رنگ اور کوئی سا طریقہ ہو انسان تفریح کا طالب اور تفنن کا حامی اور خواہاں ہے۔

اگرچہ بعض مذاہب میں یا بعض حکمائے دہر کے نزدیک ایسا تفنن اور ایسی تفریح اخلاقی پہلو سے جائز نہیں ہے جو اخلاق پر اچھا اثر نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی تفنن اور تفریح جائز حدود میں معیوب نہیں قرار دیا گیا ہے مزاح اور مذاق ہر مذہب میں ایک لازمۂ طبع سمجھا گیا ہے۔

یہاں تک تو ہم تفنن اور تفریح کی تائید میں ہیں اور یہ ضروری ہے کہ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی نہ کوئی مصالحہ تفریح کا انسان کے واسطے ہونا چاہیے لیکن جب اس قسم کی تفریحات پر بالکل ہی اخلاقی اصلاح کا انحصار کیا جائے تو ہم یہ قرار دینے میں تامل نہیں کر سکتے کہ یہ رائے درست نہیں ہے۔ جس رنگ میں اس وقت اکثر تھیٹر ہوتے ہیں اُن کا طرز اور اُن کا ڈھنگ بجائے اس کے کہ کوئی اخلاقی اصلاح کرے اخلاق کے مخالف ہے۔ اس مرحلہ پر آکر عام ناولوں اور عام تھیٹروں کا ایک ہی

نرخ ہو جاتا ہے ناولوں کی بدولت طبائع انسانی یا بعض ناظرین اور قارئین کے بہت اچھا اثر پڑا اور پڑتا ہے لیکن یہ بات خاص خاص ناولوں ہی سے مخصوص ہے عام ناولوں کو یہ حق اور یہ بات حاصل نہیں عام ناول ایک بڑی حد تک مخرب اخلاق ثابت ہوئے ہیں۔ زمانہ خود گواہ ہے کہ جس زور و شور سے پہلے ناولوں کی گرم بازاری تھی اب وہ نہیں رہی خصوص سرزمین ہندوستان میں۔

بیشک دلگداز ایسے ناول یا اور ایسی تالیفات اور تصنیفات یا پیری کوریلی کے ناول ایک خاص پایہ کے ناول ہونے کی وجہ سے ایک خاص کشش اور خاص اثر بھی رکھتے ہیں لیکن وہ ناول جو محض نام ہی کے ناول ہیں طبائع پر کیا کچھ اخلاقی اور ادبی اثر ڈال سکتے ہیں؟

کم سے کم ناول یہ تو اثر رکھے کہ ادبی پہلو ہی سے اُس میں کوئی کشش اور کوئی خوبی ہو۔

ہندوستان تھیٹروں کے واسطے یورپ علی الخصوص انگلستان کا شاگرد یا پیرو ہے۔ انگلستان اور یورپ میں جس خوبی اور جس متانت سے تھیٹر ہوتے ہیں وہ واقعی ایک خوبی اور لطافت رکھتے ہیں وہ دو بجے رات تک عموماً نہیں ہوتے بلکہ ۷ بجے شام سے شروع ہو کر حد ۱۱-۱۰ اور ۱۲ بجے رات تک ختم ہو جاتے ہیں اُن کے ناٹک اور اُنکی نقلیں اور پارٹ بہت کچھ نفاست اور خوبی رکھتے ہیں لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن کا اثر ناظرین اور سامعین پر اچھا ہی ہوتا ہے اور اُن کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو تھیٹر کی تعریف سے چاہیئے۔

اُن میں بھی جو لوگ آتے ہیں محض تفریح کی خاطر نہ کہ کسی اخلاقی

اصلاح کی غرض سے اُن میں بھی عموماً تماشیل اور نظائر ایسے رنگ میں پیش کئے جاتے ہیں جو بہت کچھ محض عشق والفت کی کہانیاں اور قصے ہوتے ہیں ہندوستان کے شاعروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان میں سوائے گل و بلبل کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ میں کہوں گا کہ یورپ کے تھیٹروں کی بھی یہی صورت ہوتی ہے اُن میں بھی یہی سامان ہوتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ سارے کے سارے ہی ایسے ہوتے ہیں لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کا اکثر حصہ قریباً ایسا ہی ہوتا ہے۔

اکثر لوگ دیکھنے کے بعد اپنے ساتھ صرف ایک تفریح ہی لاتے ہیں باقی خیر صلاح اور اکثر لوگ اُن میں صرف اس واسطے جاتے ہیں کہ رات کا ابتدائی حصہ ایک شغل اور ایک تفریح میں گذر جائے ایسے تھیٹروں کے ساتھ ہی مالکان تھیٹر کی جانب سے جو جو دیگر سامان مہیا ہوتے ہیں جب اُن پر نظر کی جاتی ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ جہاں کچھ اچھائی ہوتی ہے اُس کے ساتھ وہاں بعض اوقات غلطی اور فروگذاشت بھی ضرور ہوتی ہے۔ فرانس کے شہر پیرس اور دیگر مصالح یورپ میں دوسرے لوازمات اسقدر اور ایسے ہوتے ہیں کہ اُنھیں دیکھکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک ہندوستان کے تھیٹر اُن سے محفوظ یا پاک ہیں اور اُن کی حالت نسبتہً اچھی ہے۔

البتہ یہ پسندیدہ بات ہے کہ لوگ یا ناظرین یہاں کی طرح ساری رات گنوا نہیں دیتے اور نہ اسقدر اُس میں منہمک ہوتے ہیں کہ بس کوئی اور بات یاد ہی نہ رہے۔ بیشک وہاں کے تھیٹروں میں بعض تماشیل بعض تماشے اور بعض پارٹ واقعاتی۔ تاریخی اور قومی ہوتے ہیں اور

اُن میں سے ایک غور کرنے والا بہت سی باتیں نکال سکتا ہے لیکن یہ کہنا کہ عام طور پر ایسے تماشوں یا ایسے سینوں کا ہمیشہ ہی اچھا اثر ہوتا ہے ایک مبالغہ ہے اور اسی طرح یہ کہنا بھی مبالغہ ہے کہ تھیٹروں کی بدولت خصوصاً یورپ میں بہت کچھ اخلاقی اصلاحات ہوئی ہیں میری رائے میں ہوئی ہوں گی لیکن بہت کم اور خاص خاص مراحل پر ورنہ عام طور پر تھیٹر اب تک تفریح کا سامان ہیں اور اکثر لوگ یا پبلک محض تفریحی خیالات کو لے کر وہاں آتی ہے۔

بہ نسبت تھیٹروں کے اس وقت سینما اور بائسکوپ زیادہ تر دلچسپی کا موجب ہو رہے ہیں اور اُن میں ایک مہذبانہ خاموشی کے ساتھ اثر بھی ہے اور علمی پہلو سے بھی اُن کی دلچسپی کا زور سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

چونکہ ہندوستان کی دھرتی میں تھیٹروں کا چرچا محض تقلیدی رنگ میں ہوا ہے اور یہ یورپ کا ایک عکس ہے اس واسطے اگر ان سے اخلاقی اصلاحات منظور ہیں تو ملک کا فرض ہے کہ اُن کو ایک بڑی حد تک اُن ہی شرائط اور اُن ہی حدود کے تابع اور اندر رکھے کہ جو سرزمین ہند کے موزون اور مناسب ہوں یہ قرار دے لینا کہ محض تھیٹروں کی بدولت ہی یہاں کے لوگوں اور نوجوانوں کی طبائع درست ہوں گی۔ میری رائے میں ایک فریب وہ غلطی ہے اگر ہمارے پاس اُن اصلاحات کی کوئی فہرست ہے جو اب تک اس سرزمین میں تھیٹروں کی بدولت ہوئی ہیں تو ہم بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اب تک تھیٹر یہاں محض ایک تفریح کا روپ اور رنگ رکھتے ہیں اگر ازمنہ گذشتہ میں ایسی تفریحات کے واسطے ارباب نشاط کی

مجلسیں کوئی قیمت اور کوئی درجہ رکھتی تھیں جو اب بھی ایک حد تک ملک کے بعض کونوں میں پائی جاتی اور بقید حیات ہیں تو عام تھیٹروں کا درجہ بھی اب تک بعض حالات وہی رنگ رکھتا ہے۔ غایت درجہ یہ کہ یہاں جانا اور داخل ہونا رسمی اخلاقی پابندی کے منافی نہیں ہے اور وہاں جانا یا داخل ہونا رسمی پابندیوں کے لیے ایک بڑی حد تک ناموزوں اور نامناسب ہے یہ ممکن ہے کہ جیسے اور ممالک میں رفتہ رفتہ ایسی تبدیلی ہوتی گئی ہے اس ملک میں بھی رفتہ رفتہ یا تو پرانے نشاط خانے تھیٹروں کی صورت و رنگ اختیار کریں اور یا ارکان نشاط تھیٹروں میں جا شامل ہوں جیسے کہ اب بھی بمبئی۔ کلکتہ وغیرہ شہروں کے بعض مشہور مشہور گوئیے اور اربابِ نشاط رنگ بدل کر حدود تھیٹر میں داخل ہو گئے ہیں یہ خیال ناموزوں نہیں ہوگا کہ

دونوں صورتوں میں سے ایک صورت وجود پذیر ہو کر رہے گی اور زمانے کی تبدیلی کا پرانے تھیٹروں یا نشاط گاہوں پر بھی ضرور اثر پڑے گا اور ان کی کایا بھی ضرور پلٹے گی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تبدیلی اہل ملک کی اخلاقی ضروریات کی کہاں تک کفیل ہوگی اور ہم ایسی تبدیلی سے اخلاقی رنگ میں کیا سے کیا ہو جائیں گے۔

سلطان احمد

تصویرِ یار

ہے تصور میں جو یہ تصویرِ یار — باعثِ تسکینِ جانِ بے قرار
گو انیسِ شامِ تنہائی ہے یہ — پرتوِ جوہرِ عشق و رسوائی ہے یہ

اس سے تازہ ہے گلِ داغِ کہن — کرتی ہے سرسبز یہ دل کا چمن
گھر بنا کر خاطرِ ناشاد میں — محو رکھتی ہے بس اپنی یاد میں

ہے کبھی فرقت میں یہ غمخوارِ دل — اور کبھی ہے باعثِ آزارِ دل
ہر گھڑی رہتی ہے یہ پیشِ نظر — بھولنے دیتی نہیں روئے قمر

ہے تسلی بخش بیمارِ فراق — یہ نہو فرقت میں تو جینا ہو شاق
گو دوائے عاشقِ شیدا ہے یہ — فی الحقیقت باعثِ سودا ہے یہ

جذبۂ خاطر کی اک تعبیر ہے — ہجر میں آرام کی تدبیر ہے
ہمنشینِ خلوت و جلوت ہے یہ — باعثِ افزائشِ الفت ہے یہ

ہرا دا اسکی ہے روح افزا مگر — پھونکتی ہے دل میں الفت کا اثر
جوش میں لاتی ہے یہ عاشق کا خون — رفتہ رفتہ تیز کرتی ہے جنوں

دل میں رکھتے ہیں اسے عاشق مزاج — کیونکہ ہے سوزِ محبت کا علاج
گو یہ ظاہر دافعِ آزار ہے — ہر ادا اس کی مگر تلوار ہے

اللہ اللہ اس قدر ناز آفریں — روبرو ہے اور پاس آتی نہیں
بھا گئی ہے عاشقِ مہجور سے — شوخیاں دکھلا رہی ہے دور سے

کھینچتا ہوں جتنا کھنچتی ہے اُدھر — پاس آنے میں یہ ہنگامہ یہ شر
دید کے طالب کو ترساتی ہے تو — اک جھلک دکھلا کے چھپ جاتی ہے تو

تو وفا پیشہ وفاداروں میں ہے — گرمیٔ حسرت کے غمخواروں میں ہے
شوخیاں اتنی تجھے زیبا نہیں — دل دکھانا اس قدر اچھا نہیں

انبساط قلب مضطر ہے تو ہی — باعث تسکین تنجر ہے تو ہی
تو ستمگر یا وفا آموز ہے — خیر جو کچھ ہے بڑی دلسوز ہے

خنجر لکھنوی

ظہیر الدین محمد بابر
ایک ادیب اور مورخ کی حیثیت سے

بابر نے ماماریوں کی دلیری اور بہادری میں ایرانیوں کی تہذیب و شائستگی کو داخل کیا اس کی رگوں میں چنگیز خاں اور تیمور کا خون دوڑتا تھا وہ بے حس و حرکت ہندوستان میں مغلوں کی زندہ دلی اور جرات اور ترکوں کی شجاعت و مردانگی لایا اور اُس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جسکی تکمیل اُس کے پوتے اکبر نے کی۔

ہندوستان سے بابر کے تعلقات کی ابتدا اس کی عمر کے آخری بارہ سال میں ہوئی اس کامیاب اپنے وطن میں اپنی حکومت برقرار رکھنے کے لیے ناکام تنازعوں میں گذرا اور آخر پچیس برس کی بے سود کوششوں کے بعد اسے سیحون اور جیحون پر حکمرانی کرنے کی امید چھوڑ دینی پڑی

اور پانچ مرتبہ ہندوستان پر حملے کیے، پانچواں حملہ امید افزا فتح کی صورت میں ظاہر ہوا، پانچ سال تک وہ ہندوستان میں رہا جس کا وہ اب مالک تھا اور اپنی عمر کے اڑتالیسویں سال میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا۔

تاریخی حیثیت سے بابر کی اہمیت اسکی ہندوستانی فتوحات پر منحصر ہے کہ اس طرح اس نے شاہانِ مغلیہ کے عظمت و جلال کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی بہترین اور ہر دل عزیز تصنیف "تزک بابری" نے علم ادب و تاریخ کے بادشاہوں میں بھی بابر کو ممتاز تسلیم کرا لیا،

بابر فارسی زبان کا جو لطافت و شیرینی کی جان ہے ایک پُر مغز شاعر تھا اور اپنی مادری زبان ترکی کا بہترین انشا پرداز تھا، اس کا طرز تحریر نظم و نثر دونوں میں مخصوص اور نہایت سادہ اور صاف تھا۔

صاحبِ تاریخ رشیدی لکھتے ہیں کہ "بابر شجاعت و عدالت و انصاف کے علاوہ صدہا مختلف اوصاف سے آراستہ تھا، ترکی زبان کی شاعری میں امیر علی شیر کے علاوہ کوئی اس سے بازی نہ لیجا سکا اور اس زبان میں اس نے ایک فصیح و بلیغ دیوان چھوڑا ہے وہ نثر کے ایک طرز "مبین" کا موجد ہے اور علم اصول قانون پر اس نے مفید و بکار آمد رسالہ لکھا جو عام طور پر رواج پذیر ہوا اور آج تک مستند سمجھا جاتا ہے، اس نے ایک مدلل اور مبسوط مضمون ترکی زبان کے علم عروض پر بھی لکھا ہے جو اس مبحث پر اس سے پہلے لکھے ہوئے تمام مضامین سے بہتر مانا گیا ہے"

بابر علم فقہ حنفی کا مجتہد تھا اور موسیقی اور فن انشا و املا میں اُسے معقول دستگاہ تھی عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کا متبحر عالم ہونے کے علاوہ

وہ ہندی بھاشا بھی اچھی طرح جانتا تھا، رسالہ واہدیہ کو اس نے نہایت صاف اور شستہ زبان میں نظم کیا اور اپنے سوانحی حالات "تزک بابری" کی صورت میں چھوڑے جو زبان کی سادگی اور صفائی کی حیثیت سے فرد ہے اور تاریخی نقطۂ خیال سے اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

اس کے زمانے کے ترک حکمران علمی مشاغل کو فخر و عزت سمجھتے تھے اور ایک عمدہ غزل کہہ لینا یا کسی مخصوص موضوع پر کچھ لکھ لینا ان کی بہترین خواہشات میں داخل تھا، صاحب قلم ہونا صاحب شمشیر ہو کر شجاعت و جوانمردی کا علم بلند کرنے سے کسی طرح کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

علم و ہنر، ظرافت و خوش طبعی، برجستہ و برمحل شعر خوانی، خوشخطی اور موسیقی بابر کے وقت میں بے حد قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور وہ ان تمام اوصاف میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت رکھتا تھا، بابر خوش طبع اور ظریف لوگوں کی صحبت بہت پسند کرتا تھا اور عظیم ترین مہمات اور پیچ در پیچ معاملات میں مبتلا رہنے کے باوجود صدہا مجالس مے نوشی اور بزم ہائے عیش و طرب کا انعقاد اس کی زندہ دلی پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

سواد کابل میں ایک پُر فضا باغ کے اندر اس نے سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا حوض تیار کرایا تھا وہ حوض شراب ارغوانی سے بھرا جاتا تھا اس کے ارد گرد عیش و طرب کی مجالس منعقد ہوتی تھیں اور مے فرحت افزا کا دور چلتا تھا، بابر کا یہ شعر اس حوض کو ٹرشال پر کندہ تھا:

نوروز و نوبہار و مے و دلبرے خوش است بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اکثر ایسا ہوا ہے کہ بعض معاملات سے اثر پذیر ہو کر اس نے برجستہ غزل کہی اور اس میں اپنے حسیات و جذبات کا اُسی طرح نقشہ کھینچا

جس طرح فرصت و اطمینان کے وقت کافی غور و خوض کے بعد کھینچا جا سکتا ہے۔
جب ۹۳۴ھ میں بابر نے قلعۂ چندیری فتح کیا اور مع خدم و حشم کے قلعہ میں داخل ہوا تو فی البدیہ ذیل کا قطعۂ تاریخ کہا:-

بود چندے مقام چندیری — پُر ز کفار و دار حربی خرب
فتح کردم بحرب قلعہ آن — گشت تاریخ فتح دار الحرب ۹۳۴

بابر کی خود نوشت سوانح عمری دُنیا کے اُن بیش قیمت صحائف میں سے ہے جو ہمیشہ ادبی حلقوں میں روشن و منور رہیں گے، "تزک بابری" بناوٹ اور مبالغہ سے پاک ہے، عبارت نہایت صاف اور شُستہ ہے اور بے حد دلچسپ و دل آویز ہے، بابر کے ہمعصروں اور ہموطنوں کی تصویریں اسکی بے ہما تصنیف میں آئینہ کی طرح صاف نظر آتی ہیں، ان کا طرز بود و باش، ان کے اخلاق و عادات ان کا تمدن و معاشرت اس خوبی سے پیش کیے گئے ہیں کہ نظر کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے اور سچ یہ ہے کہ ایشیا میں اک یہی ایسی کتاب ہے جو حقیقی معنوں میں تاریخ کہلائے جانے کی مستحق ہے۔

"تزک بابری" میں ہر فرد کی جو بابر سے کچھ بھی تعلق رکھتا تھا شکل و شبیہ، لباس، اشغال و عادات ایسی تفصیل اور توضیح کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ انھیں کی صحبت میں رہتا ہے اور ان کی زندگی کے ہر پہلو سے اچھی طرح واقف ہے۔

بابر نے خصوصاً اپنے اعزّا و اقارب کا تذکرہ ایسے دلچسپ و پر اثر لہجہ میں کیا ہے کہ گویا وہ کبھی اُس سے چھوٹے ہی نہ تھے، وہ جگہ جگہ اپنے دوستوں کی پر لطف گفتگو کو دُہراتا ہے، ان کی مہمات کا تذکرہ کرتا ہے انکی مصیبتوں پر روتا ہے اور ان کی خوشیوں پر خوش ہوتا ہے۔

اس نے اُن ممالک کے حالات جن کی سیر و سیاحت کا اُسے اتفاق ہوا ہے نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ دکھائے ہیں، ان کے مختلف مناظر، ان کی آب و ہوا پیداوار، علوم و فنون، صنعت و حرفت، قوانین اور طرز حکومت ایسی صحت و درستی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ کوئی موجودہ ترقی یافتہ زمانے کا سیاح بھی مشکل ہی سے اتنے جم میں اور ایسی تکمیل کے ساتھ لکھ سکے گا اور اگر اس وقت کی تحریروں کو دیکھو اور پھر بابر کی حیثیت اور اس کی مشکلات اور مصروفیت کا خیال کرو تو یقیناً "تزک بابری" دُنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

اگرچہ بعض مقامات پر معمولی واقعات کی تکرار اور خشک اور غیر ضروری معاملات کی تشریح و تفصیل بھی نظر آتی ہے مگر اس کی لاتعداد خوبیوں نے ان چند نقائص کو اس طرح چھپا لیا ہے کہ کافی غور و خوض کے بعد بھی مشکل ہی سے محسوس ہو سکتے ہیں۔

ذاتی حالات کا آزادانہ اظہار، اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنی بُرائیوں اور غلطیوں کا صحیح نقشہ اور اس کی صداقت اور خود داری کے شریفانہ جذبات کے احساس نے بابر کی خود نوشت سوانح عمری کو وہ درجہ عطا کیا ہے جس کی نظیر ملنا محال ہے۔

اگر کبھی یہ امر ممکن ہو سکا ہے کہ کسی ایک اور محض ایک تاریخی کتاب کو بلا کسی دوسرے ثبوت کی تلاش کے مستند تسلیم کر لیا گیا ہو تو وہ صرف تزک بابری ہے اور آج تک کہ چار سو برس کی طویل مدت گذر چکی ہے کسی کو بابر کے بیان کی صحت و درستی پر شک کرنے کی جرات نہیں ہو سکتی ہے۔

"تزک بابری" کے اصل ترکی سے فارسی زبان میں کئی ترجمے ہوئے ہیں

لیکن سب سے زیادہ مشہور ترجمہ بیرم خاں کے بیٹے مرزا عبدالرحیم خاں خاناں کا ہے جو اکبر اعظم کی خواہش سے ۱۵۹۰ء میں کیا گیا۔

مسٹر جان لاٹی ڈن اور ولیم ارسکن نے (جن کی تالیف "بابر اور ہمایوں" دو حصوں میں ایک بڑی معروف اور مستند کتاب ہے) ۱۸۲۶ء میں "تزک بابری" کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور کتاب کے شروع میں ایک نہایت مفید مقدمہ لکھا جو بجائے خود بابر کی زندگی پر ایک بہترین مضمون ہے، یہ ترجمہ ترکی اور فارسی مسودات کی مدد سے کیا گیا، اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں اصل ترکی سے مسٹر پیوٹ ڈی کورٹیلی نے بابر کی اس بیش قیمت یادگار کو فرانسیسی زبان میں تبدیل کیا۔

آج دنیا میں بابر کی نسل اور اس کے جانشینوں کا وجود باقی نہیں رہا آج کنار رود جیحوں پر مغل جیسے عظیم الشان لفظ کا کچھ اثر نہیں ہوتا، ترک بربادی اور تباہی کی حد کو پہنچ گئے، تیمور کے خاندان کا آخری چراغ رنگون میں گل کر دیا گیا، اور بابر کی شان و منزلت و طاقت، اور شوکت و جبروت کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کی زندگی کی مستقل یادگار اور اس کی غیر فانی اولاد آج بھی اسی طرح اور اسی حالت میں باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

حامد اللہ افسر میرٹھی

ضروری گذارش:- "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی صاف نہی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ منیجر

موت کی گھڑی

اچھا لکھنے والے لکھ چکے اچھا بولنے والے بول کر تھک گئے دلیل اور حجت کی بارش برستی رہی۔ عقل نے بہتیرا زور لگایا۔ تلوار نے ہر چند دھمکیاں دیں مگر لامذہب کا انکار نہ ٹوٹا۔ وہ جہاں تھا وہیں رہا۔

کوئی ایک ثبوت پیش کرتا لامذہب چار تروپین سامنے لاتا زبان اسکی تیز قلم میں اسکے روانی۔ علم میں پورا۔ ارادہ کا پکا۔ بھلا کس کی مجال تھی جو اس کو قائل کرتا اور مذہب کے آگے اس کا سر جھکاتا۔

لامذہب جانتا تھا جس چیز کا خلقت نے مذہب نام رکھا ہے وہ فطرت انسانی کی ایسی رہنمائی ہے جو آدمی کو دائرۂ انسانیت میں قائم رکھ سکے مگر جب میں خود اپنے ضمیر عقل سے اتنی تمیز رکھتا ہوں کہ سوسائٹی اور آدمیت کے خلاف کوئی بات ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان یا اعضائے ظاہری و باطنی سے نہ کروں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ایک ہجوم بے عقلاں میں شریک ہوں۔ اور مذہبی آدمی کہلاؤں کیونکہ مذہب کے پابند زیادہ تر جاہل اور بے عقل لوگ ہوتے ہیں۔ اور مذہب کے راستہ میں چلنے والے کو بیشمار مضحکہ خیز بیوقوفی کی رسمیں بھی ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو مذہب آدمی سے ایسی ناشائستہ حرکات جوش تعصبی میں کرا دیتا ہے جو انسان اور ہوش انسانی کے سراسر منافی ہیں۔

غرض لامذہب کا انکار دن بہ دن پختہ ہوتا گیا۔ پہلے تو لوگ اسکو سمجھاتے تھے تحریری و تقریری اثر اس پر ڈالنا چاہتے تھے۔ اور اب وہ خود دوسرے اہل مذہب کو فہمائش کرتا تھا اور عقل و دلیل کے زور سے اس نے متعدد آدمیوں کو

منکر مذہب بنا دیا تھا۔

جب اس نے دیکھا کہ میرا جادو چل سکتا ہے تو اس نے ایک کتاب اسلام اور عقلیت یا مذہب اور عقل کے نام سے گھڑ ڈالی۔ اور اس کو شائع کر دیا۔

کتاب کے شائع ہوتے ہی توقع کے موافق اہل مذہب جوش میں آ گئے۔ جہاں اس نے تعلیم پائی تھی اسکو برا بھلا کہنے لگے بعض نے نفس تعلیم کو صلواتیں سنا دیں دو ایک نے عقل کے پتھر کا جواب عقلی پتھر سے دیا۔ لامذہب مسکرا مسکرا کر مزے لیتا تھا اسکو تو پہلے سے ان حرکات عجیب کا علم تھا۔ وہ چاہتا تو اس پر ایک پیشین گوئی شائع کر سکتا تھا جو بالکل ہو بہو پوری اترے۔ مگر پیشین گوئی کو بھی وہ مذہب کی ایک شاخ سمجھتا تھا۔ لہٰذا وہ چپکا رہا۔ اور اپنا کام کیے گیا۔

لامذہب کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ شراب سے اسکو نفرت تھی۔ زنا اور جوے کا کبھی اس نے ارادہ بھی نہیں کیا۔ سود۔ فریب۔ غیبت۔ چوری کے گناہ اس نے دانستہ کیا نادانستہ بھی نہیں کیے۔ اپنی روزی محنت سے کماتا تھا۔ اور بڑی بیفکری اور آزادی کی خوش باش زندگی بسر کرتا تھا۔

اس کی زندگی کا پروگرام یہ تھا صبح طلوع آفتاب سے پہلے بیدار ہوتا ورزش کرتا غسل کر کے دودھ پیتا۔ پھر ہوا خوری کو نکل جاتا۔ واپس آ کر کالج کے سبق کی کتاب دیکھتا۔ کیونکہ وہ ایک کالج کا پروفیسر تھا۔ دس بجے کھانا کھا کر کالج جاتا چار بجے واپس آ کر کچھ آسودہ کرتا۔ اور ٹینس کھیلنے ایک کلب میں چلا جاتا وہیں اسکے ہم خیال احباب ملتے جن سے سورج چھپنے کے وقت تک خوش گپی رہتی پھر گھر آ کھانا کھا کر کتاب دیکھتا۔ اخبار پڑھتا۔ اور پاؤں پھیلا کر آرام سے سو رہتا اسکو نمازیوں کی پابندی جیل نظر آتی تھی۔ وہ کہتا تھا وقت کی پابندی کام کے لیے ضروری ہے۔ اس کام کی کیا ضرورت ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔ خواہ مخواہ

وقت ضائع کیا جاتا ہے۔

وہ بہت فیاض تھا۔ اکثر اپنے حصہ کا کھانا کوئی بیکس محتاج سامنے آجاتا تو اس کو دیدیتا تھا مگر روزہ پر اسکو حیرت تھی کہ خلقت کیوں مرتی ہے۔

اس کی آمدنی اتنی تھی کہ ذاتی ضروریات سے روپیہ بچ رہتے تھے۔ ان کو وہ طالب علموں یا اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا تھا مگر زکوٰۃ کے ٹیکس کو وہ فضول سمجھتا تھا کیونکہ اسکو مذہبی قواعد کے ماتحت رہ کر خیرات کرنے سے چڑ تھی

لامذہب پروفیسر میں ایک متقی مسلمان کے اوصاف سب موجود تھے۔ سوائے اس کے کہ اس کا عقیدہ مذہب اور اس کے خدا پر نہ تھا۔ اس کا خیال تھا خدا کوئی چیز نہیں ہے۔ فطرت کے تقاضے سے چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور شکل بدل کر مٹ جاتی ہیں۔

اگرچہ وہ مسلمانی مذہب کا منکر تھا مگر مسلمان قوم پر اس کی جان فدا تھی۔ کیا مجال کہ مسلمانوں کی کہیں توہین ہوتی ہو اور وہ برداشت کرے۔ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ وہ سرحدی جوان تھا۔ ہاتھ پاؤں سب مضبوط تھے دس پانچ کیا سو پچاس آدمیوں کی ہیبت اس پر زرہ کے برابر بھی اثر نہ کرتی تھی۔

لامذہب پروفیسر کو شادی کی رسمیں معلوم کرنے کا بڑا شوق تھا۔ جہاں قوم کی رسومات شادی سنتا۔ موقع بنتا تو خود جا کر دیکھتا۔ کوئی کتاب ایسی ملتی تو بار بار پڑھتا۔ اور مراسم کو یاد کر کے لوگوں کو سناتا۔

یہ سن چکے ہو کہ لامذہب پروفیسر بہت توانا اور تندرست نوجوان تھا۔ پاکبازی کے سبب اس کی صحت جسمانی بہت اچھی حالت پر قائم تھی۔ اور وہ یقین کرتا تھا کہ طبعی عمر سے پہلے اس کو موت نہیں آئے گی۔

یہ یقین اہل مذہب کے ایمان کی طرح مضبوط تھا۔ اور کوئی چیز اسکے خیال

عقلی کو بدلنے والی موجود نہ تھی۔

لیکن یکایک وہ بیمار ہوا۔ اور ایسا کہ باوجود جسمی قوت کے بستر سے اُٹھنا دوبھر ہوگیا۔ اس کے دوستوں نے ڈاکٹروں کا جم غفیر جمع کر دیا۔ جنھوں نے بہت توجہ سے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی۔ اور پھر علاج شروع کیا۔ ڈاکٹروں نے مرض کے جو اسباب تجویز کیے ان کو پروفیسر نے تسلیم کیا اور اسے خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر ٹھیک راستہ پر پہنچے ہیں اور اب مرض کے دفعیہ میں اُنکی کامیابی یقینی ہے۔ ڈاکٹروں نے جو کچھ دوا بتائی اس نے ٹھیک اصول کے موافق ان کو استعمال کیا اور پرہیز بھی ایسا کیا جو پرہیز کا حق تھا۔ یعنے ڈاکٹری مشورہ سے ایک انچہ ادھر اُدھر نہ ہوا۔

مگر پروفیسر حیران تھا کہ دوا اثر کیوں نہیں کرتی۔ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے اور کوئی تدبیر اسکو روک نہیں سکتی۔ اس نے بار بار ڈاکٹر تبدیل کرائے لیکن کسی سے مرض کی روک تھام نہ ہوسکی۔

وہ یونانی علاج کا قائل نہ تھا مگر مجبور ہوکر چند اچھے طبیب بھی بُلائے اُن کی تجویز بھی ڈاکٹروں کے موافق ہوئی مگر دوا پی تو اس کا اثر یہاں بھی ندارد آخر ڈاکٹروں اور طبیبوں نے جواب دیدیا۔ احباب سے نہیں خود پروفیسر سے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پروفیسر ڈرنے والا آدمی نہیں ہے۔

پروفیسر نے اس فیصلہ کو بہت اطمینان سے سُنا۔ اسکی نسل موت سے کبھی نہیں ڈرتی تھی کہ عقل و فلسفہ سے اس کے دماغ کی پرورش ہوئی تھی اور وہ موت کو زندگی کا ایک لازمی اور ضروری حصہ سمجھتا تھا۔ اس واسطے اس نے ڈاکٹری رائے کی کچھ پروا نہ کی۔ اور اطلاع مرگ سے ہوش باطنی اور حواس ظاہری کو پراگندہ نہ ہونے دیا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ پروفیسر کے اعصاب دل و

دماغ ہی نے اس خبر کو زیادہ اہم نہیں سمجھا تھا۔
مگر اسکے ساتھ ہی وہ اپنے قوائے حفظ ماتقدم پر بار بار زور ڈالتا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ میرا مرض ان امراض میں نہیں ہے جن کا علاج ڈاکٹروں کو معلوم نہیں یہ تو بیماری ہے جسکی حقیقت سے اور اسکی دوا سے میں خود اناڑی آدمی تک واقف ہوں پھر کیا وجہ ہے جو دوا اپنا اثر نہیں کرتی۔ مجھے آخر دم تک تدابیر اور کوشش سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹروں کا فیصلہ نیچر کا فیصلہ نہیں ہے۔ آدمی کی رائے میں غلطی کا امکان موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بشریت سے سب ڈاکٹروں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔

یہ خیال کرتے ہی اسکے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ اس کا ضمیر خود بخود نادم سا ہو گیا۔ کیونکہ اس خیال کی لہر کے ساتھ دوسرے گوشہ خیال سے یہ موج پیدا ہوئی تھی کہ اسی طرح خدا کے وجود کو نہ ماننے میں ممکن ہے میری بشری بھول ہو اور مرض کو لاعلاج خدا ہی نے کر دیا ہو تاکہ وہ میرے انکار مذہب کو زک پہنچائے۔ اس خیالی جنبش نے پروفیسر کو کچھ گھبرا سا دیا۔ اسکے چہرہ پر پسینہ آ گیا۔ دل کی حرکت تیز ہو گئی مگر فوراً ایک تیسرے خیال نے اسکے اوسان درست کر دیے۔ جو یہ تھا۔

ہر انسان میں قدرتی طور پر لیاقت اور نالائقی۔ قوت اور کمزوری ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ اگر علم و تربیت سے لیاقت اور طاقت کو سہارا ملا تو وہ نالائقی اور کمزوری پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ ورنہ انسان پر غلبہ نالائقی اور کمزوری کا ہو جاتا ہے۔ چونکہ میری تعلیم و تربیت اچھی ہوئی ہے میں اپنی کمزوریوں پر غالب تھا۔ مگر اب بیماری کے سبب اعضائے دماغی ناتوان ہو گئے ہیں اسواسطے عقیدہ کی کمزوری

اُبھرتی ہے۔ اور مجکو خدا اور مذہب کی حقانیت کا وہم دلاتی ہے
پس مجھے پختہ ہونا چاہیے۔ اور دنیا سے چلتے وقت ایسی بے عقلی کی
حرکت سے اپنے کیریکٹر کو گندہ نہ کرنا چاہیے۔

اس خیالی موج نے پروفیسر کے بحر قلب کا وہ بُلبلا توڑ ڈالا جسمیں ابھی ساری عمر کے بعد تصور خدا کی ہوا سمائی تھی۔ اور وہ ہمہ تن صاف سینہ ہو کر پھر اپنے مرض پر غور کرنے لگا۔

سکرات کا آلارم

افسوس اجل نے پروفیسر کو مزید غور و فکر کی مہلت نہ دی اور اپنی آمد کا گھنٹہ بجانا شروع کر دیا۔

پروفیسر نے بہت کم موت کا فلسفہ پڑھا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی جوان تھا اور اس وقت کی تیاری کو ضروری نہ سمجھتا تھا۔ نہ اس نے اور لوگوں کے مرنے میں کبھی شرکت کی تھی۔ جو مرنے کی حالت سے واقف ہوتا۔ اس واسطے موت کی آمد کا عقلی نشان اس کو معلوم نہ تھا تاہم وقت آخر کی جسمانی کوفت سے اس نے سمجھا کہ یہ کیفیت مرض کی تکلیف سے کچھ الگ سی ہے۔ شاید کچھ پیش آنے والا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹروں کی رائے کے موافق موت آئی ہو۔ اگر موت آتی ہے۔ اور اگر مذہب والے سچے ہیں۔ اور اگر موت کے وقت فرشتے آیا کرتے ہیں تو وہ کہاں ہیں۔ مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ سب فرضی کہانیاں تھیں۔ یا شاید مجھے موت ہی نہ آئی ہو موت نہیں آئی تو فرشتے کیونکر آئے۔

پروفیسر اپنے خیال پر جھلایا کہ گھڑی گھڑی خدا اور مذہب کا دھیان کیوں آتا ہے۔ موت آئی ہے تو میں خوشی سے زندگی دینے کو تیار ہوں۔ پر حق پر

خیالات میں بیان کیوں دوں۔

اسی کشمکش میں تلوؤں میں کسی نے بجلی کی مشین لگادی۔ جس سے بدن کے پٹھے اکڑنے لگے۔ اور پروفیسر کو سخت تکلیف ہونے لگی۔ وہ تڑپنا چاہتا تھا مگر تڑپ نہ سکتا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اسکی آواز نہ نکلتی تھی۔ وہ پیروں کے سمیٹنے کی خواہش میں تمام جسم کی قوت خرچ کر رہا تھا مگر پاؤں ہلتے تک نہ تھے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پاؤں سامنے پھیلے ہوئے ہیں لیکن اسکے ارادے اوپر کو نہیں سمٹتے۔ زبان کا حس معلوم ہوتا تھا کہ وہ منھ کے اندر موجود ہے مگر وہ بولنے سے گویا انکار کرتی تھی۔ پروفیسر نے اس بے اختیاری سے ہراساں ہو کر بلنگ کے آس پاس اپنے احباب کو دیکھا۔ لیکن کسی دوست نے اسکے مطلب کو نہ سمجھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی فریاد اُن سے کرے۔ کسی کی مخالفت بھی نہ تھی۔ کوئی روکنے والا نہ تھا مگر زبان پر قفل لگ گیا تھا۔ اور اسی بات سے پروفیسر زیادہ گھبرایا اور مایوس تھا۔

بجلی کی مشین موجود نہ تھی۔ مگر پروفیسر کو معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اسکے پیروں پر بجلی لگی ہوئی ہے جو اسکی رگوں اور پٹھوں کو کھینچ کھینچ کر توڑے ڈالتی ہے۔ اسے معلوم ہوا کہ دماغ نشتر سے چیرا جاتا ہے۔ اور میں دماغ کے اندر آباد ہوں۔ اس واسطے اس نے پھر کوشش کی۔ اور پکار پکار کر کہنا شروع کیا اس گھر کے اندر میں ہوں۔ اس کو نہ توڑنا۔ اس کو نہ چیرنا۔ مگر اسکی چیخ پکار سے اسکو تسلی نہ ہوئی۔ اس واسطے اس نے خیال کیا کہ میری آواز شاید کسی نے بھی نہیں سُنی۔ ہائے میں کیسا بے کس ہو گیا ہوں۔

اب اسے معلوم ہوا کہ میں ہزاروں کوس اونچے مینار سے نیچے گر رہا ہوں۔ اور نیچے گرتے وقت کلیجہ میں جو ایک سناٹا سا ہوتا ہے اس کا حس

پروفیسر کو بہت تیزی سے محسوس ہونے لگا۔

پھر معلوم ہوا کہ دل میں ایک دریا ہے جس مینار پر سے اسکے اندر گر پڑا۔ بہت دیر تک تو دریا کی تہ میں ڈبکیاں کھاتا رہا آخر اوپر ابھرا۔ اور پانی سے گردن باہر نکالی۔

گردن نکلی تھی کہ اسکو یہ معلوم ہوا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ پلنگ پر لیٹا تھا۔ دوست چاروں طرف بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر آلہ سے دل کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

پروفیسر نے ڈاکٹر سے کہا کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جو میری زندگی کو موت کے ہاتھ سے بچالے۔ ڈاکٹر کوئی خدا پرست آدمی تھا۔ بولا سوائے خدا کے کسی میں یہ طاقت نہیں۔

پروفیسر۔ اس چیز کا نام مت لو۔ کیا ایسے عقل اور سائنس کے زمانہ میں انسان جیسی ہستی موت کو روکنے سے عاجز ہے۔ تو کیا تاریک اور وحشی زمانہ کا خدا اس وقت میں بھی ہم لوگوں پر کچھ اقتدار رکھتا ہے۔

یورپ و امریکہ نے بڑی بھول کی جو اسباب حیات کے لیے آلات بنانے میں مصروف ہوگئے آسائش جسمانی کی ترقیوں کے لیے انہوں نے اپنی عقلوں کو خرچ کیا۔ کاش وہ سب کے سب موت کی حقیقت معلوم کرتے کاش وہ اتنا سمجھ لیتے کہ تھوڑی دیر کے واسطے موت کیونکر رُک سکتی ہے۔ آہ میں زندہ رہ سکوں تو ساری زندگی اسی دریافت میں خرچ کردوں گا۔ ارے کوئی تو ایسا آئے جو مجھے اسوقت مرنے نہ دے۔ کوئی تدبیر تو ایسی نکالو کہ موت مجھکو مہلت دیدے۔

ہائے یہ کمپونڈ کے درخت کیسے زندگی میں آزاد کھڑے ہیں اور میں انکا مالک جاں دے رہا ہوں۔ یہ میز کرسیاں موجود رہیں اور میرا وجود فنا ہوجائے

اس بنگلہ کی چھت بھی میرا ساتھ نہیں دیتی۔ زندگی میں یہ مجکو دھوپ اور بارش سے بچاتی تھی۔ میری کتابیں الماری میں خاموش رکھی ہیں وہ بھی کچھ نہیں بولتیں۔

میں آدمی ہوں۔ عقل کا پتلا ہوں۔ کیا ایسی عاجزی اور لاچاری کا وقت بھی پیش آنے والا تھا جسکا علاج میرے پاس نہیں۔

یہ کہتے کہتے پھر بجلی اسکے پیروں میں لگائی گئی۔ اور پہلی سی تکلیف اسکو ہونے لگی۔

اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وحشی ایام کے خدا سے مدد مانگوں گا۔ اسکا اقرار کروں گا۔ بیشک وہ ہے اسکے خیال کرنے سے مجکو تسلی ہوتی ہے۔ مجھے حضرت علیؑ کا قول یاد ہے کہ اگر موت کے بعد کچھ نہیں ہے تو خدا پرست اور منکرین خدا کی یکساں حالت ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا عالم مرنے کے بعد ہے تو خدا پرست فائدے میں ہیں اور منکر گھاٹے میں۔ بیشک علیؑ کا فلسفہ سچا ہے خدا کے اقرار میں لذت ہے۔ اور اسکے انکار میں بیکسی و مایوسی۔ وہ ضرور موجود ہے۔ نہوتا تو انسان اس وقت مجبور کا چارہ کار ضرور پیدا کر لیتا وہی نہیں کرنے دیتا۔ اسی نے دواؤں کو بے اثر کر دیا۔ وہی عقل کو مغلوب کر رہا ہے۔

اے خدا تو جہاں ہے میری سن میں تجکو تسلیم کرتا ہوں۔ میں تیرا اقرار کرتا ہوں۔ میں اپنے نام محمد ظریف کے پہلے حصہ کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ محمدؐ تیرا فرستادہ تھا۔ میری عقل کا سلام اسکو پہنچا۔ اور اس بیچینی میں میرا سہارا بن۔ موت سے بچا لے۔ یا اسکی دشواری کو آسان کر۔

یہ کہتے ہی پروفیسر کے بدن میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ تکلیف جاتی رہی

اور ایک طرح کی لذت کا اثر اسکو محسوس ہوا جسم کے رونگٹوں سے کوئی چیز نکلتی معلوم ہوی۔ آنکھوں پر نیند کا سا غلبہ ہوا۔ اور ایک ہچکولا ایسا لگا کہ پروفیسر نیند سے چونکتا سا رہ گیا اور پھر اسے خبر نہوی کہ وہ کہاں ہے کیسا ہے کیا تھا کہاں تھا۔ اور اب کہاں چلا گیا۔

حسن نظامی

کاش ذلت کا تواتر زندگی بخشتے ہمیں

اے ضیاء دین یہ کیا ہیہ سکون مرگ خیز — پھیل جا چاروں طرف ہو بحر و بر میں جلوہ ریز
ڈنگ آلودہ ہیں دل یا شرک سے ماؤف ہیں — شمع رخصت ہو چکی فانوس ہی فانوس ہیں

آہ

ہائے دور پارساں کا وہ توکل اب کہاں — کفر ہے معبود خالق سے توصل اب کہاں
وہ سحر خیزی کہاں وہ شب کی بیداری کہاں — دین کی الفت میں اب دنیا سے بیزاری کہاں
احتساب نفس تحریص نکوکاری کہاں — بے غرض اشیاء درماندوں کی غمخواری کہاں

اب تو

تشنۂ مضراب اک مدت سے ہے تار حیات — اس جمود عام میں گم ہو گیا ذوق حیات
ہستی مسلم کو گر ممنون بیتابی ذرا — دیکھنا پھر تو تماشائے عنان تابی ذرا

ہاں

نیند کے ماتوں کو پھر اک بار تو بیدار کر — سونے والوں کو ذرا غفلت سے پھر ہوشیار کر
جم گیا ہے خون گو نس نس میں غیرت ہی نہیں — ذلتوں پر ہے قناعت خواہش عزت نہیں

بس

کر دیا غارت سکون عام نے علوی ہمیں
کاش ذلت کا تواتر زندگی بخشتے ہمیں

سید ظفر احسن علوی ناظم دائرۃ الادب دہلی

مذہبی خیال

(۲)

اس مضمون کے نمبر (۱) میں جو دسمبر ۱۹۱۶ء کے "تمدن" میں شائع ہوا ہے مذہبی خیال کی تاریخ فلسفۂ عقلی کے نقطۂ خیال سے مجملاً بیان کی گئی ہے۔ اب اسی مضمون پر مذہبی نقطۂ خیال سے نظر ڈالنی منظور ہے۔ پہلے مضمون کے آخر حصہ میں مذہبوں کی تقسیم ہم نے اس طرح کی ہے۔

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰؑ۔

(۲) عیسویت۔

(۳) اسلام۔

ان کل مذاہب میں اصولاً دو باتیں مشترک ہیں۔ ایک یہ کہ زندگی کی ہر بہتری کا سلسلہ خدائے احد حی قیوم و لاشریک پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان اپنے خالق و مالک کی مرضی کو معلوم کرنے اور اُسکے موافق عمل کرنے کا مستحق ہے۔ وجدانی طور پر ہدایت انسان کو بذریعہ اس نور مسطور کے عطا ہوئی ہے جسے روح کہتے ہیں۔ مگر عالم اسباب میں اور انسانوں کی مشترک اور متمدن زندگی کے اصولوں کو مدنظر رکھکر خدائے کریم و کارساز نے اس کام کو انبیائے علیہم السلام کے سلسلہ ذریعہ سے انجام دلایا۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ تک کی تعلیم کا لب لباب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے وجدان میں خوف اور تکلیف سے بچنے کا عنصر غالب ہے اور انبیا علیہم السلام کی تعلیموں میں سزا اور جزا پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ آخرت کی تکالیف سے بچنے کے لیے دنیا کی تکالیف میں پڑنا اور جائز راحتوں اور خوشیوں کو قربان کرنا نیکی میں داخل سمجھا گیا۔ سزا کی حدود جزا سے یہاں تک بڑھیں کہ اکثر اوقات انبیاء علیہم السلام نے انسان کو خود تنبیہ کرنا کافی پاکر بارہا درگاہ رب العزت میں اپیل کیا اور عذاب نازل کرایا۔ رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب دنیا میں کافروں میں سے ایک کو بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑ) تک نوبت پہنچی۔ اور طوفان نوح مذہب کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ بنا۔ اس دور عظیم کے وجدان اور تعلیم دونوں میں فطرت انسانی۔ اور اُسکی استعداد ترقی کی جلوہ گری سے اسقدر سروکار نہیں معلوم ہوتا جسقدر یہ خیال نمایاں طور پر پایا جاتا ہے کہ حیات انسانی محض بے ثبات ہے اور نجات کا تعلق اعمال حقیقی سے کم ہے اور نجات دینے والے سے ہر وقت ڈرنے۔ اُسکی حمد و ثنا کرنے اور مقررہ رسوم جن سے وہ خوش ہو جاتا ہے ادا کرنے سے زیادہ ہے۔

دور عیسویت کا وجدان اور تعلیم دونوں اصولاً صرف اس کوشش میں وقف معلوم ہوتے ہیں کہ خوف رفع ہو اور اس کا بدل محبت سے ہو جاوے۔ انسان کا خاطی حقیقی ہونا بطور اصول موضوعہ کے مان کر رفع خوف کی تدبیر کفارہ سے کی گئی اور فطرت انسانی سے اسقدر استغنا بھا گیا کہ ایک گال پر طمانچہ کھانے کے بعد دوسرا گال حاضر کر دینا نیکی سمجھا گیا۔ ان دونوں مقدس دوروں کے اختتام پر ان مذاہب کی دنیا دو بڑے کیمپوں میں تقسیم تھی۔ جن پر خوف طاری تھا وہ اپنی جائز سے جائز فطرتی خواہشوں کو مار کر حقوق انسانیت کو گونہ نظر انداز کرتے تھے اور اس کا نام محبت خدا رکھتے تھے۔ اور جن کا قدم خوف کے دائرہ سے

باہر نکل گیا تھا وہ ہر خواہش کا پورا کرنا گویا حقوق انسانیت کا ادا کرنا سمجھتے تھے۔ عقائد کے اختلاف اصولی کم مگر فروعی بہت زیادہ ہو گئے تھے اور خدا۔ روح۔ اعمال۔ اور نجات کے اہم مسائل پر توجہ کم ہوتی تھی مگر بانیان مذہب کی ذات اور اُن کے متعلق برتر سے برتر عقائد رکھنے میں بیحد شغف کیا جاتا تھا۔ اسی سے دور دوم میں تثلیث مقدس کی بنیاد پڑی یعنی مطمح نظر ذات واحد سے وسیع یا منتشر کر کے غیر اللہ کے حقوق تک محیط کیا گیا۔ اسلام نے دنیا میں آکر صالح الکیموس بننے کی کوشش کی جسکے وجدان اور تعلیم کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدائے واحد لاشریک لہ ہے اور افضل سے افضل پیغمبر بھی دائرۂ الوہیت میں شامل نہیں ہے۔

(۲) رضاجوئی جو عملاً محبت کی روح رواں ہے۔ خدا اور بندوں کے تعلقات میں غالب عنصر مانا گیا اور خوف کے ساتھ رجا کو چسپاں کر دیا گیا۔

(۳) پیغمبر رضائے الٰہی کا علم پاکر دنیا کو وہ علم پہنچاتے ہیں اور انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں اور سب سے افضل ہیں اور اسی لیے بہترین نمونہ ہیں کہ باوجود اس برتر علم سے مشرف ہونے کے پھر بھی بشر رہتے ہیں۔

(۴) فطرت انسانی کو ہر اہم شعبۂ حیات میں ملحوظ رکھنا۔ اسکو نتھارنا اور سنوارنا۔ بعد عقائد کے نجات کی شاہراہ تسلیم کیا گیا۔

(۵) دنیا انسانوں کے رہنے اور اچھی طرح رہنے یعنی پاک منشی اور پاک بطنی کے ساتھ رہنے کے لیے بنائی گئی ہے اور خواہشات جسمانی اور نفسانی حق رکھتی ہیں کہ اُن کو اعتدال کے ساتھ پورا کیا جائے اور اس اعتدال کو محفوظ کرنے کے لیے چند ضروری قیود و شرائط لگادی گئی ہیں۔

سرفراز حسین قاری

ایک منظر کو دیکھکر

نہیں، نہیں، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ تیرے لطیف جسم، تیرے دلکش چہرے، تیرے چمکدار بالوں کے مجموعہ کے علاوہ، تیرے ہونٹوں کے ساوی تبسم نے تجھے اسقدر مافوق الامل بنا دیا ہے کہ واللہ میں نہیں چاہتا۔ لیکن ان تمام چیزوں نے تجھے اُس کے ساتھ، اُسے مجھکو نہ چاہنے والی کے ساتھ اتنا مشابہ کر دیا ہے کہ تو نے وہ زمانہ، وہ پُر لطف زمانہ یاد دلا دیا جو میں نے اُس کے ساتھ ان تاروں بھری راتوں، ان شب ہائے ماہ میں خاموش تنہا گوشوں میں گذارا ہے۔

جیسا کہ تیرے ہاتھ میں ستار ہے، اور تیری نازک اُنگلیاں، اس کے تاروں کو ایک لرزش رقص سے، پُر نغمہ بنا دیتی ہیں، اسی طرح اُس کے ہاتھوں میں میرا دل تھا۔

میرا دل، میرا سارا دل، اب تمام دکھوں سے دکھا ہوا میرا بدبخت دل اسکے ہاتھوں میں تھا، اور ان شبہائے ماہ، ان تاروں بھری راتوں میں خاموش و تنہا گوشوں میں، وہ میرے کندھے پر اپنا سر رکھے ہوئی تھی اور میرے قلب پر اپنا ہاتھ؛ اور اُس پر ذوق عشق سے بھرے ہوئے قلب سے ترانہ ہائے وجد پیدا ہوتے تھے۔

اور جس طرح یہ تار تیری نازک انگلیوں کے دیوانہ وار مخمور بوسے لیتے ہیں، اور تیری انگلیاں جب اُن سے جدا ہوتی ہیں تو ان تاروں کی تھرتھراہٹ سے اک نالۂ افراق پیدا ہوتا ہے، اسی طرح میرا قلب اُس سے جدا ہونے کے خوف سے اسقدر

کانپتا تھا کہ جب وہ اپنی جادو بھری آنکھوں کو میرے ہونٹوں کے سامنے کرتی تھی تاکہ میں انھیں چوموں، تو میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ میں پیار کروں گا تو ہم جدا ہو جائیں گے اور میں اُن آنکھوں کو جو چومی جانے کے لیے میرے ہونٹوں کے قریب لائی جاتی تھیں پیار نہ کر سکتا تھا۔

آخر، ان شبہائے ماہ میں، ان تاروں بھری راتوں میں، ان خاموش و تنہا گوشوں میں، میں اکیلا رہ گیا۔ وہ نہ آئی اور آہ! میں اس خوف سے کہ ہم جدا نہ ہو جائیں پیار بھی نہ کر سکا تھا۔

لیکن آج میں نے تجھے دیکھا جس حسن مجرد سے تو منسوب ہے میں اُسی کا واسطہ دیتا ہوں، کہ اپنے عورت پن کو بھول جا، اور ذرا کی ذرا شاعر ہو جا۔ اور اُس دل کو خوش کر جو اس یاد کی وجہ سے محزوں ہے کہ اُن آنکھوں کو اس اندیشہ سے پیار نہیں کیا کہ ہم جدا ہو جائیں گے۔

کیا تو آنکھیں نیچی کیے اُن دنوں کو دیکھ رہی ہے، جو پاؤں کے نیچے پڑے ہیں ذرا سر اُٹھا کہ میں تیری آنکھوں کو دیکھوں۔

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ تیرا لطیف جسم، تیرا گدرہ چہرہ، تیرے چمکدار بال، اور ان سب کے علاوہ تیرا ہلکا تبسم تجھے اسقدر مافوق الامل بنائے دیتا ہے کہ میں کچھ اور چاہ ہی نہیں سکتا۔

مگر آہ! اے حسین عورت، تیری آنکھیں اُسکی آنکھوں سے، اُسکی جادو بھری آنکھوں سے اسقدر مشابہ ہیں! اُن آنکھوں کو تو میں پیار ہی نہ کر سکا، دل بھر کر چوم ہی نہ سکا، تو آ اور ذرا کی ذرا شوخ و دلباز ہو کر مجھے اجازت دے کہ تیری آنکھوں کو چوموں اور اس دفعہ چومتے ہی جان دیدوں۔

ییلدرم

انسان کی اوّلین تاریخ

بنی نوع انسان اپنی حقیقت اور اصلیت پر بہت قدیم زمانہ سے متفکر رہا ہے اُسے نہایت حیرت تھی کہ ہم کیونکر اور کہاں سے اس عالم وجود میں آئے۔

وہ جس قدر اس باب میں غور و خوض سے کام لیتا تھا۔ اور جو جو تصور اُس کے ذہن میں قائم ہوتے تھے۔ اُسی قدر اُسکو اپنی ہستی تعجب خیز اور ایک طلسم کدہ نظر آتی تھی اگرچہ اُسکی حیرت و استعجاب کی کوئی مفصل داستان ہم یہاں بیان کرنا نہیں چاہتے اور نہ اُسکی ضرورت سمجھتے ہیں تاہم انسان کی ابتدائی تاریخ، جس قدر بھی ممکن ہے آثار قدیمہ اور وحشی قبائل کی موجودہ حالت سے استنباط کرکے ضبط تحریر میں لائیں گے۔ لیکن اس موضوع اور اصل بحث کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دوسرے کم مرتبہ حیوانات میں جو تفاوت اس وقت پایا جاتا ہے اس پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

مشاہدہ اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض اطراف ممالک میں اسوقت تک دونوں ایک حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یعنی انسان اور حیوان دونوں کا صرف یہ کام ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھتے بھالتے کانوں سے سُنتے اور بھوک پیاس کا احساس کرلیتے ہیں اور یہ ضرورت بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ غذا کے ذریعہ سے بھوک پیاس کو دفع کریں۔ اسکے بعد دنیا میں اُنھیں کوئی کام نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مختلف قسم کے آلات اور اوزار کو استعمال میں لانا۔ انسان کی خصوصیات میں سے ایک ایسی خصوصیت ہے جو اُسے دوسرے حیوانات سے ممتاز کردیتی ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ جس وقت کوئی وحشی اپنے لیے کچھ تن آسانی کا انتظام کرنا چاہتا ہے یا کوئی جھونپڑا اپنی حفاظت کے لیے بناتا ہے یا کچھ آذوقہ

اپنے پیٹ کے لیے ہم پہنچاتا ہے تو اُس کی تمام نقل و حرکت ایک خرگوش یا آبی کتے یا طیور سے کچھ زیادہ مختلف نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم انسان اور حیوان میں یہ فرق ظاہر ہے کہ انسان اپنی ضروریات کو بغیر آلات کی مدد اور استعمال کے ہم نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ اس سے قبل کہ وہ کسی درخت کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے اُسے کاٹے اُس کے لیے ضرور ہے کہ ایک کلہاڑی مہیا کرے۔ بخلاف اس کے مذکورہ حیوانات کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے رہنے کے لیے محفوظ گڈھے۔ اور سوراخ اور آشیانے (گھونسلے) صرف اُنھیں اعضاء کی مدد سے بنا لیتے ہیں جو دست قدرت نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور کسی دوسری چیز کو کام ہی میں نہیں لاتے اور نہ لا سکتے ہیں کیونکہ اتنی عقل اُن کو نہیں ملی ہے۔

زمین کی کاشت ہی کو دیکھ لیجیے کہ انسان بغیر کدالی پھاوڑے وغیرہ کے کسی کام کو پورا نہیں کر سکتا اور جب تک کہ کوئی آلہ واوزار مزروعات کے دور کرنے (کاٹنے) کے لیے نہ بنائے، ممکن نہیں کہ جو کچھ اُس نے بویا ہے اُس کو کاٹ سکے، حالانکہ ادنیٰ مرتبہ حیوانات بغیر کسی ایسے آلہ اور اوزار کے اپنے اور اپنے بچوں کی ضروریات (یا احتیاج) کو برابر مہیا کرتے رہتے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ حیوانات (باوجود اس قوت و قدرت کے) کچھ ترقی نہیں کر سکتے بلکہ ہنوز اپنی ابتدائی حالت میں ہیں۔ بعض فلاسفہ[1] یورپ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان سے پہلے اس دنیا میں بندر رہتے تھے وہی درحقیقت ترقی پذیر انسان ہیں مگر جب ہم غور و خوض سے کام لیتے ہیں تو صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ موجودہ زمانے میں بھی تمام بندر بعینہٖ اپنے اسلاف کے مانند اخروٹ وغیرہ کو منھ سے توڑ لیتے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اُچکتے کودتے اور اپنے بچوں کو پیٹ سے چپکائے ہوئے لیے پھرتے ہیں۔ ذرا سا تفاوت بھی ان کی رفتار و کردار میں نہیں پایا جاتا۔

[1] ڈارون اور اُس کے مقلدین۔

اب ہم جو آدمیوں کی حالت کو مشاہدہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ کس قدر ترقیاں کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔ انھیں اہالی انگلستان کو دیکھیے کہ آج سے دو ہزار سال قبل وہ نقشین خط و خال کے وحشی انسان تھے۔ صرف جانوروں کی کھال اُن کا لباس اور اوڑھنا بچھونا تھا۔ غاروں میں جہاں کوئی پناہ کا ٹھکانا پاتے تھے۔ وہیں رہ پڑتے تھے۔ مگر اب دیکھیے اُن کی حالت کس درجہ ترقی یافتہ ہے۔ اور کیونکر وہ سب کے سب نہایت نفیس پوشاک سے آراستہ ہیں۔ کیسے کیسے عالی شان مکانات و محلات میں رہتے ہیں اور بخوبی لکھنے پڑھنے پر قادر ہیں۔ صرف قادر ہی نہیں بلکہ نہایت اعلےٰ قسم کی کتابوں کے مالک و مصنف، ریویو اور تمام تمدن و ترقیات کے مخترع و بلاشرکت غیرے مالک بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے کم مرتبہ حیوانات میں سے کسی کو مجال نہیں کہ وہ کوئی تحریر پڑھ تو سکے۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ آگ کیونکر روشن کی جاتی ہے۔ اگرچہ بندروں کو دیکھا گیا ہے کہ جو آگ مسافر چھوڑ جاتے ہیں اُسکے گرد بیٹھکر تاپتے اور اپنے جسموں کو گرم کر لیتے ہیں لیکن ان بندروں میں سے کسی میں اتنی طاقت اور عقل نہیں کہ اور لکڑیاں لگا لگا کے اُس آگ کو بہ دیر قائم رکھ سکیں۔

قادر کائنات نے ہر جاندار کو جس ملک میں وہ رہتا ہے وہیں کی آب و ہوا کے موافق ایک پوشش بھی عنایت فرمائی ہے۔ لیکن نیی نوع انسان اس دنیا میں برہنہ بھیجا گیا۔ وہ مختار و مجاز ہے کہ جو لباس اُس کے مسکن کے آب و ہوا اور موسم کے لحاظ سے موافق و مناسب ہو اُس سے اپنے جسم کو مزین کرے۔ بالفرض بڑے بڑے بالوں کی کھال پہنا بھی دی جاتی تو یقیناً گرم ہوا میں آرام و راحت سے زندگی گذارنا اُسکے لیے نہایت دشوار و محال تھا۔ انسان کے دنیا میں برہنہ آنے کا یہی راز ہے کہ وہ موسم و ملک کی آب و ہوا کے موافق لباس بنا سکتا ہے اور یہیں سے اُسکی اور ترقیوں کی داغ بیل پڑتی ہے۔

محوی لکھنوی

اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

"عنترہ کا عشق اور اُسکی غیر معمولی شجاعت"

(سلسلے کے لیے ماہ دسمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ اپنی ابتدائی جوانی سے عبلہ پر فریفتہ تھا اپنے اسی زمانہ کے کلام میں ایک مطلع کہتا ہے۔

رمتِ الفوادَ مُلیحۃ عذراء بسہام لحظ ما لھن دواء

ایک خوبصورت اور پاکباز معشوقہ نے اپنے اُس تیر نظر سے میرے دل کو زخمی کردیا جس کا کوئی علاج نہیں۔

ملاحت کی طرف طبعی جذب اور عذراء (باکرہ) کی طرف نفسانی میلان کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنترہ نے کسی کے لاعلاج تیر نظر سے زخمی ہونے کے کیا اچھے اسباب اپنے اس مطلع میں ذکر کیے ہیں۔

مالک (عبلہ کا باپ) نے جب کسی طرح عبلہ کو عنترہ کے ساتھ نہیں بیاہا تو اُس نے اپنی قوم سے مدد چاہی لیکن قوم نے بھی اس معاملہ میں اُسکا ساتھ نہیں دیا تو ایک قصیدہ میں قوم پر اپنے احسانات جتا کر شکایت کرتا ہے

بنیتُ لھم بالسیف مجدا مشیدا فلما تناھی مجدھم ھدموا مجدی

یعیبون لونی بالسواد وانما فعالھم بالخبث اسود من جلدی

تمام قبائل سے لڑائیاں لڑ لڑکر جب میں نے تمہاری بزرگی منوادی تو اب تم میری فضیلت کو بھلائے دیتے ہو اور جب میں عبلہ کا اشتیاق ظاہر کرتا ہوں تو مجھ پر سیاہ فامی کا عیب لگاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ تمہارے افعال خبیثہ

میرے کالے رنگ سے زائد تاریک ہیں۔

انسان کی اچھائی بُرائی اُس کے افعال و عادات پر موقوف ہے نہ کہ اُسکی ظاہری خوبصورتی اور بدصورتی پر پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ مجھ کو بُرا تصور کرتے ہو جب کہ میرے خصائل آئینہ کی طرح روشن اور تم سبھوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ہمارے پچھلے ہیرو نے نہایت زبردست استدلال سے اپنا حق جتایا ہے لیکن پھر بھی ہم قوم کو اُس کا ساتھ نہ دینے پر محض اس وجہ سے معذور سمجھتے ہیں کہ شریک زندگی کے مسئلہ میں حُسن سیرت کے ساتھ حُسن صورت کو بھی اچھا خاصہ دخل ہے۔

اسی عرصہ میں جب کہ عنترہ عبلہ کے ساتھ نکاح کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایک شخص روضہ ابن مقبع نامی عبلہ کے حُسن کا شہرہ سُن کر اپنے وطن سے اُسکے ساتھ شادی کرنے کا پیغام دینے بنی عبس میں آیا عنترہ کو جب اس کی خبر لگی تو جھٹ اُس سے لڑنے کو تیار ہو گیا اس موقع پر ایک رجزیہ قصیدہ اُس نے نظم کیا جس کے آخر میں روضہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

یا ظاعنا فی ھلاکی غیر بلا طمع ولا ترد کأس حتفہ انت شاربہ

اے میری موت کے خواہاں اب تو بلا طمع کے لوٹ کر نہیں تجھ کو یہیں ٹھنڈا کیے دیتا ہوں [illegible] کی خواہش کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے اب میرے سامنے آکر تو موت سے نہیں بچ سکتا کیونکہ میں تجھکو ضرور مار ڈالوں گا

اس واقعہ کے بعد مالک نے عنترہ کا دل رکھنے کے لیے اُس سے شادی کا وعدہ کر لیا ہنوز کوئی امر طے نہیں پایا تھا کہ عبلہ کا حُسن پھیر رنگ لایا یا زیادہ صحیح

بڑا لڑکا عمارہ اُس پر عاشق ہوگیا اور شادی کا پیغام دیا۔ عبلہ کے باپ مالک اور بھائی عمرو نے اُس کی دولت و ثروت اور شہرت کی وجہ سے منظور کرلیا اور عنترہ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کی کچھ پروا نہ کی۔

عنترہ کو اُن کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور عمارہ کی طرف سے رقابت کی آگ اُس کے دل میں سُلگ اُٹھی۔ ایک قصیدہ میں اس واقعہ کو ذکر کرتا ہے پہلے اپنا حق جتاتا ہے پھر ڈراتا دھمکاتا ہے۔

ویُرجی الوصل بعد الھجر حینا کما یُرجی الدنوُّ من البعاد
حلمتُ فما عرفتم حق حلمی ولا ذکرت عشیرتکم ودادی
ساجھل بعد ھذا الحلم حتی اُریق دمَ الحی اضرو البوادی

ایک طویل ہجر کے بعد وصال کی امید بندھتی ہے جیسا کہ دور ہونے کے بعد قربت کی خواہش پیدا ہوتی ہے یہی حال میرا ہے کہ مَیں نے عبلہ کے عشق میں بہت صبر کیا اور اب وصال کی امید بندھی ہے لیکن تم لوگوں نے میرے صبر و تحمل کی کوئی قدر نہ کی اور نہ میری محبت کا کچھ خیال کیا اور عمارہ کے ساتھ عبلہ کو بیاہنے کی گفت و شنید کرنے لگے جو کسی طرح ممکن نہیں۔ اگر یہی حال تم لوگوں کا رہا اور آسانی سے تم نے میری خواہش کو نہ منظور کیا تو یاد رکھو کہ مَیں اپنے گذشتہ حلم و صبر کو بالکل بھلا دوں گا اور اُس وقت تک کشت و خون سے دم نہ لونگا تاوقتے کہ تم سبھوں کا خون پانی ایک نہ کردوں۔ آگے خود عمارہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

لقد عادیت یا ابن العم لیثا شجاعا لا یمل من الطراد

اے ابن عم تونے ایسے بہادر شیر سے دشمنی مول لی ہے جو کبھی لڑائی سے تھکنے والا نہیں۔

مالک نے جب یہ کیفیت دیکھی تو عنترہ کی شخصیت سے مرعوب ہوکر اپنے ارادہ سے باز آیا اور عمارہ کو صاف جواب دیدیا۔ عمارہ کو اپنی ثروت وحشمت پر نظر کرتے ہوئے عنترہ کے مقابلہ میں اپنی ناکامیابی بیحد شاق گذری اور اُسی وقت سے اُسکے دل میں عنترہ کی طرف سے ایک کینہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اپنی قوم سے کہتا تھا کہ تم لوگوں نے خواہ مخواہ عنترہ کو اسقدر بڑھا دیا ورنہ حقیقت میں وہ ایک کمزور حبشی غلام ہے۔ میں تو واللہ اس فکر میں لگا رہتا ہوں کہ کہیں اکیلا دُکیلا مل جائے تو اُسکو اُسکے غرور کا خوب مزہ چکھاؤں اور تم لوگوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ وہ نرا غلام ہی غلام ہے بھلا جا دری اور شجاعت وہ کیا جانے عنترہ کو جب اس مبارزطلبی کا حال معلوم ہوا تو فوراً مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا ایک قصیدہ میں عمارہ سے خطاب کرکے کہتا ہے۔

ستعلم اینا للموت ادنی اذا ادنیت لی الاسل الحرارا

تجھکو بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ ہم میں سے کون موت کے قریب ہے جب کہ خون کے پیاسے تیر و نیزے چلیں گے۔

عمارہ کا یہ واقعہ گذر گیا لیکن مالک پھر بھی اپنی خوبصورت لڑکی ایک حبشی کو حوالہ کرنے پر تیار نہ تھا مجبوراً اپنے قبیلہ کو خیرباد کہا عبلہ کو لے کر بنی شیبان میں چلا گیا اور وہاں سردار قبیلہ قیس ابن مسعود کا مہمان ہوگیا۔

عنترہ کو اس جدائی کا بڑا صدمہ ہوا ایک قصیدہ میں زمانۂ فراق کے مصائب اور اپنے شوق کا ذکر کرتا ہے۔

اذکان دمعی شاهدی کیف اجحد وناراشتیاقی فی الحشی تتوقد

عبلہ کی محبت سے میں کیونکر انکار کرسکتا ہوں جبکہ میری گریہ وزاری اُسکی محبت پر شاہد ہے اور شوق دیدار کی آگ میرے جگر کو پھونکے دیتی ہے۔

أقاتل اشواقی بصبری تجلّدا وقلبی فی قید الغرام مقید

صبر کی بدولت جسمانی تکلیفیں برداشت کرکے میں اپنی خواہشوں کے ساتھ دشمنی کر رہا ہوں حالانکہ میرا دل اُسکے (عبلہ) دام محبت میں گرفتار ہے۔

الی اللہ اشکو جور قومی وظلمھم اذا لم اجد خلاً علی البعد یصعد

اپنی قوم کے اس ظلم وستم کی شکایت میں خدا سے کرتا ہوں کہ کوئی بھی اس دوری اور جدائی کے بڑے زمانہ میں میری مدد نہیں کرتا۔

حرام علیّ النوم یا ابنۃ مالک وعن فرشہ جمر الغضا کیف یرقد

اے مالک کی بیٹی (عبلہ) تیرے فراق میں نیند مجھپر بالکل حرام ہے اور بھلا اُس شخص کو کیسے نیند آسکتی ہے کہ جس کا بچھونا آتش عشق کی نہ بجھنے والی چنگاریاں ہوں۔

وانّی اذا ما نلت فیک مقیمۃ لعل بھا بین من شری الارض یبرد

زمین بوسی کروں گا میں تیرے جائے قیام کی شاید اُسی زمین کی مٹی میری آتش عشق کو ٹھنڈا کرے۔

ہمارا نوجوان ہیرو (جیسا کہ اس آخری بیت سے معلوم ہوتا ہے) دشت و بیاباں کی خاک چھانتا اور دشوار گذار راہ کی مصیبتیں جھیلتا آخر کو سے جاناں (دیار بنی شیبان) کی طرف چل کھڑا ہوا اور عادت کے موافق راستہ ہی سے بنی شیبان کو ڈرانے دھمکانے لگا۔ کہتا ہے

انا العبد الذی خبرت عنہ یلاقی فی الکریھۃ الف حُرّ

میں ہی وہ غلام ہوں (بقول تمہارے) جس کے متعلق تم نے یہ سُنا ہے کہ مصیبت کے وقت تنہا ہزار ہا آزاد آدمیوں کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

خُلقت من الحدید اشد قلبا فکیف اخاف من بیض وسمر

جب کہ لوہے سے زیادہ سخت دل ہوں میں تو بھلا گورے اور سانولے سے کیوں ڈرنے لگا

ظننتم یا بنی شیبان ظنا فاخلف ظنکم جلدی وصبری

اے بنی شیبان والو! تم اس وہم میں پڑے ہو کہ عنترہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا کیا تم نے میری قوت اور میرے تحمل کو بھلا دیا۔

وھا انا قد برزت الیوم اشفی فوادی منکم وغلیل صدری

واخذ مال عبلة یالمواضی ویعرف صاحبی الاوان قدری

آج میں اس لیے نکلا ہوں کہ اپنے دل کی آتش عشق کو بجھاؤں اور اُسکو آرام دوں ہاں یہ بھی میری غرض ہے کہ غلبہ کے ساتھ عبلہ کا مال حاصل کروں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبلہ مال دار عورت تھی) اور تمھارا سردار میرے مرتبہ سے بخوبی واقف ہو جائے

عنترہ تو ادھر اس قسم کی کوششوں اور دھمکیوں میں مشغول تھا اور اُدھر عبلہ کی صورت داری پھر رنگ لائی۔ سردار قبیلہ قیس ابن مسعود کا لڑکا بسطام کہ جو شہسواران بنی شیبان سے تھا عبلہ کو دیکھکر نثار جان و دل سے اُس پر فریفتہ ہو گیا اور اُسکے باپ کو پیغام دے ہی دیا۔ مالک جانتا تھا کہ عنترہ کے ہوتے عبلہ کو کسی اور کے ساتھ بیاہ دینا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے اس لیے اُس نے بسطام کی خواہش پوری کرنے میں یہ ٹیڑھی شرط لگائی کہ وہ عنترہ کا سر کاٹ کر اُسکو لا دے۔ مالک جانتا تھا کہ عنترہ کے مقابلہ میں کوئی جانبر نہیں ہو سکتا لہذا اُس نے بسطام کی درخواست قبول کرنے میں ایسی سخت شرط لگا دی کہ جو نہ اُس سے پوری ہو گی اور نہ خود ایفاے وعدہ پر مجبور ہو گا لیکن بسطام کو عنترہ کی غیر معمولی شجاعت کا کیا علم اور اگر ہوتا بھی تو اُس وقت تو اُس کے سر پر عشق کا جن سوار تھا اُس نے فوراً مالک کی شرط منظور کر لی اور اُسی وقت دیار بنی عبس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بسطام ابھی منزل مقصود تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ راستہ ہی میں عنترہ سے مڈبھیڑ ہو گئی (کیونکہ وہ اپنے جنون عشق میں کبکے وطن کو خیرباد کہہ چکے تھے) اس نے فوراً عنترہ پر اس

قصد سے حملہ کر دیا کہ ہمیشہ کے لیے اُس کی زندگی کے چراغ کو گُل کر دے۔

بسطام کی زبان پر اس وقت ذیل کے چند رجزیہ اشعار تھے۔

حلّت ذات الدھر تاتی بالبدع ترقع العبد و للحر تضع

زمانہ کی نیرنگیاں بھی عجیب رنگ بدلتی رہتی ہیں کہ غلام کا مرتبہ بڑھاتی ہیں اور ایک آزاد انسان کو ذلیل کرتی ہیں۔

خلّ عنك الحرب بالون الدجی واتبع الحق ودع عنك الطمع

عنترہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے حبشی غلام لڑائی کا قصد نہ کر حق بات کو مان لے اور طمع کو چھوڑ دے یعنی عبلہ کے خیال سے باز آ کیونکہ تو اُسکے لائق نہیں ہے بلکہ میرا اور اُس کا جوڑا اچھا ہے۔

لا و لا عبلة من بعض الاما مثلها مع مثلك الدھر جمع

عبلہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے کہ جو تو حبشی غلام ہو کر اُسکی خواہش کرتا ہے اور بھلا کیونکر یہ ممکن ہے جبکہ ہم برابر دیکھتے آئے ہیں کہ زمانہ نے اچھے کو بُرے کے ساتھ کبھی نہیں جمع کیا۔

فاسأل عنها قد دواها سید سیف لو ضرب الصخر انقطع

میں اُسکا (عبلہ) طلبگار ہوں اور وہ ایسے سردار کی حفاظت اور قبضہ میں ہے کہ جس کی تلوار کا ایک وار سخت سے سخت پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیتا ہے۔

یا بنی شیبان قد نلت المنی واتجلی همّ فؤادی واندفع

وغدا اخبرکم عن عنتر انه قد شرب الموت بجرع

بظاہر اپنی کامیابی کے زعم میں قوم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے بنو شیبان میں نے اپنے مقصد (عنترہ) کو پا لیا اور میرے دل کے سب رنج و غم دور ہو گئے کل واپس ہو کر عنترہ کے متعلق میں تم کو یہ خوشخبری سناؤں گا کہ اُس نے موت کا جام پی لیا۔

عنترہ بسطام کی یہ زبان درازی کیونکر برداشت کر سکتا تھا خصوصاً جب کہ اُس کی معشوقہ کے ساتھ اظہار عشق بھی کیا جائے۔ اُسکے تن بدن میں آگ لگ گئی اور فوراً لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا ساتھ ہی ایک رجزیہ قصیدہ بھی ارتجالاً بسطام کے جواب میں پڑھ سُنایا۔

یا ابا الیقضان اغوالک الطمع سوف تلقی فارساً لا ینزع

اے ابو الیقضان (بسطام کی کنیت) تجھکو طمع نے دھوکا دیا ہے کہ جو تو میرے مقابلہ کو آیا ہے عنقریب تجھکو معلوم ہو جائے گا کہ ایسے شہسوار سے سابقہ پڑا ہے جس سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

یا ابا الیقضان کم صید نجا خالی البال وصیاد وقع

اے ابو الیقضان میں تجھکو سمجھاتا ہوں کہ میرے مقابلہ سے باز آ ورنہ کہیں ایسا نہو کہ بجائے میرے تو ہلاکت میں پڑ جائے کیونکہ بسا اوقات شکار نہایت صفائی سے بچ کر نکل جاتا ہے اور اُلٹی آفتیں شکاری کے گلے پڑتی ہیں۔ باوجودیکہ تو مجھکو قتل کرنے آیا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اُلٹا تو ہی موت کے گھاٹ اُتر جائے۔

ان تکن تشکو لاوجاع الھوی فانا اشفیک من ھذا الوجع

بحسام کلما جردته فی یمینی کیف ما سال قطع

اگر تجھکو عشق کی بیماری کی شکایت ہے تو میں بہت جلد تیرے اس دکھ کو ایک ایسی تلوار سے دور کر دوں گا کہ جو نیام سے نکلتے ہی جس طرف جھک پڑتی ہے صفیں کی صفیں صاف کر دیتی ہے۔ یعنے بہت جلد اپنی اس تلوار سے تیرے خاتمہ کے ساتھ تیرے عشق کا بھی خاتمہ کر دوں گا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے تو عشق کے آزاروں سے آزاد ہو جائے گا۔

وانا الاسود والعبل الذی یقصد الخیل اذا النقع ارتفع

نسبتی سیفی ورمحی وهما یؤنسانی کلما اشتد الفزع

میں ہی وہ حبشی غلام ہوں (بقول تمہارے) جو گرد و غبار اُٹھتے ہی لڑنے مرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ میں تم لوگوں کے کہنے کے موافق آزاد نہیں بلکہ غلام ہوں (جو واقعہ کے بالکل خلاف ہے) تو میں کہوں گا کہ عنترہ اُن لوگوں میں نہیں ہے جو خاندانی عزت و عظمت پر بیٹھے فخر کیا کرتے ہیں بلکہ میں ذاتی کمالات اور خوبیاں دیکھتا ہوں اور انہیں کی طرف اپنی نسبت کو اچھا سمجھتا ہوں عام اس سے کہ خاندانی شہرت و عظمت ہو یا نہ ہو کیونکہ یُعَظِّمُ الْمَرْءُ یَا عَمَالَہٗ لَا یَا بَاہُ۔ اور اسی وجہ سے کہتا ہوں کہ میری نسبت میری تلوار اور میرے نیزے کی طرف ہے اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جو چیخ پکار یعنی لڑائی کے وقت میرا ساتھ دیتی ہیں۔

ہمارے ہیرو کے فلسفی دماغ نے علم الاخلاق کے اس نظریہ کو اپنے کلام میں متعدد مقامات پر حل کیا ہے اور مخلوق کو اُسیر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی ہے لیکن افسوس کہ اس مہذب زمانہ کے افراد اس جاہل بدوی سے بھی گئے گذرے۔ کہاں اُسکے خیالات کی وہ اولوالعزمی اور کہاں ان کی یہ کورانہ تقلید کہ ایک خاندانی مگر بدکار انسان کی پرستش تک کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور لازم سمجھتے ہیں۔ خدا اُن کو راہ راست کی توفیق دے۔

یابنی شیبان عمی ظالم وعلیکم ظلمہ الیوم رجع

ساقہ بسطاما الی مصرعہ عالقا منہ باذیال الطمع

وانا اقصدہ فی ارضکم واجازیہ علی ما قد صنع

اے بنی شیبان میرا چچا مالک بڑا ہی ظالم ہے اُس نے مجھ پر بھی بہت ظلم کیے ہیں اور آج تم پر بھی ظلم کر رہا ہے کہ تمہارے شہسوار بسطام کو ایک

سو ہوم طبع پر موت کے منہ میں ڈھکیل رہا ہے۔ یعنے میرے مقابلہ پر بسطام کا آنا گویا اُسکی موت کا آنا ہے کیونکہ آج تک کون مجھ سے بچ کے جا سکا ہے کہ جو وہ جانبر ہو سکے گا۔

اے بنو شیبان اب میں تمھاری ہی سرزمین میں اُسکے کیے کی اُسکو (مالک) سزا دوں گا۔

الیاس قرشی

شبِ دیجور

تیرے حُسن سیہ کا اے شبِ دیجور کیا کہنا
پریشاں ہے ہوا میں جیسے زلفِ حور کیا کہنا

بہت ہی خوب ہے لیلائے شب گرنام تیرا ہے
دلا دے یاد مجنوں کی ہمیں یہ کام تیرا ہے

بجھے اہلِ نظر کہتے ہیں بیشک رات کا پردہ
ترے دم سے تو کُل عالم ہوا ظلمات کا پردہ

تو خود ہے ظلِ رحمت تیری رحمت کی نہیں حد ہے
مشابہ تیری رنگت سے بہت کچھ سنگِ اسود ہے

کیے خالق نے پیدا کیا تری رنگت کے شیدائی
غلافِ کعبہ بخشتے حاجیوں کو نورِ بینائی

کہوں کس جا تمہاں وہ اے کیا کیا بنتے بنتی ہے
تو نیلی آنکھ میں دل میں سویدا بن کے پہنچی ہے

فتن میں چین میں ہیں تیرے ہم آہنگ کیا کہنا
مسلط سارے عالم پر ہے مشکیں رنگ کیا کہنا

قیامت کی کہ پیشانی کی بھی تحریر میں پہنچی
سیاہی بن کے ظالم تو خطِ تقدیر میں پہنچی

فضیلت دن پہ جھلکو ہے تو رحمت رات پہ تیری
مؤخر ذات جانا اُسکی مقدم نات ہے تیری

یہ عزت روز روشن کی ہے بیشک تیرے ہی دم سے
نہیں تو اٹھ گئی ہوتی یہ قدرِ نور عالم سے

سیاہی سے تری خالی نہیں تحریر سرمہ کی
جگہ آنکھوں میں پائی دیکھ تو تقدیر سرمہ کی

ستاروں نے مگر آکر ترے دامن میں آفت کی
دکھاتے ہیں وہ رہ رہ کر کشاکش نور و ظلمت کی

یہ جگنو تو نہیں ہوتے ہیں جادہ پر رہ رہ کر
تری زلف سیہ ہوتی ہے انشاں ریز رہ رہ کر

سیاہی سے ترا گرنی ہے ہر کہکشاں کی ڈوری
تری رنگت سے پیدا زلف میں ہے شانِ محبوبی

منور تیرے دم سے ہے پری رخسار کی صورت
مزہ دے جاتی ہے ظالم وہاں بھی خال کی صورت

یہ دن کی بات ہے جب وقت اُن باتوں کی یاد آئی
سمجھے دیکھا تو ظالم اُن سیہ باتوں کی یاد آئی

مرے سر پہ کہیں رحمت کا بادل بن کے چھا جاتی
مرے محبوب کی زلفِ سلسل بن کے چھا جاتی

ماسٹر باسط بسوانی

نشاط

(بسلسلۂ انتخاب سابق)

سہ پہر کا وقت ہے۔ نشاط ادہم کے کتبخانہ میں آرام کرسی پر لیٹا ہوا ادہم کا انتظار کر رہا ہے۔ ادہم ہمیشہ اصولاً دیر کرتا ہے۔ اسکا اصول یہ ہے کہ پابندی صادق وقت ہے۔ نشاط کچھ گھبرایا ہوا دیوان حافظ کے تازہ ترین اڈیشن کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ گھڑی کی باضابطہ یکساں آواز اسکو اور زیادہ پریشان کر رہی ہے۔ ایک آدھ بار اسکے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ واپس چلا جائے۔ آخر اسکو ایک قدم کی آواز محسوس ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ کسی نے باہر کا دروازہ کھولا۔

نشاط۔ "ادہم تم نے بڑی دیر کردی"

آواز۔ "سٹر نشاط میں ادہم نہیں ہوں۔"

نشاط۔ (متفعل ہوکر) میں خواستگار معافی ہوں۔ میرا خیال تھا۔

نوٹ۔ پچھلے نمبر میں کتابت کی افسوسناک غلطیوں کی وجہ سے بعض مقامات پر عبارت مہمل و مغلق ہوگئی ہے اس لیے ناظرین پر یہ ظاہر کردینا ضروری ہے تاکہ ہمارے ناسہ نگار پر سقم عبارت کا الزام عائد نہ ہو۔

مثلاً ادہم اپنی تقریر میں کہتا ہے "وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا غور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جسدیات کا ایک مسئلہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے۔ ایک نوجوان چاہتا ہے کہ وفادار رہے لیکن نہیں ہوسکتا ایک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بے وفائی کرے لیکن نہیں کرسکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس میں لفظ جسدیات کے بجائے لفظ جذبات چھپ گیا ہے جس سے عبارت مہمل ہوگئی ہے۔

ایک اور مقام پر بجائے اسکے کہ "چہرۂ فروغ سے گلستان ہوجاتا ہے" یہ چھپ گیا ہے کہ "چہرۂ فروغ سے گل افشاں ہوجاتا ہے" جس سے معنی خبط ہوگئی ہیں۔

ایڈیٹر

مسز ادہم۔ آپ کا خیال تھا کہ میرا شوہر ہے۔ یہ صرف مسز ادہم ہے۔ میں خود اپنا تعارف آپ سے کروں۔ میں آپ کو خوب جانتی ہوں۔ میں نے آپ کی تصویریں دیکھی ہیں میرے خیال میں میرے شوہر کے پاس آپ کی تقریباً سترہ تصویریں ہیں۔

نشاط۔ سترہ؟

مسز ادہم۔ اچھا اٹھارہ سہی اور میں نے کل آپ کو ان کے ساتھ تھیٹر میں بھی دیکھا تھا۔

مسز ادہم اک عجیب عورت تھی۔ اسکی پوشاک دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسکے کپڑے غصہ کی حالت میں قطع ہوئے ہیں اور حالتِ غضب میں پہنے گئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شخص کے دامِ الفت میں مبتلا رہتی تھی۔ لیکن چونکہ اسکی محبت کو کبھی کسی نے واپس نہیں کیا تھا اسلیے اس کی تمام خام خیالیاں اب تک باقی تھیں وہ خوشنما بننے کی کوشش کرتی تھی اور ہمیشہ اظہار بدنمائی میں کامیاب ہوتی تھی۔ اس کا نام زاہدہ خاتون تھا۔ نماز اور وظیفہ خوانی کا بیحد شوق تھا۔

مسز ادہم۔ مجھکو تھیٹر کا گانا بہت پسند ہے۔ اسقدر بلند آوازی کے ساتھ ہوتا ہے کہ گانے کے درمیان میں برابر باتیں کرتے رہیے اور کوئی دوسرا سُن نہ سکے۔

نشاط۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے آپ سے اتفاق نہیں۔ میں کسی گانے کے درمیان میں باتیں نہیں کرتا۔ کم از کم اچھے گانے کے درمیان میں۔ گانا اگر بُرا ہو تو سُننے والے کا فرض ہے کہ اپنی آواز بلند سے اسے پست کردے۔

مسز ادہم۔ یہ تو ادہم کی آراء میں سے ایک رائے ہے۔ میں ادہم کا خیال ہمیشہ اُسکے دوستوں کی زبان سے سُنتی ہوں۔ انکے خیالات سے میرے علم کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ مجھے اچھا گانا پسند نہیں۔ میں تو اسکی پرستش کرتی ہوں۔ لیکن میں اس سے ڈرتی ہوں۔ وہ تو اس دنیا و عمل سے

عالم خیال میں لے جاتا ہے۔ لیجیے ادہم آگیا۔ ادہم میں تمھاری تلاش میں ادھر آنکلی۔ تم سے کچھ پوچھنا تھا لیکن اب بھول گئی کہ وہ کیا بات تھی دیکھا کہ جناب نشاط تشریف فرما ہیں۔ ہم لوگوں میں اس وقت گانے کے متعلق نہایت خوشگوار گفتگو ہو رہی تھی ہمارے خیالات تقریباً متحد ہیں۔ نہیں نہیں میرے خیال میں اس موضوع پر ہماری رائیں بالکل مختلف و متباین ہیں۔ لیکن نشاط کے انداز تکلم میں اک طرفہ طرب انگیزی تھی۔ میں ان سے مل کر نہایت خوش ہوئی۔

ادہم ۔ یہ سُن کر میں محظوظ ہوا۔ پیاری بیحد محظوظ ہوا۔ نشاط مجھے افسوس ہے کہ مجھکو دیر ہو گئی۔ میں بازار شال خریدنے چلا گیا تھا گھنٹوں اسکے لیے تکرار کرنی پڑی۔ آج کل لوگ قیمت ہر شے کی جانتے ہیں لیکن قدر کسی چیز کی نہیں جانتے

مسز ادہم۔ اب میں جاتی ہوں۔ میں نے مسز انور کے ساتھ شام کو تفریح کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ پیارے میرے خیال میں آج تم کہیں باہر کھانا کھاؤ گے میری بھی یہی حالت ہے شاید مجھ سے اور تم سے مسز انور کے یہاں ملاقات ہو جائے۔

ادہم ۔ نشاط شادی ہرگز نہ کرنا۔ مرد اس لیے شادی کرتا ہے کہ وہ تھک چکا ہوتا ہے۔ عورت اس لیے شادی کرتی ہے کہ وہ عجائب پسند ہوتی ہے۔ دونوں کو آخر کار مایوس ہونا پڑتا ہے۔

نشاط۔ ادہم میں شاید شادی نہ کروں۔ میں اسقدر مبتلائے محبت ہوں کہ شادی کا خیال تک میرے دل میں نہیں آسکتا۔ یہ تمھاری تعلیمات متعدد میں سے ایک تعلیم ہے۔ میں اس پر عمل پیرا ہوں۔

ادہم ۔ تم کو محبت کس سے ہے۔

نشاط۔ شرما کر۔ ایک ایکٹرس سے۔

ادہم۔ اس کا نام کیا ہے۔

نشاط - سلمٰی -

ادہم - یہ نام کبھی سُننے میں نہیں آیا -

نشاط آپ کیا کسی نے نہ سُنا ہوگا - لیکن ایک دن سُننے میں آئے گا - وہ تو ذہن مجسم ہے -

ادہم نشاط عورت کبھی ذہین نہیں ہوتی - وہ تو ایک آسائش پسند جنس ہے اسکے پاس کبھی کوئی بات قابل ذکر نہیں ہوتی - لیکن جب کبھی کچھ کہتی ہے تو یہ تمام آئیں دلاویزی و دلربائی - عورت جو شبلی مرحوم کے نزدیک چہرہ کائنات کا آب و رنگ ہے میرے نزدیک فتح مادہ بمقابلہ عقل ہے جیسے مرد فتح اجتہاد بمقابلہ رسمیات و اخلاقیات ہے - اچھا تم اپنی ذہینہ کے متعلق کچھ بتاؤ تو تم سے اس سے کب ملاقات ہوئی -

نشاط - تمھارے خیالات مجھے خوف زدہ کیے دیتے ہیں -

ادہم - خوف کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم سے اُس سے کتنے دن سے ملاقات ہے -

نشاط - تقریباً تین ہفتہ سے -

ادہم - اور کہاں ملاقات ہوئی -

نشاط - میں تم سے بتادوں گا - لیکن یہ وعدہ کرو کہ تم میرے ساتھ غیر ہمدردانہ طرز عمل نہ برتو گے -

ادہم اچھا بتاؤ میں وعدہ کرتا ہوں -

نشاط ادہم - یہ کچھ بھی نہ ہوتا اگر میں تم سے نہ ملتا - تم نے زندگی کے متعلق ہر چیز سے واقف ہونے کی اک وحشیانہ اور تلاطم انگیز خواہش مجھ میں پیدا کی -

تمھارے ملنے کے ہفتوں بعد تک میری رگوں میں اک عجیب جوش تلاطم محسوس ہوتا تھا - جب میں پارک میں تفریح کرتا - یا ساحل سمندر پر ٹہلتا تھا تو ہر شخص کو

میں نگاہ تحیر سے دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ آیا یہ لوگ کیسی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مجھکو دلکش نظر آتے تھے۔ بعضوں سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ فضا میں اک لطیف زہر پھیلا ہوا تھا۔ مجھکو حصول احساسات کی تمنا تھی۔ ایک دن شام کو ۷ بجے کے وقت اسی عزم سے میں باہر نکلا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہمارا یہ طربستاں حیرت آباد و وحشت زا مع اپنے باشندگاں گوناگوں۔ اپنے عاصیان رذیل۔ اور اپنے عصیان باعظمت کے میرے لیے کچھ نہ کچھ پردۂ غیب میں مخفی رکھتا ہے۔ خطرہ محض میرے دل میں احساس مسرت پیدا کرتا تھا۔ مجھے وہ حیرت انگیز شام یاد آئی جب کہ ہم اور تم ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور تم نے مجھ سے کہا تھا کہ حقیقی سر حیات جستجوئے حُسن ہے میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کس چیز کی تلاش میں نکلا ہوں۔ آخر کار سرگرداں پھرتا ہوا ایک گلی میں جا نکلا۔ مجھکو ایک تھیٹر نظر آیا۔ اسکے دروازہ پر اک یہودی حیرت خیز دسٹ کوٹ پہنے اک ذلیل سگار پی رہا تھا۔ اس نے نہایت تعظیم آمیز لہجہ میں مجھے مخاطب کیا کہ جناب ایک سیٹ رزرو کیوں نہیں کراتے۔

اوہم۔ اس یہودی میں کچھ عجیب بات تھی جو مجھے دلکش معلوم ہوئی۔ وہ اک غیر معمولی انسان تھا۔ تم مجھپر ہنسو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں گیا اور فوراً ایک سیٹ رزرو کرا لی۔ آج تک میں سمجھ نہ سکا کہ میں نے یہ حرکت کیوں کی۔ پھر بھی اوہم اگر میں ایسا نہ کرتا تو میری زندگی کا سب سے بڑا افسانہ مجھ سے جاتا رہتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم ہنس رہے ہو۔ تم بڑے بے رحم ہو۔

اوہم۔ نشاط میں ہنس نہیں رہا ہوں کم از کم تم پر نہیں ہنس رہا ہوں لیکن تم کو یہ ہرگز نہ کہنا چاہیے کہ زندگی کا سب سے بڑا افسانہ۔ تم کو یہ کہنا چاہیے کہ زندگی کا پہلا افسانہ۔ تم سے ہمیشہ محبت کی جائے گی اور تم خود ہمیشہ انیس محبت رہو گے

جذبۂ واحد تو ان لوگوں کا کام مخصوص ہے جن کو دنیا میں کچھ کرنا نہیں۔ بیکاران ملک کا یہی تو ایک مصرف ہے۔ تم خوف زدہ مت ہو۔ تمھارے لیے ہزارہا اشیاء لطیف پردۂ مستقبل میں مخفی ہیں۔ یہ تو محض ابتدا ہے۔ آج کل لوگ نقد عمر کو نثر حیات میں صرف کر دیتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ شاعری پر اپنے تئیں برباد کر دینا اک عزت جاودانی ہے۔

نشاط۔ کیا تم میری طبیعت کو اتنا سطحی سمجھتے ہو۔

ادہم۔ نہیں میں تمھاری طبیعت کو بیحد عمیق سمجھتا ہوں۔

نشاط۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔

ادہم۔ مائی ڈیر نشاط۔ سطحی تو وہ لوگ ہیں جو تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ دام محبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جس کو وہ وفاداری اور اطاعت شعاری کہتے ہیں میں اسکو یا تو کمزوری رواج یا فقدان تخیل سمجھتا ہوں۔

حیات جذباتی میں وفاداری کا وہی درجہ ہے جو حیات دماغی میں یکسانی و مطابقت کا محض اقبال ناکامی۔ وفاداری سے میں الکدن اسکی تحلیل کروں گا۔ اس میں جذبۂ ملکیت بھی شامل ہے۔ سیکڑوں چیزیں ہم پھینک دیں اگر ہم کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ دوسرے ان کو اُٹھا لیں گے۔ اچھا بتاؤ تو سلمےٰ سے تمھارے تعلقات کیسے ہیں۔

نشاط۔ میں اس قدسی پیکر کو متبرک سمجھتا ہوں۔

ادہم۔ اشیاء متبرک ہی تو مس کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ لیکن میں تم کو روکنا نہیں چاہتا۔ ہاں اپنا قصہ تم کہہ چلو۔ (باقی آئندہ)

آرٹسٹ

خیالاتِ پریشاں

کیا ہے یہ نظمِ عالمِ فانی — چند ذرات کی پریشانی
حدِ فاصل خدا پہ ہستی — نقشِ باطل وجودِ انسانی
میری مٹی بھی ہو گئی برباد — ہے کفِ خاک عالمِ فانی
ہے ازل سے سفینۂ ہستی — متلاطم بہ زورِ طوفانی
شامِ کب تک لباسِ غم پہنے — صبح کب تک کرے گریبانی
جلوہ افروز ہو ہزاروں سال — لاکھ دکھلائے اپنی تابانی
خشک ہو جائے گا ضرور اک دن — چشمۂ آفتاب کا پانی
ہو گئے نقشِ سیمیائے فنا — حکمائے فرنگ و یونانی
ہرزہ گوئی ہے لافِ دانائی — شیخ ہو یا معلمِ ثانی
نظریِ بدیہی الانتاج — یہ طلسمات شکلِ جالبانی
کیا ہے ترکیبِ عالمِ اجسام — امتزاجِ عناصرِ فانی
زندگی کیا ہے موت کی تمہید — موت کیا ہے نشاطِ روحانی
اک سرا ہے یہ قالبِ خاکی — اک مسافر ہے روحِ نفسانی
اُسکے صحرا کا ایک ذرہ ہے — جس کو سمجھے ہیں عالمِ فانی
دیکھکر رنگِ مجلسِ دنیا — بڑھتی جاتی ہے دل کی حیرانی
اک نظرِ بندیِ توہم تھا — تختِ کسرا و تاجِ خاقانی
اے فریبِ زمانۂ غدّار — اللہ اللہ یہ فتنہ سامانی
جوشِ زن ہر طرف بیاباں ہے — اف مرے نغمگے کی ویرانی
چند ذرے ملے سفالۂ دل — مدتوں میں نے خاک جب چھانی

وہ حریصِ بیانِ اجمالی
سرگذشتِ عزیزِ طولانی

عزیز لکھنوی

تلاش عیش

(۱)

حسینہ کی شادی اسکے ماں باپ نے مولوی فخرالدین کے ساتھ ٹھہرائی جو حسب نسب کے لحاظ سے بھی ایک اعلےٰ مرتبہ رکھتے تھے اور دنیوی ثروت میں بھی اپنے خاندان میں بہتوں سے اچھے تھے۔ گھر کی جائداد اچھی خاصی تھی اور سات سو کے گریڈ کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ شادی کے وقت یہ ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں۔ رہا سن اور مزاج تو قصبات میں نسبت کرنے کے لیے اس پر زیادہ غور نہیں کیا جاتا۔ لڑکی کی تعریف بھی اسی میں ہے کہ بدمزاج سے بدمزاج میاں کے ساتھ خندہ پیشانی سے گذر کرے۔ اور سن دراوی کا بدلہ بخوبی روپیہ پیسے سے ہوسکتا ہے۔ حسینہ کا سن اتنا نہ تھا کہ وہ سمجھ سکتی کہ میری طبیعت اور مزاج کے موافق یہ شادی ہو رہی ہے یا خلاف۔ لوگ اسے یہ کہہ کہہ کے خوش کرتے تھے کہ "اب تمھارے مزاج کا ہے کو ملیں گے۔ ڈپٹی صاحب کی بیوی بنو گی"۔ بیچاری کا ناک میں دم تھا کبھی کسی چیز کی برائی کر دی تو ہمجولیوں نے چڑھانا شروع کیا "بھلا تمھاری آنکھ میں ایسی چیز کیوں جچے گی ہم غریبوں کے واسطے یہ بھی بہت ہے"۔ ماں باپ یہ باتیں سُن کے بہت خوش ہوتے تھے۔ شیخ حامد علی معمولی حیثیت کے شریف آدمی تھے جب انھیں خیال ہوتا تھا کہ میری بیٹی مولوی فخرالدین کی بیوی بنے گی اور کروفر کے ساتھ سسرال سے میکے میں آیا کرے گی تو پھولے نہیں سماتے تھے۔ ان کی بیوی اپنی لڑکی کے زیورات کا خیال کرکے خوش ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ انھیں

معلوم تھا کہ مولوی صاحب کی پہلی بیوی کے پاس بہت کچھ زیور تھا وہ سب حسینہ کو ملے گا اُن کے علاوہ حسینہ خود بھی ضرور میاں سے زیور بنوائے گی۔

شیخ حامد علی مولوی فخرالدین کی بدمزاجی سے ناواقف نہ تھے لیکن سمجھتے تھے کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے "میں بھی ترش مزاج ہوں مگر میری بیوی مجھ سے ناخوش نہیں ہے بلکہ جتنا میں اسے چاہتا ہوں اس سے زیادہ وہ مجھے چاہتی ہے" ان کے متعلق بھی جب غور کرتے تھے تو بہت سی مثالیں ان کے پیش نظر ہو جاتی تھیں فلاں شخص سن دراز تھے ان کی بیوی بالکل کمسن تھیں پھر کتنا میل و محبت آخر دم تک دونوں میں رہا۔

بہرحال جس پہلو سے شیخ صاحب نے اس نسبت پر غور کیا وہ اچھی ہی دکھائی دی آخرش دن و تاریخ کا تقرر ہوا اور شادی کے سامان ہونے لگے

مولوی فخرالدین بہت ہی روکھے سوکھے (۲) آدمی تھے۔ دنیا میں کسی چیز سے انھیں دلچسپی نہ تھی ملازمت سرکاری اور کچہری کا کام ان کا قبلۂ دین و دل تھا۔ ریشہ ریشہ ان کے جسم کا ڈپٹی کلکٹر تھا۔ گھر کی آب و ہوا انھیں اس لیے ناگوار تھی کہ اس میں کچہریت نہ تھی۔ دوست احباب کی صحبت سے انھیں اس وجہ سے لطف حاصل نہیں ہوتا تھا کہ وہ نہ تو صاحب ڈپٹی کمشنر تھے کہ ان سے ادب سے گفتگو کی جائے نہ اہل مقدمہ کہ تحکمانہ لہجہ سے ان سے بات کریں۔ کچہری سے جدا ہونا ان کا بعینہٖ ایسا تھا جیسا کہ مچھلی کو پانی سے کوئی جدا کردے۔ بیوی کے مرنے کا انھیں قلق تھا نہ اس لیے کہ سلسلۂ مواشت شکست ہو گیا بلکہ اس وجہ سے کہ سررشتہ دار سے زیادہ وہ ان کی فرمانبرداری کرتی تھی۔ مولوی صاحب کو ڈپٹی کلکٹری کے بعد جس چیز پر فخر و ناز تھا وہ شرافت تھی یعنی وہ جنس بے بہا جس کی قیمت قدامت سے بڑھتی ہے اور جس قدر بے عقلی کا

جزو اس میں زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی تقدس اور بزرگی اس میں آتی جاتی ہے ان کا بس چلتا تو اپنے نسب کو خدا سے ملا دیتے تاکہ قدامت کا شرف حاصل ہوتا۔ ان کی گردشِ دماغ کا مرکز ان کی ذات تھی۔ خدا کو بھی اسی لیے مانتے تھے کہ وہ ان کی ذات سے وابستہ ہے۔

اگر ماں باپ کمسنی ہی میں شادی نہ کر دیتے تو انھیں شادی کا خیال تک نہ ہوتا لیکن اب شادی کا چسکا ہو چکا تھا۔ بیوی کے مرنے کے دو ہی چار روز بعد سے انھیں دوسری شادی کی فکر ہوئی۔ دل میں سوچا کہ اب جو بیوی ملے گی اس کو بالکل اپنے رنگ کا بناؤں گا جو کچھ کمیاں مرحومہ میں تھیں وہ بھی اس میں نہ رہنے پائیں گی۔ کمسن عورت ہوگی بالکل میرے کہنے میں ہو جائیگی کچی لکڑی ہوگی جیسا چاہوں گا ویسا بناؤں گا۔ یہ ہی خیالات تھے جن کی بنا پر انھوں نے شیخ حامد علی کی لڑکی سے اپنا پیغام دیا۔ کیونکہ یہ کمسن لڑکی تھی اور غریب گھر کی تھی۔ ہر طرح ڈپٹی صاحب سمجھتے تھے کہ میرا اس پر قابو ہوگا۔ یہ سوال دل میں کبھی پیدا ہی نہ ہوا کہ یہ تعلق لڑکی کے واسطے خوشگوار ہوگا یا ناگوار۔ اگر اس کو سوچتے بھی تو تشفیہ یہ ہی کرتے کہ ناگوار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے میں ڈپٹی کلکٹر اور ایسے اعلیٰ حسب نسب کا آدمی جو لڑکی میرے نکاح میں آئے اسے اپنے کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے اور پھر عورت کی ناگواری کیا چیز ہے اسکا خوش ہونا اور ناخوش ہونا کیا۔

جو لوگ ڈپٹی صاحب کے مزاج سے واقف تھے اور جنہیں بیوی کے ساتھ ان کے برتاؤ کو دیکھا تھا وہ یہ ہی کہتے تھے کہ شیخ حامد علی روپیہ پیسہ پر اپنی بیٹی کو قربان کر رہے ہیں بھلا ایسی کمسن لڑکی کا ان کے ساتھ نباہ کیونکر ہوگا اس کی جان عذاب میں ہو جائے گی بات بات پر اسکو ڈانٹیں گے کبھی کسی نے

ان کو خوش مزاج اور ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ بیوی بھی جو جو سمجھے گی۔ مگر بعض آدمی یہ بھی کہتے تھے کہ دیکھنا خود اُن کا کایا پلٹ ہو جائے گا۔ یہ سب ترش روئی اور بدمزاجی تشریف لے جائے گی۔ جوان عورت کا اثر غضب کا ہوتا ہے۔ نئے سرے سے جوان ہو جائیں گے۔ اس کو خوش کرنے کے لیے ہونڈے پنے کی باتیں کرنے لگیں گے۔

بہرحال لوگ جو چاہیں کہیں شیخ حامد علی راضی ہو چکے تھے اور ان کا قصد بھی مصمم ہو گیا تھا لڑکی کی مرضی شریفوں میں کوئی چیز سمجھی نہیں جاتی لہذا کوئی مرحلہ باقی نہ رہا اور مولوی فخرالدین کی شادی عمر کے پچاسویں سال میں حسینہ کے ساتھ ہو گئی جو پوری اٹھارہ برس کی بھی نہ تھی۔

(۳)

شروع شروع میں مولوی صاحب کو بیوی سے بہت محبت تھی۔ وہ لوگ جو کہتے تھے کہ اس نئی شادی سے ان کا مزاج بدل جائے گا اُن کا کہنا ٹھیک ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بڑا واقعہ جوان کے مزاج بدلنے کی شہادت دے سکتا ہے یہ ہوا کہ ایک روز بیوی کے بال میاں کو بہت بھلے معلوم ہوئے طبیعت تقاضی ہوئی کہ لب بالوں تک پہنچ جائیں۔ دل کی طلب کو رد نہ کر سکے بے اختیار وہ بات کر بیٹھے جوان کے سن والے آدمی کو کم سے کم نہ کرنا چاہیے تھی یعنی بالوں کا بوسہ لے لیا۔ اس حرکت کی سزا خدا کی طرف سے یہ ملی کہ بیوی کی نتھ کی گونج میں ڈاڑھی کے دو چار بال پھنس گئے اور کچھ ایسے پھنسے کہ کسی طرح نکالے نہیں نکل سکتے تھے۔ حسینہ کو بے اختیار ہنسی آئی اور جتنی دیر بالوں کے چھٹنے میں لگی تھی اتنے ہی زیادہ اس کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ مولوی صاحب کو اپنی عادت کے موافق غصہ آیا لیکن غصہ کو ضبط کیے رہے کچھ بولے نہیں۔

دوسرے روز ڈاڑھی چھوٹی کرالی اور ناگہانی دقتوں سے بچنے کے لیے اپنی متبرک ڈاڑھی کو مٹا دیا یا یہ کہو کہ بیوی کی نت پر اپنی ڈاڑھی کو قربان کر دیا اور اسطرح نت اور داڑھی کی کشمکس میں نت کو فتح ہوئی۔ یہ ممکن تھا کہ نت اُتروا ڈالتے اور ڈاڑھی بچا لیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ یہ واقعہ کوئی معمولی نہ تھا۔ تمام لوگوں میں اس کے چرچے ہونے لگے۔ بیوی کو یہ بات اچھی معلوم ہوئی اور ساس کو تو بے انتہا خوشی ہوئی۔ اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ دنیا نے جوتار بجتے ہی راگ بوجھتی ہے اپنی جگہ پر یہ تصفیہ کر لیا کہ مولوی فخر الدین اپنی بیوی کو بہت چاہتے ہیں۔

عبد الوالی

قیامت خیز منظر

محرم الحرام کی تیرھویں شب تھی۔ ماہ کامل پورے شباب پر تھا۔ بزم فلک کی رونق دینے والی شمعیں بے نور نظر آرہی تھیں۔ خوشگوار سردی حسن پرست دلوں کے جذبات کو بڑھا رہی تھی۔ آنکھوں کا پیمانہ بادۂ شوق سے لبریز تھا۔ ایک بجے شب کے وقت نہ معلوم کس تحریک سے ہم شاہجہاں پور کے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ اُف قیامت کا انتظار ہو رہا تھا کہ اتنے میں بریلی سے آنے والی گاڑی کا لین کلیر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دلخوش کن صدا آئی کہ (بنتھرے سے سواری گاڑی چھوڑی) فرط شوق سے ہمارے دل میں غیر معمولی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی کہ اتنے میں گاڑی پلیٹ فارم پر آکر ٹھہر گئی ایک سکنڈ کلاس میں کیا دیکھا قیامت دیکھی۔ دلفریب جلوہ دیکھا حسن کی مجسم تصویر دیکھی وہ چودھویں رات کا چاند دیکھا جو کبھی بدر سے ہلال نہیں ہوتا۔ یہی سبب تھا کہ ماہ کامل اُسی سانچے سے شرما کر گھٹنے لگا۔ کیا باتیں ہوئیں کچھ نہیں۔ کیا دیکھا کچھ نہیں۔ کیا سُنا کچھ نہیں۔

آنکھیں لڑیں دل کھو گیا۔ گاڑی چل دی اور کوئی بیتاب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ کوہ قاف کی پری تھی یا جنت کی حور۔ ہم کو ایک گذرا ہوا واقعہ یاد آگیا جو پیش نظر ہے۔

یاد ہے اے ہمنشیں وہ بھی زمانا یاد ہے
دل کا آنا یاد ہے قابو سے جانا یاد ہے

وہ مری بیتابیِ دل وہ مرے اشکوں کا جوش
وہ کسی غنچہ دہن کا مسکرانا یاد ہے

اُف وہ مستانہ روش وہ شوخیِ برق نگاہ
وہ دلِ بیتاب پر بجلی گرانا یاد ہے

اک بت نا آشنا جادو نظر کی یاد میں
یاد ہے وہ رات دن آنسو بہانا یاد ہے

جس جگہ آنکھیں لڑیں تھیں ہے وہ منظر سامنے
جس جگہ دل لٹ گیا وہ بھی ٹھکانا یاد ہے

وہ ہجوم خلق وہ کلیہ کا میدانِ وسیع
اپنے ہاتھوں غل کے میں دلکو ملانا یاد ہے

وہ نگہبانوں کے پہرے وہ کسی کے روبرو
حالِ دل پردے ہی پردے میں سنانا یاد ہے

بعد ازاں وہ گھر بلا کر اک ستم ایجاد کا
عاشق ناشاد سے پہلو بچانا یاد ہے

وہ وفاداری کے بدلہ میں تغافل ہائے ہائے
چاہنے والے کو اپنے بھول جانا یاد ہے

ہم پہ گذرا ہے جو کچھ او نشکن ناز ک مزاج
ابتدا سے انتہا تک سب فسانا یاد ہے

حال دل سن لو بس اب وہ چار باتیں اور ہیں
گو سمجھتے ہیں کہ تم کو دل دکھانا یاد ہے

پھر نہ ہم ہونگے نہ دل ہوگا نہ دل کی آرزو
بھول جائیں گے جو کچھ تا بتک فسانا یاد ہے

دل کی بربادی نہ بھولی ہے نہ بھولے گی ضمیر
ابتدا عشق کا ابتک زمانا یاد ہے

دل شاہجہانپوری

آپ گھر بیٹھے انگریزی سیکھ لیجیے!

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے اور آسانی کے ساتھ سیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً **نندن صاحب کا انگلش ٹیچر** پڑھیے۔ اسکی جانچ سررشتۂ تعلیم کے بڑے بڑے افسروں نے نہایت غور سے کی ہے اور اعلیٰ رائیں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ کتاب اس شرط پر فروخت کی جاتی ہے کہ اگر تمام انگلش ٹیچروں سے زیادہ عمدہ اور مفید نہو تو قیمت واپس اور کتاب مفت۔ قیمت صرف ایک روپیہ محصول ۳ر۔ دو جلدوں پر محصول معاف ہوگا۔

ملنے کا پتہ مینیجر کارخانہ نندن برادرس ۹ آگرہ شہر

اُردو کانفرنس کو کیا کرنا چاہیے

ہر چیز کے عروج و زوال کا ایک وقت ہوتا ہے زبان اُردو کا بھی ایک زمانہ تھا جب اُسکے حامی اور سرپرست اُس کو آراستہ کر رہے تھے مگر اب جب کہ زمانہ نمود و نمائش کا لباس بہن کر چمک رہا ہے اور خود غرضی کے خطبوں سے صحن عالم گونج رہا ہے زبان اُردو کا کون غمگسار بنتا اگر کسی دل میں کوئی خیال آیا بھی تو اس لیے زبان سے نہیں نکال سکتا کہ ہندی کے طرف دار بگڑ نہ جائیں اور اتحاد میں فرق نہ آئے مگر اب کچھ دلوں میں احساس ہوا ہے خدا کرے یہ کانفرنس آیندہ عملی کام بھی شروع کرے اور ہندوستان کو اس سے دلچسپی ہو۔

میرے خیال میں اس کے لیے عملی تجاویز حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اُردو کا ایک اسکول قائم ہونا چاہیے جس کے لیے نصاب تعلیم خاص کمیٹی مقرر کرے۔ مدارس سرکاری میں اسکول کے سند یافتہ طلبا کے حقوق مرجح ہوں نصاب تعلیم میں مضامین ذیل ملحوظ رہیں۔

(۱) ادبیات (۲) گرامر (۳) منطق (۴) معنی و بیان (۵) عروض و قافیہ (۶) تاریخ (۷) مضمون نگاری (۸) خوشخطی

(۲) دارالتالیف یا دارالتصنیف اس میں ملک کے اہل قلم کام کریں اور جن مصنفین یا مؤلفین کو ضرورت ہو اُن کو معاوضہ بھی دیا جائے۔ دارالتالیف میں کس قسم کی کتابیں تالیف ہوں۔

(۱) تذکرۂ مشاہیر ادبائے اُردو مع نمونہ تصنیف و تقریر (۲) تکمیل لغت اردو (۳) ترجمہ مصطلحات (۴) قواعد اُردو (۵) اُردو میں معنی و بیان پر ایک مبسوط کتاب (۶) ضروری کتابوں کے تراجم۔

(۳) دارالتالیف کے ساتھ اُردو کا ایک کتب خانہ اعلےٰ پیمانہ پر ہونا چاہیے۔

(۴) ایک کلب جس میں ہندوستان کے مشہور اخبارات و رسائل آئیں اور اوقات معینہ پر لوگ جا کر دیکھا کریں۔

(۵) اردو کانفرنس کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہونا چاہیے۔

(۶) مدارس سرکاری میں اُردو کے نصاب مروجہ پر ایک نظر کرنا چاہیے۔ عزیز (لکھنؤ)

غزلیات

جناب محمد یوسف صاحب جعفری۔ رنجور عظیم آبادی (شمس العلماء خاں بہادر)

سر پہ یہ چرخ بھی مانند چتر جائے گا
بھاگ کر اس سے کوئی شخص کدھر جائیگا؟

کوے قاتل میں یہ ہر روز اگر جائے گا
جی سے اک دن دلِ وارفتہ گذر جائے گا

خود تمھارا ہو کہ ہو غیر کا گھر جائے گا
تم جدھر جاؤ گے۔ یہ دل بھی اُدھر جائے گا

کیا تری تیغ سے عاشق تڑپ جائے گا
اُسکو پروا ہی نہیں اس کی کہ سر جائے گا

شیخ اچھا ہوا میخانے میں تو آ نکلا
نشۂ عجب ترے سر سے اُتر جائے گا

نامہ بر جانے میں کیوں دیر لگائی تو نے
کیا مری موت ہی کی لے کے خبر جائے گا؟

ہو مرے خانۂ دل میں بھی خلا امرِ محال
آس جائے گی۔ تو وہ یاس سے بھر جائے گا

کچھ تو ہوئی کے رہے گا در قاتل پر آج
جان ہی جائے گی یا درد جگر جائے گا

ہوں گنہگار۔ مگر سوزِ نہاں کے باعث
خشک دنیا سے مرا دامن تر جائے گا

رو کے بولا مرے لاشہ پہ وہ غفلت پیشہ
کیا خبر تھی کہ تپِ ہجر میں مر جائے گا

ہائے کیا ہو گیا اس دل کو کہ محفل میں تری
ذلتیں لاکھ اُٹھائے یہ۔ مگر جائے گا

یارِ جانی، ترے خنجر کا چڑھے گا سر پر
بارِ سر جب مری گردن سے اُتر جائے گا

شرم سے ابر میں چھپ جائیں نہ ماہ و انجم
بام پر شام کو وہ رشکِ قمر جائے گا

دل کو کیوں ہاتھ سے دیں۔ کرنہ رہا ڈر دل کا
ہجرِ جاناں کا زمانہ بھی گذر جائے گا

تیرے دربان نے اگر بام پہ جانے نہ دیا
میں نہ جاؤں گا۔ مرا تارِ نظر جائے گا

دے رہی ہے یہ گواہی تری زلفوں کی کجی
کہ کبھی تہ ہی طبیعت سے نہ خر جائے گا

چارہ گر! ہی تجھے بیمارِ محبت کی تلاش
نشۂ عشق ہی کیا اس سے اُتر جائے گا

ایک جانباز میرا دل ہوگا کے وہ کب؟ کوے قاتل میں وہ بے خوف و خطر جائیگا
وہ جہاں ہوگا اُسے ڈھونڈ نکالیں گے ہم بھاگ کر مجھ سے وہ عیار کدھر جائے گا
ظلم دیکھو کہ نمکداں وہ دکھا کر بولا اس سے زخم جگر اک آن میں بھر جائے گا
اے دل اُس شوخ سے روزانہ ملاقات نکر ورنہ دو روز میں تو دل سے اُتر جائے گا

تم چلے ہو جو عیادت کے لیے بن ٹھن کے
دیکھتے ہی تمھیں بیمار تو مر جائے گا

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

فرقت نصیب ازل سے دل ناصبور تھا جس کی تلاش تھی وہی قسمت سے دور تھا
اے آہ سرد اس میں ترا کیا قصور تھا ٹھنڈا ہو دل یہ سوز محبت سے دور تھا
مجھکو یقین وعدۂ فردا ضرور تھا مشکل یہ آپڑی تھی کہ دل ناصبور تھا
روشن چراغ تھے نہ ستاروں میں نور تھا فرقت میں آہ دل کا اندھیرا دور تھا
کھینچتے تھے ہاتھ پاؤں کہ دم توڑتا تھا میں تا آستانۂ بر فنا کا صبور تھا
واقف نہیں ہیں وادیٔ وحشت سے اہل ہوش صحرا خیال سے دل دیوانہ دور تھا
کیا چیز ہے حیات کہ مرنے کے بعد بھی جو چپ ہوا وہ گوش برآواز صور تھا
طوف حرم کے پھیر میں سکتی پڑے نہیں اس راستے سے کچھ دور مے خانہ دور تھا
برسوں کی آگ جس میں ہو اس کو کہ اک دن جلنا ہی دفعتہً تو سمجھنا کہ طور تھا
پوچھوں جو سر کشوں سے ہوا کی کہ بل ملے لے شیخ خاک کیوں تجھے اتنا غرور تھا
منزل پہ لے گئی نظر دور بین مجھے جو پاس ہے وہی مرے نزدیک دور تھا
گلشن بہار پر تھا نشیمن بنا لیا میں کیوں رہا اسیر مرا کیا قصور تھا
ڈھونڈوں جو سامنے سے ہٹے ظلمت لحد کچھ کچھ سجھ کو یاد کہ آنکھوں میں نور تھا
اس آپ کو بھی عشق میں پہچانتا نہیں دل ہی بدل گیا وہ جسے کچھ شعور تھا

مرنا غم فراق میں آسان تھا مگر — اُنکی خوشی نہ تھی تو مجھے کیا ضرور تھا
گلچیں پر اک جو تنکے جلا دیے — تم آشیاں مگر ترے پھولوں سے دور تھا
سر بستہ ہے دیدۂ عبرت کے واسطے — وہ خاک جس میں دفن دلِ ناصبور تھا
پیدا کیے ہیں دل کے تعلق نے رستے — ورنہ کہاں تھا جہان میں کوئی نہ دور تھا
تکرارِ عرضِ حال نے لب سی دیے مرے — ہنسی سے دل وہ ملا جو غیور تھا
دل کھینچ کے جذبِ شوق میں آخر تڑپ گیا — ہیہات کا فاصلہ رگِ گردن سے دور تھا

جلوہ فروشِ حسن کو شاقب سے کیا ہے
ملتا ہوا اُسی سے جو بالائے طور تھا

حضرت خواجہ حسن نظامی

وہ ملیں آ کے مجھ کو یہ کیا تعویذ — یوں تو ہم نے نہ پایا ایک بھی گنڈا تعویذ
اضطراب دل بیتاب ہو گا کم — ہاتھ آئے گا جب تک کوئی اُنکا تعویذ
تم نے اک خط جو لکھا ہے حرفِ حرفِ جاں — ہم نے اس نقشِ محبت کا بنایا تعویذ
قابلِ دید ہے اس شاہ رعنا کی بہار — شیخ کچھ تم سے بھی ہو پڑھ کے تمہارا تعویذ

دل دیا ہے حسرت نے اُسی کا تو ہلاک
وہ گلے میں ہے ترے پڑ کے اتھا تعویذ

حضرت غالب دہلوی

کیوں نسیم سحر آئی ہے جگانے ہم کو — خوابِ غفلت کے مزے بھی ہیں اُڑانے ہم کو
نزع میں ہے لبِ شیریں کا تصور ہر دم — یارب آ جائیں وہ خود شہد چٹانے ہم کو
دونوں عالم کے سوا دونوں محبت نے دیا — اور بھی چند ہیں ویرانے بسانے ہم کو
سرو سرباد و سمن غیر ہیں تو سے نہ ہرو خرمالی — عقد پروین ہیں یہ انگور کے دانے ہم کو
زعفراں زار ہے چہرہ تو ہیں گلرنگ سرشک — اور پھیر آتے ہیں سب راز چھپانے ہم کو

ہے نظر حور کی ہم پر تو پری کا سایہ — اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے خدا نے ہم کو
اے زہے بخت رقیب آیا دم بازپسیں — موت پر موت نظر آئی سرہانے ہم کو
منزل آخر ہے یہی نیند کے ماتو اُٹھو — آج یہ مژدہ سنایا ہے درا نے ہم کو
گالیاں آپ کی کس لطف سے سہتے ہیں عدو — کاش آجائیں یہی تیر لگانے ہم کو
عشوہ و غمزہ و انداز و ادا۔ ناز و نیاز — فیلسوف آئے ہیں وہاں سے یہ بھانے ہم کو
دشتِ غربت میں بنے وشک جوے۔ بہر گزک — آبلے ہو گئے انگور کے دانے ہم کو

جو ہمیں جانتے ہیں۔ مانتے بھی ہیں طالب
جو نہ جانے وہ نہ مانے تو نہ مانے ہم کو

حضرت محشر لکھنوی

ابتدا ہی ہو گئی میرے لیے انجام عشق — تھا پیامِ موت میں سمجھا جسے پیغام عشق
دیدنی ہے روشنیِ محفلِ اُمید و بیم — دل کا ہر اک داغ ہے گویا چراغِ شامِ عشق
ہجر میں اظہارِ درد اور اُس پہ گریہ وائے بخت — دل کی بیتابی نے دم بھر میں ڈبویا نامِ عشق
ترزباں ہیں سب کے سب تعریفِ حسنِ دوست میں — کوئی بھی سُنتا نہیں حالِ دلِ ناکامِ عشق
لے لیا سرمایۂ ہوش و خرد کو ہاتھوں ہاتھ — کس تکلف سے دیا ساقی نے مجھکو جامِ عشق
تیغ کی اُلجھن میں سر ہو زانوئے دلدار پر — زندہ ہو جاؤں اگر ہو اس طرح انجامِ عشق
ضبطِ گریہ غیر ممکن تھا و فورِ ہجر میں — رکھ گئی مرنے سے دل کے آبروئے نامِ عشق
میری بیتابی پہ اتنا کہہ کے وہ راہی ہوئے — اب اگر جینا تو پھر ہرگز نہ لینا نامِ عشق
ایک حسنِ یار اور صد ہا ادائیں جانستاں — اک دلِ عشاق اور اُسکے لیے سو دامِ عشق
ابرِ رحمت نے نکالے اپنے کیا کیا حوصلے — خضر میں جب آ گئے مستِ تہِ جامِ عشق
سُنتے سُنتے قصۂ درد جگر کیوں ہنس دیے — کہتے کہتے دفعتہً چپ ہو گیا ناکامِ عشق
پہلی ہی منزل پہ موسیٰ کو ہوئیں سو لغزشیں — صدقے اُن قدموں کے جو پہنچے ترے بامِ عشق

ہمنشیں غم ہو چکا محشر خیر ہے یا نہیں
لڑ چکیں نظروں سے نظریں آ چکا پیغام عشق

حضرت بیباک شاہجہاں پوری

دکھائیں ضد سے وہ ناز اپنی دلربائی کا
یہی سبب ہو زاہد کی پارسائی کا

یہی رہا جو تمھیں شوق خود نمائی کا
تو اک نگاہ میں ہے فیصلہ خدائی کا

وہ کون کشتۂ حسرت ہے جسکے ماتم میں
سیاہ رنگ ہوا ہے شب جدائی کا

کسی کے وصل کی یارب ضرور ساعت ہو
کہ وقت ہے مری تقدیر کی رسائی کا

دیا ہے دل اُسے مجبور ہو کے اے ناصح
یہ جانتا ہوں نہ مانے نہیں بھلائی کا

وفائے غیر پہ میں کچھ کہوں تو کہہ دیگے
تجھے تو شرق ہے کمبخت خودستائی کا

مجھے جنوں نہ کہیو تکرفغان بلبل سے
کہ شاخ گل میں ہے عالم تری کلائی کا

مٹا ہے وعدۂ عود و قصد رہبر و واعظ
مری سمجھ میں یہ پیغام ہے جدائی کا

لٹا رہا ہے ہمیں خار ہائے صحرا پر
کیا تھا عذر بنوں سے شکستہ پائی کا

یہ ڈر ہے حشر میں ہم کیا کہیں وہ کیا سمجھیں
بہت معاملہ نازک ہے آشنائی کا

ستا رہی تھی کہ اتنے میں وہ جو آ پہنچے
ذرا سا منھ نکل آیا شب جدائی کا

یہ ایک ہی تو ہوئی اے نگاہ تاب فگن
بہت غرور تھا زاہد کو پارسائی کا

دیا دل اُنکو مگر ہم رہے بُرے بن کر
بھلا کوئی بھی ٹھکانا ہے اس برائی کا

یہ وہ مرض ہے کہ عیسےٰ بھی کہہ نہیں سکتے
کوئی علاج بھی اس مفت کی لڑائی کا

وہ کہہ رہے ہیں تعجب کی جا ہے اے بیباک
تری زباں پہ گلا میری بے وفائی کا

ایک نظر

اُردو کانفرنس کو کیا کرنا چاہیے = اس عنوان پر ایک مضمون اسی پرچہ میں شائع ہوا ہے جس سے اراکین کانفرنس کو عملی کام کرتے وقت ضرور کچھ نہ کچھ مدد ملے گی۔ مضمون مذکورہ کے علاوہ ہمارے پاس مختلف حصص ملک سے خطوط اس عنوان کے متعلق آئے ہیں جن میں سے ہم اُن تجاویز کو درج کرتے ہیں جو حضرت عزیز کے مضمون میں پیش نہیں کی گئیں ہیں۔ ممالک متوسط سے ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) کانفرنس کا سب سے ضروری کام اصطلاحات وضع کرنا ہے مگر اصطلاحات بناتے وقت کانفرنس کی اُس کمیٹی کو جو اس غرض کے لیے مقرر کی جائے خیال رکھنا چاہیے کہ اُردو میں علوم تصوف کی وجہ سے بعض فلسفیانہ اصطلاحات موجود ہیں ان ہی اصطلاحات کو ترجیح مناسب قائم رکھنا چاہیے کیمیاگروں کے صدقے سے اُردو میں اصطلاحات علم کیمیا کی بھی ایک حد تک مروج ہیں۔ اصطلاحات مرتب کرنے کے وقت اُنکو پیش نظر رکھنا چاہیے غرض یہ ہے کہ پُرانے اصطلاحات کے ہوتے نئے اصطلاحات نہ وضع کیے جائیں۔

(۲) اُردو میں قومی ڈرامے تصنیف کرائے جائیں اور اُنکے ذریعہ سے اردو زبان کو ہر دلعزیز بنایا جائے اس سے اُردو زبان کی عام اشاعت زیادہ ہوگی خصوصیت کے ساتھ اُن حصص ملک میں جہاں اُردو کم بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

(۳) ایک ایسی فہرست تیار کی جائے جس میں شروع سے لے کر اب تک مختلف علوم و فنون پر جتنی تصنیفات و مضامین اُردو میں لکھے گئے ہوں مع مختصر حالات مصنفین کے درج ہوں اسکے لیے بڑی محنت و جانکاہی درکار ہوگی ایسی فہرست سے زبان اُردو کی موجودہ حالت و حیثیت کا اندازہ ہوگا اور آئندہ کیا کرنا ہے

اس کے پروگرام کی تیاری میں بڑی مدد ملے گی۔

(۴) اکثر صاحبوں نے اُردو کی انسائیکلوپیڈیا کے مرتب کیے جانے پر زور دیا ہے اور اسکے علاوہ ایک سرکلیٹنگ لائبریری قائم کرنے کی رائے دی ہے جس میں کانفرنس کی طرف سے مختلف علوم وفنون کی نادر و نایاب کتابیں موجود ہوں اور جو اُس کے اُن مقتدر ممبروں کے پاس مختلف شہروں میں بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں جو کتاب کی اصلی قیمت سے زیادہ رقم ضمانت کے طور پر دفتر کانفرنس میں جمع کردیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ اُن لوگوں کے کام آسکیں جن سے کانفرنس کو تصنیف یا تالیف کا کام لینا ہو۔

اُردو انسائیکلوپیڈیا۔ ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دارالمصنفین اعظم گڈھ نے اُردو دائرۃ المعارف کی ترتیب کی طرف توجہ کی ہے اور جسکے لیے بعض رؤسا نے قرار واقعی مالی امداد دینے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں جناب راجہ صاحب والی محمود آباد کا نام نامی خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہم دارالمصنفین کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُردو کانفرنس کے لیے بھی اس خیال کو ایک نیک فال سمجھتے ہیں کیونکہ دارالمصنفین نے اپنے ذمہ ایک ایسا عظیم الشان کام لے کر اُردو کانفرنس کے ایک جید اور اہم کام میں اس کا ہاتھ بٹایا ہے ہمیں اپنے دوست مولوی سلیمان صاحب ندوی سے امید ہے کہ وہ بحیثیت ناظم دارالمصنفین کے اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کی پوری سعی و کوشش فرمائیں گے اگر دیگر امرا و رؤسا ملک نے راجہ صاحب والی محمود آباد کی طرح اس تحریک کی سرپرستی فرمائی تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ کام نہایت حسن وخوبی کے ساتھ مکمل نہ ہوجائے۔

تمدن میں تصویر۔ اکثر ناظرین "تمدن" کا تقاضا تھا کہ "تمدن" میں تصویر شائع ہونی چاہیے ہم نے اُن حضرات کی خواہش کے مطابق مستقل طور پر تصویر

شائع کرنے کا انتظام کیا ہے جس کو صحیح معنوں میں استقلال بخشنا ہمدردان "تمدن" پر منحصر ہے کیونکہ جنگ کے زمانہ میں جبکہ کاغذ کی گرانی نے ہندوستان کے اخبارات ورسائل کیا ولایت کے مشہور ومعروف اور کثیر الاشاعت اخبارات کو نہ صرف اپنا حجم کم کرنے پر مجبور کیا بلکہ انھیں اس کمی حجم کے باوجود اپنی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑا تو اس صورت میں ہمارا تصویر شائع کرنے کا قدم تمدن کی مالی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دانشمندانہ قدم نہیں کہا جاسکتا مگر ہماری اس جسارت پر کارکنان "تمدن" کی ہمت افزائی کرنا اب اُن حضرات کا کام ہے جنھیں "تمدن" سے ہمدردی ہے جس وقت سے "تمدن" ہمارے ہاتھوں میں آیا ہے اُس وقت سے ہم نے اسکے مضامین کو بہتر بنانے اُس کو وقت پر شائع کرنے اور دیگر ظاہری ومعنوی خوبیاں پیدا کرنے میں اپنی امکانی کوشش صرف کی ہے گو ہم "تمدن" کو اس وقت تک ظاہری اور معنوی اعتبار سے اس معیار پر نہ لاسکے جو ہم نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا اُمید ہے کہ ناظرین "تمدن" ہمیں معاف فرمائیں گے اگر ہم اسکے لیے اُنھیں مورد الزام ٹھہرائیں کیونکہ اُنھوں نے "تمدن" کی توسیع اشاعت میں ہرگز ایسی کوشش نہیں فرمائی جس کی اُن سے توقع تھی۔ امید کہ ناظرین "تمدن" اس پر غور فرماکر "تمدن" کی توسیع اشاعت کو اپنا فرض خیال فرمائیں گے جس سے کہ "تمدن" کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں اور اضافہ ہوسکے گا۔

جناب نواب نصیر حسین خان صاحب خیال کی تصویر ہمیں جناب سید سجاد سید صاحب بی اے کے ذریعہ سے ملی ہے ہم جناب سید صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ملنے کا پتہ دفتر تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

کے لیے صدہا تصویریں دیگئی ہیں قیمت ہر جلد عہ مجلد عہ

سورج چاند ستارے - اجرام فلکی کے متعلق ایک
یات دلچسپ اور مفید کتاب ہے جسمیں چاند، سورج، ستارو
یاروں و مدار تاروں ٹوٹنے والے تاروں کی زمین سے دوری
نی وسعت جسامت باہمی تعلقات گردش کیفیت، اثرات روشنی
یات پر روشنی، خیرہ عمومی کیفیات تحریر کرنے کے علاوہ بعض
نی باتیں بیان کی گئی ہیں جو بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔
ین پیرہ کر آسان کی سیر کرنا منظور ہو تو اس کتاب کو ضرور

لحاظ فرائض مجم ۳۰۰ صفحات قیمت ۸ مجلد ۱۲ ر

تاریخ مذہب - اسمیں مذہب کی ابتدا و ترقی کا حال
بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور سومیری مصر اور چین اور
یر خاک اور اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے
قیمت ..... ۸ ر مجلد ..... ۱۰ ر

داستان مریخ - سیارۂ مریخ کی مسکدر اسوقت تک تحقیقات
وچکی ہے اسکو اختصار کے ساتھ اس میں قلمبند کر دیا ہے
قابل دید کتاب ہے قیمت ..... ۱ ر

کرم اردسی یعنی صاکوئی کا لیہ اس کے ایک مشہور لڑکا
رجمہ ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندوؤں کی تاریخ اور
نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مترجم جناب مولوی محمد
عزیز مرزا صاحب بی اے جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن
قابل دید کتاب ہے قیمت ..... عہ

بچوں کی پرورش - مصنفہ علیا حضرت سکندر جہاں
رمانروائے بھوپال دام اقبالہا و ظلہا ۱۲۱ صفحے کی کتاب
ہے جسمیں وہ تمام باتیں نہایت وضاحت سے درج کی گئی
ہیں جن کا جاننا مستورات پر لازم و فرض ہے۔ بچوں کے
کھانے پینے کھلونے کے متعلق نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت عہ

بنت الرسول - سیرۃ النساء حضرت فاطمۃ کی مکمل
اس کتاب کو حضرت بیتاب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور
مستورات کے لیے لکھا ہے۔ حجم ۹۴ صفحات قیمت ۵ ر

رسول عربی - پیغمبر اسلام کی جامع سوانحعمری اور بچے
حالات حجم ۵۴ صفحہ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۸ ر

کفایت شعاری - یہ مسائل اسٹائز کی مشہور و معروف
کتاب "تھرفٹ" کا خلاصہ و انتخاب ہے قیمت ۶ ر

آئینہ ہارمونیم - مصنفہ پروفیسر نندن لال صاحب
ہارمونسٹ ہارمونیم سیکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بڑے
کام کی چیز ہے قیمت ہر دو حصہ (رعایتی) ۱۲ ر

قاسم و زہرہ - منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی
یہ منظوم ڈرامے مصنف ہیں۔ شروع سے آخر تک زبان
شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور
باتیں کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے۔ نقوب چیست لطیفے برجستہ
اور نیم دلکشی حکیمانہ مذاق سے خالی نہیں۔ معاشرت کے
عین مطابق فطرت دکھائے ہیں۔ نیچرل کیفیات و جذبات
میں سراپا ڈوبا ہوا ہے قیمت ۸ ر

رباعیات انیس و دبیر - اس کتاب میں ہندوستان
کے ان مشہور تاوالکلام و معجز بیان شعروں کی عزائیہ
اور اخلاقی رباعیات کا قابل قدر انتخاب درج ہے
حجم ایک سو صفحہ قیمت ۴ ر

رباعیات دبیر - حضرت دبیر کی رباعیات کا
قابل قدر مجموعہ یہ سات سو سے زیادہ رباعیات درج ہیں۔ ۸ ر

کلیات نظیر اکبرآبادی - جس میں دیوان نظیر
و بستان نظیر ہر دو حصہ شامل ہیں جس کو پروفیسر سید
محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے مرتب کیا ہے رعایتی قیمت عہ
عہ مختصر ۱ ر - (دوم) ہندوستانی زندگی ایک نہایت
دلکش اور دلچسپ فسانہ مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب مصنف
تماشا گاہ عالم وغیرہ ۵۷۶ صفحات رعایتی قیمت عہ

حیات حافظ جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ
شیرازی رح کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اور انکی
شاعری پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ عہ

کارروبار اسلام یعنی اسلامی تاریخی معارف کی (انسائیکلوپیڈیا) دو جلدیں فی جلد عہ

ہارون سوانحعمری بارون رشید اعظم مؤلفہ مولا

لاح الدین یعنی ابو المظفر الملک الناصر
ان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس
وانح عمری ۸ر

بات احمدیہ مجلد عہ

زیب الاخلاق سہ ماہہ جلد قیمت بیرونجات ۱۲ر

ں محاربات دو حصہ قیمت
س جاپان فی حصہ ۱۲ر

ہرا ایک ترکی ناول کا ترجمہ متر جمہ سید
اد حیدر صاحب بی اے ۸ر

ت نورالدین ۸ر

کار سعدی علیہ الرحمہ ۸ر

عیات حالی مولانا حالی کی رباعیات کا

یہ جدید ایڈیشن مسدس تقطیع پر چھپا ہے ہر صفحہ میں دو رباعی درج ہیں قیمت ۳ر

وتا یعنی بگلا بھگت اور اسکی چچی ناول کے پیرایہ میں ایک سچے واقعہ کا بیان قیمت ۶ر

قانون قدرت جسمیں سچے۔ جھوٹ۔ چوری۔ مکر فریب وغیرہ وغیرہ کے عنوانات علحدہ علحدہ قائم کر اُنکے تحت میں آیات قرآنی مع اُنکے سلیس ترجمہ کے درج کی گئی ہیں کتاب اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لیے یکساں مفید ہے قیمت عہ علاوہ محصول

جذبات بھاشا بھاشا (ہندی) زبان کے نہ ودلکش نازک تخیلات کا مع اُردو زبان میں ایک تبرہ اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح تشریح اور وہ بھی حضرت نیاز کے دلگداز قلم سے قیمت رعایتی ۸ر

المشتہر **مینیجر تمدن بک ایجنسی نیا گاؤں لکھنؤ**

ں کتابوں کے بجائی
ار کو محصول ڈاک
یں ویلو معاف

پانچ پانچ روپیہ کے سو خریدار
فوراً مطلوب ہیں

یعنی تینوں کتابوں کا ویلو
مع جملہ اخراجات صرف
صہ ۱۵ روپیہ میں بھیجا جائیگا

انتخاب اردوئے معلے یعنی مرحوم رسالہ اردوئے معلے علیگڈھ کی گذشتہ دس برسوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید انتخاب مجلد قیمت عہ

(۲) مکتوبات امیر مینائی یعنی منشی امیر احمد مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ مع تصویر و سوانح عمری امیر و موازنہ داغ و امیر مجلد ۳۵۲ صفحے قیمت عہ

ذکرۃ الشعرا حصہ اول مکمل مرتبہ حضرت موہانی جس میں تذکرۂ شعرا دیگر حصوں میں نظر ڈالنے کے علاوہ دیوان امیر و شہیدی۔ تمنا۔ عاشق ر۔ آتش۔ غافل۔ بیخود۔ جوش۔ مومن۔ نسیم۔ رشکی۔ حالی۔ یہ بے نظیر بیش بہا مخطوطہ ادی و حضرت موہانی کے مرد دوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے۔ ان میں سے اکثر دیوان ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ قیمت عہ

طبع ثانی تک حضرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرہ استعمال کیا ہے علحدہ نہیں مل سکتا

المشتہر **بیگم حضرت موہانی** ۔ دفتر اردوئے معلے علیگڈھ سٹی

ضمیمہ تمدن

ملنے کا پتہ دفتر تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

قابل دید کتب

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کر دی گئی ہے اور ان میں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہو سکتیں

عاولہائے قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول شہید۔ سعادت۔ شاہد رعنا جو دو بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھوں پہنچ چکے ہیں اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔۔۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت عہ

اسلام بائی قاری - قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) سیاح جاپان و انگلستان کے انگریزی زبان میں متصوفانہ مضامین کا مجموعہ یہ مضامین بڑی قدر کے ساتھ امریکہ کے مشہور رسالوں میں چھپے تھے اب دوبارہ چھپا کر نہایت خوبصورت جلد میں ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں قیمت میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے اور اب تا اطلاع ثانی اسکی قیمت مع محصول ڈاک ۱۲ر ہے۔

ناول

آولیس - رومۃ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ اول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے نہایت دردناک و پُر تاثیر قصہ ہے۔ قیمت ۸ر

اٹوپیا - اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک خیالی ملک اقوام کے نظم و نسق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے قیمت ۴ر

فرانسیسی معلمہ یعنی تربیت اولاد کا ایک دلچسپ قصہ مترجمہ مولوی سید جلال الدین حیدر صاحب (طبع دوم) ۱۵۵ صفحات اصل قیمت ۸ر رعایتی ۶ر

تماشا گاہ عالم - ہندوستانی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب اصل قیمت ۴ر رعایتی ۲ر

متاریخ

علمائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمٰن شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ کی مشہور علمائے اسلام کے حالات مدرج ہیں اصل رعایتی آٹھ آنہ (۸ر)

قدیم ہندوستان کی تہذیب - مسٹر آر سی دت کی ہسٹل تاریخ سویلائز کا اردو ترجمہ رعایت قیمت عہ

تذکرۂ امیر - امیر عبد الرحمٰن خان صاحب سوانحعمری مصنفہ منشی محبوب عالم صاحب عہ رعایتی عہ۔

سفرنامہ یورپ بلاد روم و شام و مصر یعنی منشی ایڈیٹر پیسہ سفرنامہ صفحات ۷۰۰۔ اصل قیمت ۱۲ر

تاریخ اودھ - نواب برہان الملک عہد سے واجد علیشاہ کی معزولی تک کے مدرج ہیں یہ مستند و نایاب کتاب تو ایڈیٹر ہے اسکے مولف جناب نجم الغنی صاحب اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی قابلیت ہیں اور تاریخ اودھ ان کا ایک کارنامہ اردو کو بجا طور سے یہ تاریخ فرمانروایان کی پوری تصویر دکھاتی ہے اور دیکھنے سے کہیں بڑھی ہوئی۔ مکمل چار جلدوں (چھ سو پیجہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ دفتر تمدن نیا گاؤں لکھنؤ

ادبی جواہر ریزے

ایک شاعر کا انجام - (ناول) حضرت نیاز کی معجزہ تحریر کا اعلےٰ نمونہ - سراپا درد تڑپا دینے والے تخیلات سحر حلال حسن و عشق کی نیرنگیاں قیمت رعایتی ۸ر

گودڑ کا لال - (ناول) ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا ایک طبع زاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن و معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ جو پہلے سلسلہ وار اخبار شریف پی پا میں کئی سال تک شائع ہو چکا ہے مصنفہ جناب محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۲۴۰ قیمت ہر دو حصہ ۳ر

عالم خیال - (باتصویر) حضرت شوق قدوائی لکھنوی کی چار بے بدل اور بے اضافت نظموں کا دلکش مجموعہ ایسی دلچسپ اور معنی خیز نظمیں اردو زبان میں اس سے پہلے شائع نہیں ہوئیں اسکے ساتھ چار ریویو بھی ملک کے منتخب اہل قلم کے شامل ہیں جو نظم کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی رائے ہے کہ اردو تو اردو اور غیر زبانوں (مثلاً انگریزی وغیرہ) میں بھی ایسی پایہ کی نظمیں موجود نہیں چھپائی دیدہ زیب قیمت فی جلد ۶ر

آئینہ جنگ - موجودہ جنگ عظیم کی ایک مفصل اور مضبوط ڈائرکٹری جس میں اسباب جنگ حریفوں کی جنگی قوتوں وغیرہ متعلقہ امور سے دلچسپ بحث کی گئی ہے صفحات ایک سو قیمت صرف ۴ر

السنۂ مشرقیہ - عربی سنسکرت اور فارسی زبانوں کی دلچسپ تاریخ ہر زمانہ کی ترقی و تغیر اور زبان کے نمونے نہایت عمدہ تحقیق سے لکھے گئے ہیں قیمت صرف ۶ر

برکات سلطانی - علیا حضرت بیگم صاحبہ والیٔ بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی علمی و اسلامی خدمات کا مرقع دو باتصویر پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت صرف ۶ر

شکوہ - ڈاکٹر اقبال کی مشہور و معنی خیز نظم قیمت ۱ر

عذر شکوہ - ڈاکٹر اقبال کے شکوہ کا جواب قیمت ۲ر

جواب شکوہ - ڈاکٹر اقبال کے قلم سے شکوہ کا جواب قیمت ۲ر

جذبات مسلم - ۲۰ قومی اور معنی خیز منظومات کا دلچسپ اور دلکش مجموعہ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ کے قابل بقول اڈیٹر زمیندار اسلام کے جذبات سابقہ کا ایک دلفریب نمونہ حقیقی و لولہ انگیز اسلامی نظموں کا ایک بہترین مجموعہ ضروری حاشیہ مبسوط مقدمہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا گنجینہ مجم ۱۵۰ صفحات اصل قیمت ہر رعایتی عہ

مسدس حالی - مولانا حالی کی زندہ جاوید تصنیف مدوجزر اسلام جس نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی مع سوانح عمری حالی و حاشیہ کاغذ و لکھائی چھپائی اعلیٰ سرورق رنگین مجلد ۱۲ر غیر مجلد ۸ر

سلطنت برطانیہ کا مستقبل - اہم بامعنی کتاب ایک جاپانی مدبر کی تصنیف ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت ۴ر

شباب لکھنؤ - اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیے ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کا چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیے ہیں مترجمہ منشی محمد احمد علی صاحب بی اے قیمت یہ مجلد ۲ر

علوم طبعیہ کی تاریخ - علوم طبعیہ کی ان تمام ایجادوں اور ایجادوں کی تشریح جو سائنس میں صدی قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم جدید علماء نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت مفید اور ضخیم کتاب ہے مضامین کی فہرست

نادر و نایاب مشہور عالم کتابیں

گنجینۂ اسرار حقیقت

اس نادر کتاب میں ہندوستان اور ممالک اسلام روم۔ عرب مصر شام کے ۱۱۲ درویشان کامل اور رہبران راہ طریقت بزرگوں اور مستند ولیوں کے جامع اقوال اور نصائح درج ہیں کتاب کا ایک ایک لفظ جواہرات سے تولنے کے قابل ہے قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲ ار مع محصول

رہنمائی باغبان:۔ اس میں ہر قسم کے میوہ دار درختوں کی ترکاریوں اور ہر قسم کی پھلواری پیدا کرنے کے طریقے۔ بونے کا موسم اور بہت سی متفرق باتیں درج ہیں تاکہ ہر شخص باغبانی کے عام اصولوں سے مستفید ہو سکے اور باغبان کو نہ شامد سے بچے قیمت مجلد سفحہ محصول گیارہ آنہ (۱۱)

رہنمائے مسافران:۔ ہندوستان و پنجاب کے ۶۶ تاریخی چیدہ چیدہ مشہور شہروں کا حال جو سیاح اور مسافر کو رہنما کا کام دیں ہر جگہ کی تجارت مشہور عمارات کے مفصل علامات ضروری آدم قابل دید جو آدمی ریل کا سفر کرنے کے عادی ہیں وہ ضرور خریدیں قیمت مجلد مع محصول بارہ آنہ (۱۲)

نعمتوں کا طلائی تھال:۔ قسم قسم کے کھانے اور مٹھائیاں وغیرہ بنانے کی لاجواب کتاب دنیا بھر کے ہر قسم کے کھانے اور مٹھائیاں وچاٹ وغیرہ ہر قسم کے اچار مربے باتیر ترکاریاں وغیرہ خود بنا لو عبارت عام فہم ایک گنوار عورت کو بھی پڑھ کر سنا دو وہ بھی عمدہ سے عمدہ لذیذ کھانے بنائے قیمت گیارہ آنہ (۱۱)

پھلجھڑی:۔ یہ روتوں کو ہنساتی ہے پژمردہ دلوں کو شگفتہ کرتی ہے غمگین اور رنجیدہ کو باغ باغ کرتی ہے قابل دید۔ مہذب عمدہ لطائف کا مجموعہ ۱۷۵ صفحہ قیمت گیارہ آنہ (۱۱)

(نوٹ) تمام کتابوں کی قیمت مع محصول درج ہے اور سب مجلد ہیں۔

ملنے کا پتہ

منیجر قیصر ہند ایجنسی ۲۲ سہارن پور ۔ یو ۔ پی ۔

[illegible]

[illegible] لفظ میں بیان کیا ہے یہ دوا لفظ میں اسکو پان کر لیتا ہے۔ دورہ یا ہچ جیسے ٹیک
[illegible] ہیں۔ کیوں کہ لمبے کرنے کی ضرورت ہے جسکو تکلیف ہو اسکو دوا کے استعمال سے
[illegible] رفع ہوتی ہے دورہ کو واسطے کی دوا کی ایسا ہی فائدہ ہے نصف گھنٹہ میں ہو یا
[illegible] جن کسی وجہ سے کیسا ہی دورہ کی دوا سے رفع ہوتا ہے صرف یہی نہیں آکسر کیٹا
[illegible] ہو جاتا ہے اور اس دوا سے فوراً آرام ہو جاتا ہے ان دونوں تک فوراً
[illegible] سر درد کیا کرتے ہیں کام میں یا سفر کی باتوں میں تکلیف دیتی ہیں عیش و عشرت میں خلل
[illegible] اور زندگی کو زہر بنا دیتی ہیں کل تکلیفیں سر پر آجاتی ہیں اور سارے درد سر
[illegible] کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کے لیے۔ دوا کے استعمال سے فوراً دور میں آرام ہوتا
[illegible] اس پیکٹ ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے قیمت ۱۲ ٹکیوں کی ایک شیشی
[illegible] آنہ (۱۲) محصول ڈاک ایک سے چھ تک ایک آنہ (۱) بارہ ڈبیا تک چھ آنہ۔ (۱۲)

[illegible]

[illegible] کے لگانے سے کھیلی ہوئی ہوا [illegible] ہے ایک دم اچھا ہو جاتا ہے۔
[illegible] فی ڈبیہ ۴ محصول ڈاک ایک ڈبیہ سے ۲ ڈبیہ تک پانچ آنہ (۵) دو بارہ ڈبیہ تک آٹھ آنہ (۸)

ضعف بخار اور طحال کی دوا

یہ دوا اکتیس (۳۱) سال سے سارے ہندوستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخار میں مبتلا ہوں اور کسی قسم کے علاج کرا کے تنگ آ گئے ہوں تو اس مجرب دوا کو ایک مرتبہ ضرور منگا کر استعمال کریں آپ کو فائدہ ہی جواب ملے گا۔ یہ پیکٹ دس کو مارد نیا ہے اسلیے کہ اکثر چار پانچ خوراک پینے ہی بخار کا آغاز ہو جاتا ہے اور جونہی بخار آنا بند ہو جائے دوا دینی بند کر دیجئے۔ اور نہ دینے سے قیمت واپس کی جاتی ہے قیمت فی پیکٹ ۱۲ خوراک ۱ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲ خوراک ۱ آنہ (۱) محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴ خوراک ۲ آنہ (۲) محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰ خوراک ۲ روپیہ ۸ آنہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰ خوراک ۴ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰ خوراک ۸ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰ خوراک ۱۸ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰ خوراک ۳۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰ خوراک ۵۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰ خوراک ۱۲۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰ خوراک ۲۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰ خوراک ۳۵۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰ خوراک ۷۵۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰ خوراک ۱۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۲۴۰۰۰ خوراک ۲۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۶۰۰ خوراک ۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ محصول ڈاک ۱ آنہ (۱) قیمت فی شیشی ۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰

سلمانو شاندار قرآن مجید مع احناشدہ پڑھو

یف متوسط القلم ہے خط نہایت پاکیزہ چھاپہ صاف خوشخط اسکے حرفوں کی خوشنمائی موتی کی
زیادہ کاغذ سفید چکنا ولایتی۔ ہر بسم اللہ کا حسن تحریر جدا گانہ جلد نہایت عمدہ مبتدیوں
ں سے بہتر قرآن مجید شائع نہیں ہوا یہ مجلد ۱۰

جوانو اور بچوں کو انگریزی سکھانے کی آسان کتاب
انگلش ٹیچر اردو انگریزی مع لیٹر رائٹر

ب کتاب میں گرامر پرونسیشن ایڈیم اور لیٹر رائٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنے اور تلفظ
گئے ہیں یہ کتاب طالب علموں کے لیے عموماً اور ان لوگوں کے لیے خصوصاً تالیف کی گئی ہے
ی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتے ہر قسم اور ہر نکتہ و مدلل بول چال کا ترجمہ عام فہم
اردو میں کیا گیا ہے فی جلد مجلد ایک روپیہ

۔ الحاج محمد یوسف خاں منیجر شہرت ایجنسی دہلی فراش خانہ

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

نہایت خوشرو جوان بی اے۔ ایم۔ اے وغیرہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔
فرنز جنٹلمین۔ رنگیلے چھبیلے حسن کے دلدادہ فوراً رجوع کریں

یہ ہے جمال صابن

خوبصورتی پیدا کرتا چہرہ کی رنگت سفید چمکدار اور صاف کرتا ہے ایک خاندانی طبیب
ہے فوراً منگا کر استعمال کرو یہ صابن تازہ تازہ خوشبوؤں سے تیار ہوتا ہے کالا رنگ
ا چہرہ صرف سات روز مل کر نہانے سے گلاب کی پتی کے مانند خوبصورت ہو جاتا ہے
ں اور مہاسے فوراً کھو دیتا ہے فی بکس تین ٹکیہ ۴ خ فیشنیبل صابن دانی ایک روپیہ

پری بہار ہیر آئل

ں لگانے کا خوشبودار پر بہار تیل خشکی دماغ کو دور کرتا ہے اسکے استعمال سے بال لمبے اور ریشم
لائم ہو جاتے ہیں بھینی بھینی خوشبو آتے ملتی ہے فی شیشی ۱۰ تولہ ایک روپیہ

۔ حکیم محمد یعقوب خاں مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار فراش خانہ

اب بھی جو مریض مبتلائے مرض رہیں
تو ان کو بجز بدقسمت اور کیا کہنا چاہیے۔

اکسیر حیات فی صد للعہ۔ جو کل امراض میں بموجب ہدایت استعمال کرنے سے اثر کیمیائی کہا بلکہ مثل بجلی اندر تین یوم کے مرض چہارم حصہ بھی نہیں رہتا۔ آزمائش شرط ہے کیونکہ اس میں جزا سی تباہات کا ہے جو عموماً گنگا۔ نربدا کنارے ملتی ہے۔ فوائد کے مقابل قیمت کچھ بھی نہیں رکھی گئی ہے مختصراً ذکر کر دیا بقولے کہ "مشتے نمونہ از خروارے" مفصل کے لیے ہمارا نرخ نامہ جس میں صدہا ادویات نادرہ ہیں پرچہ ترکیب طلب کر کے ملاحظہ کریں۔ مصفی۔ مولد خون۔ مہیج۔ مشتہی۔ مقوی اعضائے رئیسہ۔ مجلی بصارت۔ دافع امراض نامیارک۔ آتشک۔ سوزاک۔ خرابی خون۔ داد خارش۔ پھوڑا پھنسی۔ برص۔ جذام۔ سستی و کاہلی۔ درد بدن۔ کمر پشت۔ شکم علل۔ اورام بدن دشمن اوجاع مفاصل۔ یرقان۔ سرعت انزال۔ احتلام۔ بخار۔ کھانسی۔ دمہ ہیضہ طاعون۔ آشوب چشم۔ ڈھلکا۔ جالا۔ دھند۔ خارش۔ سرخی چشم۔ لکنت۔ گونگا امراض معدہ۔ استسقاء۔ بواسیر۔ ذبحۃ الصدر۔ قاطع سیلان رحم۔ حبتاس النفاس وغیرہ اکسیر حافظہ۔ اکسیر خوراک عمار طلبا سے نصف قیمت۔

العشتھر

احقر العباد چودھری دیبی پرشاد بلگرامی شہر لکھنؤ
گنگا پرشاد روڈ کوٹھی لال پردہ پوسٹ نمبر ۱۱

جلد ۱۲

تمدن

فلسفۂ وقت بیکاری

نتواں زگفتگو بحقیقت رسید لیک — افسانۂ نگو ہر نایاب خفتنی است

علمائے طبعیات کا مشہور مقولہ ہے کہ "خلا بال ہے" جس پر عناوہ برہان سے مشاہدہ کی شہادت بھی گذر چکی ہے۔ اور ثبوت میں یہ مثال عموماً استعمال کیجاتی ہے کہ ایک برتن لے کر پانی پر اوندھا دو پانی اُس میں نہ داخل ہوگا تاوقتیکہ اُس کی ہوا نکل نہ جائے لہذا تمھیں ہوا کے نکلنے کا راستہ دینا ہوگا۔ اس کے استبعاد پر قدماء و متاخرین کے اسلوب استدلال میں اختلاف ہے ورنہ درحقیقت ایک ہی نغمہ ہے جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا ہے۔ کارخانۂ ادبیات میں اُس کی جانچ پڑتال اکثر ہوتی رہی، بعینہٖ یہی حالت معنویات کی بھی ہے یعنی معنوی ظرف (فکر یا عقل) کا خلا بھی عنصر خیال سے محال ہے غنقا تصور (یا قوت متخیلہ) کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ تخیلات کے پَروں مصروف پرواز نہ رہتا ہو۔ انتقال ذہنی خیالات میں تنوع پیدا کرتا رہتا ہے ان خیالات کے سلسلہ کی کڑی ایک دوسرے سے پیوست ہوتی ہے چنانچہ اس سیدھے سے

موڑ کر شدید خیال کو اگر تم دوسری طرف متوجہ کرو تو آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اس وقت تم ضابطۂ فطرت سے انحراف کرو گے۔ البتہ اسی خط مستقیم پر چلنے سے تمہارے اندیشۂ فکر کے نتائج بتدریج ظاہر ہوں گے۔

جب یہ تمھیں معلوم ہو گیا کہ دماغ خیالات سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا تو کوشش اس امر کی ہونی چاہیے کہ دماغ میں ہمیشہ پاکیزہ خیالات نیچرل جذبات کو جگہ دی جائے بے شغلی کے وقت انسانی وحیوانی جذبات میں مقابلہ کی ٹھہر جاتی ہے اُن میں سے کوئی غالب آتا ہے پھر وہی بلکہ غالب ایک خیالی واعظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے ترقی کی روحانی یا مادی تلقینات کا وعظ کہتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان دونوں درجوں میں سے کسی پر پہنچ جاتا ہے یعنی عالم ترقی میں یا تو صدیق کا معزز و گرامی خطاب حاصل کرتا ہے یا زندیق کہلاتا ہے اور درحقیقت یہی معرکۂ خیال کی کامیابی اُس کے سر استقبال (آئندہ زندگی) پر تاج سعادت رکھتی ہے جس میں شہرت نیکنامی اور روشن ضمیری کے آبدار موتی ٹکے ہوتے ہیں لہذا حکیمانہ روش یہ سکھلاتی ہے کہ انجمن بے شغلی کے ممبر اگر عقل سلیم کو اپنا صدر انجمن بنا لیا کریں تو ان کو اپنے مفاد کی عمدہ تدابیر کے انتخاب میں اس سے بہت بڑی بیش بہا مدد ملے۔ اور بیکاری میں جن خطرات کا اندیشہ رہا کرتا ہے اُن سے اطمینان حاصل ہو جائے۔

تم نہیں دیکھتے کہ بیدار مغز مدبرین نے یہ اصول قائم کر دیا ہے کہ جب ملک امن و امان کے ہلکے ہلکے پینگ لے رہا ہوتا ہے تو فوج کی پلٹنوں کو دوسرے غیر ضروری امور میں پھنسا دیتے ہیں تاکہ بیکاری میں اُن کی سرگرمی کی روح بدامنی کا قالب نہ اختیار کر سکے اسی طرح روشن ضمیر پیشوایان قوم یا مذہب اپنے اتباع کی علمی و عملی رفتار کے لیے نئی نئی سڑکوں کی داغ بیل ڈالتے رہتے ہیں

کہ کہیں اُن کا قدم زمانہ کے نشیب و فراز میں نہ پڑ جائے۔ اور قلوب کجروی سے ملوث نہ ہو جائیں پس یہی احتیاط ہر فرد بشر کو بذات خود کرنی چاہیے کہ کسی مفید مشغلہ سے اپنا وقت خالی نہ رکھے۔ ورنہ اُس کی جگہ افعال شنیعہ لے لیں گے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سبق احتیاط کاروباری انسان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے بلکہ یکایک کے چند گھنٹوں یا منٹوں اسے نصب العین رکھ کر دیکھیے اگر آپ کا دل و دماغ اُسکے لطیف ذائقہ کا لذت آشنا نہ ہو جائے تو سہی، آگے چل کر ہم آپ کو چند اُن برگزیدہ اور اولوالعزم مشاہیر سے ملائیں گے جن کے مہتم بالشان کارنامے اُن کو دنیا میں مابہ الامتیاز بنائے ہوئے ہیں چشم کمال اُن کی اکملیت پر نظر نہیں اُٹھا سکتی اور چشم قبول اُن کے تذکروں سے نظر نہیں ہٹا سکتی۔

میرے دوستو، اس موقع پر تمھیں یہ غلط فہمی ہو کر رہے گی کہ میں تمھاری راحت کی چند گھڑیوں میں بھی مخل ہونا چاہتا ہوں جس میں دم لینا حفظان صحت کے لیے لازم ہے مگر درحقیقت یہ تمھاری اصطلاحی غلطی ہے آرام و آسائش جس کا تم نے نام رکھ لیا ہے۔ وہ آرام نہیں تم یا تو اُسکو آرام سمجھتے ہو کہ کام کر کے انسان پلنگ یا آرام کرسی پر لیٹ جائے اور جسم کو ساکن مطلق بنا دے یا یہ کہ کسی لہو لعب میں مشغول ہو جائے لیکن متذکرۂ بالا اصول بطلان خلا، کے مطابق ہر دو صورت میں تمھارے کارخانۂ فکر کے کل پرزے ساکن نہیں رہ سکتے بمصداق اس قول کے کہ الطبیعۃ تخلق خلا، پہلی صورت میں

تمدن میں تصویر

تمدن میں تصویر شایع کرنے کے انتظام کو استقلال بخشنا ناظرین تمدن کی توسیع اشاعت کی کوشش پر منحصر ہے۔ منیجر

تمہارا شہباز فکر میدان تخیل میں منڈلاتا پھرے گا اور دوسری صورت میں تمہیں یاران قدح خوار کے جمگھٹے شاعری کی بھری محفل یا بساط شطرنج و گنجفہ پر لا بٹھائے گا۔ یا اور مزخرفات میں مبتلا کر دے گا۔ الغرض راحت کی تعبیر سکون مطلق سے کسی طرح ٹھیک نہ ہوگی بلکہ راحت کا اصلی ذائقہ انتقال ذہنی تنوع خیالات اور تبدیل کار سے حاصل ہوتا ہے ایک مزدور جس نے دن بھر بیٹھے بیٹھے کام کیا ہے وہ اگر ہاتھ روک کر بیٹھ جائے اور تصویر خموشی بن جائے تو ہرگز اسے آرام نہ ملے گا بلکہ اگر وہ کام سے فارغ ہو کر ٹہلنا شروع کر دے۔ تو یہ چہل قدمی اسکے لیے اچھی خاصی تفریح کا کام دے گی دیکھو وہ تاجر سارا دن اپنا تجارتی کاروبار کرتا رہا آخر وقت جبکہ تھوڑا کام رہ گیا تھا اس کو شام پیشتر ختم کر کے کس بیچینی سے اس نے اخبار اٹھایا ابھی اسے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے عرصہ نہیں گذرا لیکن اسکا چہرہ کس قدر ہشاش بشاش معلوم ہوتا ہے چہرہ پر تھکن کے آثار بالکل نہیں گویا وہ تھکا ہی تھا

ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے نکتہ حل کرتے کرتے یہ وقت آیا ہے اسکے پیچیدہ مسائل سے یکسو ہوئے تین چار گھنٹہ کا سا لقہ رہا حواس منتشر چہرہ پُرشکن اور طبیعت سخت بیچین ہو رہی تھی بابو نے آتے ہی ٹرکی کے جدید انقلاب کی خبر دی، خوشی میں آکر کاغذ اسکے ہاتھ سے ڈال دیے اور تفصیل واقعات کی فرمائش کی، الغرض دو چار فقروں سے زیادہ سلسلۂ گفتگو طویل نہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر خون کی سرخی جھلکنے لگی پژمردگی و اضمحلال جس کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے ہوا ہو گئے دیکھو اب چہرہ کیسا چمک رہا ہے۔ قصہ مختصر۔ دماغ کا تار کام کرتے کرتے جو تھکن یا کسل دل و دماغ یا اعضا پر طاری ہو جاتا ہے اسکا بہترین علاج اور نفع بخش نسخہ انتقال فکر و تبدیل کار ہے یہاں سے ہٹکر دوسری صورتوں میں انسان کے طبعی میلان کا مطالعہ کرو۔ فطرت انسانی کا

اقتضا ہے کہ ایک حالت پر جب انسان کا کچھ دنوں قیام ہو جاتا ہے تو طبیعت کا تقاضا شدید ہوتا ہے کہ اس ماورا کدہ میں تحرک پیدا ہو خواہ موجودہ حالت عیش و عشرت کا جام لبریز ہی کیوں نہ ہو جو بعد جد و جہد بالغ کے حاصل ہوئی ہو۔

ایک مفلس بے نوا جس نے اپنی زندگی میں ایک وقت بھی چین سے سیر ہو کر روٹی نہ کھائی ہو جامہ بے تار کے سوا مضبوط کپڑا تن ڈھانکنے کو نہ پایا ہو اور پتھریلی زمین کے سوا نرم بستر جس نے خواب میں نہ دیکھا ہو خداوند کریم اسے اپنی حکمت بالغہ سے عیش و عشرت مال و منال کا مست لڑا ہار پہنا دے رفیع الشان ایوان اس کی خواب گاہ قرار پائیں۔ ستر ہزار نعمتیں اسکے دسترخوان کرم پر چنی جانے لگیں کمخواب اور زربفت کے جوڑے روز بدلنے لگے۔ کچھ دنوں بعد انھیں لیل و نہار و عیش و تنعم کی وقعت اسکی نگاہ میں اپنی اگلی سادہ و غریب معاشرت سے زیادہ نہ ہوگی، اور وہ اپنے جدید اعلیٰ و ارفع حوصلوں اور ارمانوں کے مطابق انقلاب اور آرائش زندگی کا طلبگار ہوگا۔ ناظرین وہی پہیلی ہم پھر بجھاتے ہیں جسے ہم ابھی اوپر بجھا چکے ہیں۔ مکرر سن لیجیے۔ درحقیقت یہ سب اُسی فطرتی جدت طلبی کا کیا دھرا ہے جس سے معاشرت میں گوناگونیت کی چاٹ ہوتی ہے اور فائز المرامی کی ایک غیر مترقبہ شان دار حالت پر بھی متواتر عرصہ تک قیام اسکے لیے سخت موجب تکدر کا ہوتا ہے۔ اس سے بآسانی نتیجہ نکل آتا ہے کہ فطرت انسانی انقلاب پسند ہے جو اپنے دسترخوان عمل کے لیے ہر وقت نئی چاشنی کی متلاشی رہتی ہے جسے تبدیل ذائقہ تفریح و توانائی بخشتا رہتا ہے، اور جس سے علمی و دماغی قویٰ میں فکر و عمل کی تازہ روح دوڑ سکتی ہے۔ خلاصہ کلام جب یہ امر مسلمہ ٹھہرا کہ بخیال تفریح اعضا سے انقطاع حرکت اعضا کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسلوب حرکت کو بدل دینا اسکی حقیقی تفریح ہو سکتی ہے

اب فیصلہ طلب امر یہ رہا کہ جس وقت انسان اپنے وہ معمولی فرائض منصبی انجام دے دیتا ہے جن کے بعد تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آیا یہ تفریحی گھنٹے جن کو محض تفنن طبعی میں گذارنے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں اور اشغال تفریحی میں گذارنے مستحسن ہیں یا کسی نتیجہ خیز مشغلہ میں؟ اس خاص بحث میں تجربہ و عقل ہم آہنگ ہو کر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ غیر منتج امور میں اس وقت کو کھپا دینا محض بنظر عدم افادہ ہی غیر مستحسن نہیں بلکہ یہ مشاغل تفریح مزید براں اُس نظر سے بھی قابل اجتناب ہیں کہ روز بہ روز ان میں انہماک اور رجحانِ طبیعت رُو بہ ترقی ہوتا ہے جو کسی نہ کسی دن ایک لغزش۔ ناگہانی اور بے نفس انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب کے لیے تیار کر دیتے ہیں کیونکہ یہ متعدد جرائم اُسکے ملکۂ اجتناب اور اخلاقی رُعب[1] کا استیصال کر ڈالتی ہیں جس سے انسان اپنی اخلاقی و ادبی حکمت عملیوں سے بے بہرہ ہو جاتا ہے جس کے بعد انسان کا

[1] درحقیقت ایسے گذرے ہوؤں سے ہمیں پوری پوری ہمدردی ہے اور یہ ہمدردی اُن کے حق میں سود مند جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی عادت نہیں بلکہ عادت مستمرہ کو جسکے رنگ میں اُنکی طبیعت ڈوبی ہوئی ہے۔ بدلیں۔ جس میں وہ آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ کامیاب ہوتے دیکھا نہیں اس میں اُن بھولے بھالے نوابوں کی حالت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے جو خاطر احباب اور زبان خلق کی مروت سے یا وہ فروشوں۔ اور ارباب نشاط کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اُنھیں یہ کھٹکا ہوتا ہے کہ ادھر ہم نے ان مشاغل ... سے بیت ولعل کی اور شیرازۂ احباب پراگندہ ہوا، یا لوگ بخل کا الزام دھریں گے اس میں شک نہیں کہ جب تک وہ حد سے متجاوز نہیں ہوتے بُرائی کو دل سے بُرا سمجھتے ہیں لیکن بہت جلد وہ ایسے از خود رفتہ اور اُڑ مستانہ باش تا غم تو گیراں خورند" کے مصداق بنا دئے جاتے ہیں کہ رام رنگی کے سوا دنیا و مافیہا سے اُنھیں سروکار نہیں رہتا باوا کی دولت سے دل غنی گھر مضبوط ہوتی ہے کوئی ہنر یا پیشہ سیکھنا

ستارۂ فلاح واقبال اوج سے مائل بحضیض ہو جاتا ہے بخلاف اُس کے اُسی وقت کو کسی شے کے اکتساب کی نذر کرنے سے اسی سے حقیقی نتائج پیدا ہوتے ہیں اگر آج تم اُس شخص کے روئداد جرائم کی جانچ کرو جس پر دربار اخلاق میں بڑی سی بڑی فرد قرارداد جرم قائم کی گئی ہو تو عنوان مقدمہ یہی ہوگا کہ اُس نے اوقات تفریح میں کبھی کبھی بیکاری سے شغل کیا ہے لیکن ڈاروِنی دربار سے جسے نہایت اعزاز تمغۂ ارتقا ملا ہوگا اُسکے تمام کارناموں کا دیباچہ زریں اوقات تفریح میں اکتسابی مشغلہ ٹھہرے گا۔ ؎ اے بادصبا این ہمہ آوردۂ تست۔

تاریخ کے جلوخانے میں جاکر دیکھو کچھ بیدار مغز عالی حوصلہ لوگ نظر آئیں گے اُن کی نشوونما کا اوائل بچپنے حالوں میں بسر ہوا، لیکن عقل سلیم نے ابتدا سے اُن کی رہبری کی، جس کے سامنے دل کی اُمنگوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور آخر کار ترقی واولوالعزمی کے آسمان چہارم پر جو دھویں کا چاند بن کر چمکے، وہ جن کے

(حاشیہ بسلسلۂ صفحہ ماسبق) غیب جانتے ہیں سیکھیں تو سہی مگر وہ لوگ سیکھنے بھی دیں، لیکن گنج قارون بھی تو ایسے دست مسرف کے لیے کفایت نہ کر سکے، الغرض جب تک دولت کا جھقبہ جھولتا رہا سب یار و احباب چاروں طرف سے گھیرے رہے دفعۃً فقر کا ہاتھ برآمد ہوا اور گھسیٹ کر انھیں شاہراہ عام پر لاکر کھڑا کیا اور اُن کی عمر یہی کہتے کہتے تمام ہوئی۔ اکبر الہ آبادی ؎

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جھگڑے مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے
کثرت سے صرف زر بھی ہوا صرف لفظ بھی لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے

لیکن جب اُسکے اسباب وعلل پر آپ نظر ڈالیں گے تو بداہۃً یہ شخص آپ کو تفریحاً محفل سرور میں جاتا ہوا ملے گا سوچو، اگر بجائے اُسکے اخلاقی علمی یا سائنٹفک سوسائٹیوں میں یہ حصہ لیتا تو بیک کرشمۂ دوکار کی معجز نمائیوں کے جلوے دیکھ لیتا جو ذرہ کو آفتاب بنا دیتے ہیں جس کا ایک سین تمھیں بھی دکھلایا جائے گا۔

نام کا منسوبہ ایجاد و اختراع کے ممبر پر پڑھا جاتا ہے۔ ہم بنظر سہولت اُن کا نام و نشان اور اُن کے متعلق کچھ مفید معلومات ذیل کے نقشہ میں دکھلاتے ہیں۔

نمبر شمار	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا بابت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱	گریٹ رٹشرڈ	حجام	پیشہ کی دوا دوش اور اندیشہ معاش سے چھٹکارا حاصل کرتا اور ایجاد و اختراع کی اُدھیڑ بن میں لگ جاتا تھا۔	روئی کے مفید استعمال کا سب سے پہلا سراغ لگانے والا اور سوت کاتنے کے آلہ کا موجد۔
۲	ٹنٹرڈن		قانونی مشغلہ اُسکے نکات پر غور و خوض مفید معلومات کا اضافہ قانونی کتب کا مطالعہ اُسکے نظام اوقات کا عنصر اعظم تھا باوجود کم پیشتی قانونی حلقہ کو وسیع کرتا تھا۔	معاملہ فہمی و قانونی دستگاہ کا شہرہ ایسا ہوا کہ قاضی القضاۃ بنایا گیا۔
۳	ایڈورڈس	معمار	کبھی کبھی آلات تعمیر ہاتھ میں ہوتی اور نقشہ جیسا میں ایک منٹ کا بھی موقع ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا پیشہ کی مناسبت سے اُسکا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا۔	مشہور مہندس و ریاضی داں گزرا ہے
۴	ٹلفرڈ	〃	〃	〃
۵	این جانسن	〃	〃	〃
۶	یوحنا ہنٹر	نجار	ایک معمولی درجہ کا آدمی تھا علمی جد و جہد کے ساتھ استقلال سے مشورہ لیتے لیتے کچھ کا کچھ ہو گیا۔	مشہور و معروف فن فزیالوجی کا ماہر گذرا ہے۔
۷	ہریسن	نجار		کرانومیٹر کا موجد۔
۸	ٹرنر	۰	پختگی عزم کوشش کی بدولت بڑھا	فن تصویر کشی میں

			وقت کی نگرانی نہایت ہوشیاری سے کرتا	یہ طولی رکھتا تھا جذبات
			کچھ نہ ملتا تو زمین پر گل بوٹے دستکاری کے	کیفیات کو ہاتھ سے دکھلانا
			اعلےٰ نمونے بناتا رہتا کاغذ وغیرہ پر جب	اُسی کا کام تھا غیبی تعلیم ہے کیونکہ
			اُسکی نقل اُتارتا تو دیکھنے والے ششدر	...سے ساتھ کرتی ہے یا از خود
			وحیران رہ جاتے۔	مطالعہ نے اُسکے ساتھ کی۔
۹	سرکلوسکی شوکل	زراعت پیشہ	فن سپہ گری کی مشق کرتا دریائی مشاغل	بہت بڑا دلیر و جانباز
			میں بہت دلچسپی لیتا اور پھر کسانی کے	امیر البحر گذرا ہے۔
			فرائض بھی انجام دیتا لیکن جس نے آسمان	
			عروج پر چمکایا وہ وہی مشاغل اوقات	
			بیکاری تھے۔	
۱۰	ڈاکٹر الفنسٹن		جذبات کی تصویر الفاظ میں اُتارا	بیکاری کی مشق سے ایسا
			کرتا	بڑھا کہ ملک الشعرا کا خطاب
				دربار شاعری سے حاصل کیا
۱۱	ولسن		طیور سے اُسے خاص دلچسپی تھی رنگ	اس پر سری دلچسپی سے تمہید کچھ
			برنگ کے طیور پالتا تھا۔	طیور کے متعلق وہ تحقیقات
				کیں کہ اس فن کا واحد
				معلم تسلیم کیا گیا۔

یہ چند وہ مغربی ہیرو ہیں جن کے کمال و شہرت کا دیباچہ زریں یہ ہے کہ اپنا وقت عزیز اُنھوں نے زر و جواہر کی طرح سمجھ بوجھ کر صرف کیا تھا جس کے بعد وہ خود جواہر بنا گئے ہیں۔ لیکن ذیل کی فہرست میں ہم چند اولوالعزم عالی حوصلہ اسباب قلم کے نام درج کرتے ہیں

سلہ ان مغربی مثالوں سے قطعیں یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ مشرق ایسے نمونے پیش کرنے سے عاجز ہے بلکہ جو طبعی مدنیت مغربی دنیا سے ہوگئی ہے اُس نے اُن مثالوں کے پیش کرنے کی سفارش کی۔ ورنہ یہ واقعہ ہے کہ آسمان کمال پر مشرقی ہی باکمال مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں ۵

ہ آسمان ریزہ کردہ آفتابش کرد نام لعل از آوردہ گوش شب بینداے من

جنھوں نے نام آوری و شہرت کا سبق چل پھر کر لیا ہے نقشہ نمبر ا میں جن کے نام درج ہیں اُنھیں خیر سے زیادہ نہ سہی تو دو ہی گھڑیاں خاطر جمعی کی مل جاتی تھیں جنمیں خلوت میں بیٹھکر فکر آیندہ کی تدبیر کرتے تھے بخلاف اسکے ہمارے وہ قوی الارادہ ہیرو جن کے نام نقشۂ نمبر ۲ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے نامساعدت ایام نے کبھی اُنھیں ایک جگہ کھڑے ہوکر دو حرف نہ پڑھنے دیے بلکہ رستہ کی ٹھوکریں کھا کھا کر اُنھوں نے اپنے علمی حدود وسیع کیے جن سے آگے چل کر خراج تحسین وصول کیا، آفریں صد آفریں اُن کی اُن سخت سی سخت مشقتوں اور دل توڑ کوششوں پر جن کی عدیم النظیر مستی کے کارنامہ دیکھکر بڑے سے بڑا جفاکش ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور اُس کے خیال میں اُن کی وقعت دوبالا ہوجاتی ہے۔

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل
۱	ڈاکٹر مانزوں گرد	اثنار راہ آمد و رفت بغرض معائنہ مرضا	
۲	ڈاکٹر ڈارون	،،	اُسکے پاس تقسیم اوقات میں تصنیف و تالیف کے لیئے بجز ۱ سو قسکے کوئی وقت نہ تھا چنانچہ اسکی بیشتر تالیفات اسی وقت سشقت کی ہیں۔
۳	ڈاکٹر پیرنی	موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے جاتا تھا اور چند شاگردوں کے یہاں قلیل عرصۂ آمد و رفت میں۔	فرنچ اور اٹالین زبانیں سیکھیں اور ان پر عبور حاصل کیا۔
۴	کرک ہوائیٹ	عدالت کے کام سے فراغت حاصل کرکے۔	یونانی زبان سے کر اُسمیں مہارت تام حاصل کی۔
۵	ڈاکٹر سوزر (فرانسیسی فلسفی شناس)	اوقات طعام میں لقمہ چباتے وقت	کھانوں کے اقسام پختہ وغیرہ کے طریقے

			اور اُنکے متعلق لطیف و لذیذ معلومات ایک ضخیم جلد میں نہایت شرح و بسط سے دکھلائی ہیں جو بذات خود خوان پُرنوالہ ہے اُس شخص کی خوش مذاقی و ذکاوت قابل داد ہے کیونکہ وقت تصنیف اور موضوع تصنیف میں اُس نے کیسا دلچسپ تناسب پیدا کر دیا ہے
۶	ڈام دی جنلی	ایک معزز لیڈی کو پڑھانے جاتا تھا اُسکے کاشانۂ عظمت پر پہنچکر انتظار کے بجائے ترتیب خیالات میں گذارتا۔	اس کی چند مبسوط تالیفات اسی وقت کی زیور ترتیب سے مرصع ہوئیں۔
۷	یو برسٹ	پیشۂ آہنگری کرتا تھا جب سودے کی خرید و فروخت کے لیے گھر سے نکلتا اپنے شوق کا سودا گھر سے ہی خرید لیتا۔	اس اولوالعزم آہنگر نے ۳۸ زبانیں (جدید و قدیم) حاصل کیں جن میں سے ہر زبان میں کافی مشق رکھتا تھا۔

ایک نوخیز تجربہ و عقل کا انسان ان فرق عادات سے انکار کر بیٹھے گا لیکن اُسکے مقابل ان ہدایتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

(۱) لمحات کے تواتر سے گھنٹے اور گھنٹوں کے تواتر سے ایام بنتے ہیں بڑے بڑے سر فلک پہاڑوں کی ترکیب ایسے ذرات سے ہے جو بمقدار [illegible] مکر سکوب نظر نہیں آ سکتے۔

(۲) اور یہ عظمت و بلندی اُنھیں تدریجاً حاصل ہوتی ہے جس کا احساس نہیں ہوتا پس جو لوگ وقت فرصت کو قیمتی سمجھکر حسب قرارداد سابق اُس سے سبق لیتے ہیں

اُن کے استقبال میں ایک عجیب شان بے نیازی و دلکشی پیدا ہو کر اُنھیں وہ جوہر ذات و دیعت کرتی ہے جو بذات خود اُن کو پارس بنا دیتی ہے ان نایاب اور خوشنما اصول نے محض ناداروں اور مفلسوں ہی پر اعجاز مسیحائی نہیں دکھلایا بلکہ اعلےٰ فرائض انجام دینے والے ارباب نظر کو بھی اُس نے اپنا مفتوں بنایا جس کے بعد اُنھیں اُن مناصب سے علیحدہ ہو کے بھی معراج ارتقا نصیب ہوئی اُس سے زیادہ عیش اُٹھائے اور باکمالوں کے زمرہ میں گنے گئے اور جنھوں نے موجودہ خوش حالی پر اعتماد کیا ترقی کا پیچھا نہ کیا۔ وہ سر بقدم ہو گئے۔

الغرض مضمون بالا سے ان مسائل پر پوری روشنی پڑتی ہے کہ ہم اپنی سخت سے سخت مصروفیت کے زمانہ میں بھی کسی مفید مشغلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ دماغی تفریح کا کام بھی تمھیں کسی ہر با کمال سے لینا چاہیے جسکی خلافت ورزی میں بہت سے قبائح اور اُس پر کاسبد ہونے میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

تم کسی کام کی طرف جھکیں ہمیں عزم و ارادہ سے مدد مانگنی چاہیے جس کے ساتھ مزاولت ہو۔ و آخر دعوتنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

چو دیدہ بر نہ افشانی رخسار رکھ دے کوئی پیمانہ صہبا ہم آگے

جواد علی خاں عالی

آپ گھر بیٹھے انگریزی سیکھ لیجیے!

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے اور آسانی کے ساتھ سیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً منڈل صاحب کا انگلش ٹیچر پڑھیے۔ اسکی جانچ سررشتۂ تعلیم کے بڑے بڑے افسروں نے نہایت غور سے کی ہے اور عمدہ رائیں ظاہر فرمائی ہیں۔ یہ کتاب اس غرض پر فروخت کی جاتی ہے کہ اگر تمام انگلش ٹیچران سے زیادہ عمدہ اور مفید نہ نکلیں تو واپس اور کتاب مفت۔

قیمت صرف ایک روپیہ محصول ۳ر۔ دو جلدوں پر محصول معاف ہوگا

ملنے کا پتہ۔ منیجر کارخانہ منڈل برادرس ۹۰ آگرہ شہر

سودائے خام

(۱)

نصیر کے لیے باغ عام کے چکر ایسے بیکار ثابت ہوئے تھے کہ جو کچھ انوں سے وہ سمجھ سکا تھا۔ آخر اسکی قسمت ایک برقی جگر سوز ٹکرائی۔ ایسی ٹکرائی کہ جنوں روز افزوں ترقی پر رہا۔ چوبیس گھنٹے باغ عام کی بادیہ پیمائی میں وقف رہنے لگے لیکن شرف تکلم کی عزت حاصل کرنے میں اسکی قسمت نے تائید نہیں کی۔ البتہ دور ہی سے اپنے دیدۂ دیدار طلب کی تمنا پوری کر لیا کرتا تھا۔ اور اپنے دل کو آئندہ کامیابی کے بھروسے ہمیشہ دھوکا دیتا رہا۔ اسکول کا جانا یا تو والدین کے خوف سے یا اپنے اُن اغراض کے صدقہ میں کہ جس میں کسی کافرہ کے دیدہ کی دید کی خواہش مزید پر تھی باقی رہا۔

دن میں سوٹ۔ متواتر اوقات گرگٹ کے رنگ کی طرح اس ضبط میں کہ شاید یہ کسی کے پسند خاطر ہو اور عجب نہیں کہ اپنے داعیات دیوانہ سری کو لبیک کہے۔ یہ لاکرتا لیکن اسکا سوٹ ہمیشہ انگریزی گفتگو سے ایسا ہی معرا کہ جیسا کوئی دہقانی طرز معاشرت سے مستغنی زندگی سے۔

مجنون الفتا یا گرفتار محبت ہے چارہ نصیر مجبور تھا۔ اگر کسی بس کا ہوتا تو وہ باغ عام کے کسی گوشہ میں کوئی جھونپڑا اپنی رہائش کے لیے تیار ہی کر لیتا۔

ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اس کا جواب وہ خود دار نصیر ہے۔ کہ وہ ہمیشہ ہر روز گھنٹوں۔ اپنی پریم سے سرگرم تکلم رہا کرتا ہے۔ اور اس قتالۂ عالم اس پتلۂ سنگ دل نے اس کو کچھ امید افزا امیدیں پُر از رومتمنائیں دلائی ہیں۔ اور یہ امیدیں آنیوالی ملائن کا مسرت خیز دیباچہ۔ متاہلانہ زندگی کا پیش خیمہ ہیں جس کے یہ دونوں ایکٹر ہیں اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ لطف ڈراما اپنے مخصوص دوستوں کو کبھی نہ کبھی دکھلائے گا

لیکن جہاں تک غور کرتے ہیں اُس کے چہرہ سے ایک محزونیت۔ ایک مایوسی ہمیشہ دکھلائی دیتی ہے۔ جس کو وہ افکارات کی وجہ بتا کر خیالات کو باطل کرنے میں کوشش بلیغ کرتا ہے۔

بیمار۔ غیر شفا بیماری میں مبتلا بیمار۔ غریب نصیر دھوکہ میں ہے اور اپنے دل کو دھوکہ دے رہا ہے۔ سراب سے پانی کی امید نمک سے مرہم کی توقع۔ خیال خام آرزوے یاس آمیز۔ اس لیے کہ یہ قوس قزح کی پریاں۔ ریشمی ساڑیوں کی پوٹ۔ سوسائٹی کے رخشندہ ستارے اپنی برق تبسم کو نصیر جیسے بدبخت۔ بے بضاعت۔ فریب خوردہ پر کیوں صرف کرنے چلیں کیونکہ وہ اپنے ادائے دلربایانہ سے ایک عالم کو قتل کرتی۔ حالت مذبوحانہ میں چھوڑتی ہیں لیکن بمقتول تیغ ادا کو پلٹ کر دیکھنے میں۔ اپنی سخت توہین خیال کرتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو ان کی کائنات ہی بدل جائے۔ اس لیے کہ وہ تابع نیچر ہیں۔ منشا نیچر بھی یہی ہے کیونکہ انداز تغافل ہمت کش رحم و ہمدردی کبھی ہوا ہی نہیں۔

لیکن نصیر باغ عام کی گردشیں کرنے والا نصیر رخ لیلےٰ کی ہر شے میں زیارت کرنے کا عادی نصیر اس فلسفہ کے سمجھنے میں ہمیشہ قاصر ہی رہا۔ اور اسی دریوزہ گری۔ اسی دیوانہ سری کو مدعاے کامیابی سمجھ کر یہی سمجھتا رہا کہ عجب نہیں کسی کے دائمی عیش و آرام کا ضامن و کفیل ٹھہرے اس میں شک نہیں۔ یہ ہوتا بھی آیا ہے۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ لیکن ایسا دل جو مشرق نیاز سے بالکل ناآشنا ہو جس پر آفتاب محبت نے ضیا فشانی کی نہ ہو جو جانتا ہی نہیں کہ محبت کیا شے ہے اس عکس کو کیونکر قبول کر سکتا ہے اور اپنے دل کو انوار محبت سے منور بنا سکتا ہے۔

(۲)

انسانی دستکاریوں و مانی صنعت آفرینیوں نے جانتک جس قدر ممکن تھا۔ باغ عام کو اچھا خاصہ۔ روح پرور مسرت افزا۔ دلفریب مرقع۔ بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی جس پر نیچر کی صناعیوں کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ اس نیچر فرا نظارہ نے نصیر پر اُلٹا اثر کیا۔ اور اُس کا سودائے خام بجائے کم ہونے کے اور بڑھا۔ اتنا بڑھا کہ

وہ انتہائی حد تک پہنچ چکا۔ آخر وہ زلف گرہ گیر کا اسیر کہلانے لگا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو اُس سے بہت کچھ متمتع ہوتا اور دایۂ نیچر کے اُن دلفریب۔ دلربا۔ عارضی کھلونوں پر اسقدر فریفتہ نہ ہوتا کہ آخر زندگی کبھی کبھی اجیرن دکھائی دیتی؛ ایک انتہائے معیوبیت۔ ایک عالم استغراق میں وہ دیوانہ وار گردشیں بے سود بیکار گردشیں۔ صبح و شام کرتا۔ آہ بکتے ہونہار نوجوان ہونگے! جو اپنے دماغ۔ اپنے دل۔ اپنے عزیز اوقات کو نذر لہو لعب کرتے ہوں! پھر بیچارے نصیر کا تصور آخر وہ بھی تو اسی سوسائٹی۔ اُسی خون و پوست کا بنا ہوا ہے۔ کہ جس سانچہ میں دوسری کافور کی مورتیں ڈھلی ہیں!

(۳)

نصیحت کیا شے ہے۔ آئینہ ترقی و کامیابی۔ کو بنجر جہالت کے نہ جاننے والے نصیر نے کبھی کان دھر کر سُنا نہیں۔ آخر سیکل کے ٹائروں نے مدت کی رفاقت سے مُنہ موڑ لیا کہ یہ کٹھن منزل اب ہم سے کاٹے نہیں کٹتی۔ یہ دوسری مصیبت تھی جو جان ناتواں پر آ پڑی۔ کیوں کہ پیادہ روی کی زحمت تلاش یار میں کارصعب تھی۔ کرتا ہی کیا ٹائروں کی مرمت کی لیکن آن کا وہ پکا نکلا کہ اپنی حاضری میں کبھی فرق آنے نہ دیا۔

(۴)

زمانہ پر لگائے اُڑا جا رہا ہے۔ انقلاب دہر اٹل ہے لیکن آہ وے رم خوردہ رام نہیں ہوا۔ اس لیے کہ غنچہ نیم شگفتہ پر اور بھی عندلیب شیدائی حق نغمہ سرائی رکھتے تھے اور وہ ترنم ریز تھے۔ مجبور لاچار نصیر کی صدائے یاس کا شانۂ نازنیں تک کس طرح بار پاسکتی اور وہ اپنا رنگ کیونکر جماتی۔ وہ اپنے آلام عاشقانہ نہایت بے لفظوں میں بیان کرتا۔ اور ہمدردی کا طالب ہوتا۔ وہ زندگی کو سرور محبوبیت۔ عالم بیخودی میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس ریشمی گون کے ایک پُرزہ کت سرسراہٹ پر اپنی زندگی عزیز کی قربانی چڑھانے کو آمادہ ہے خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ ورنہ اس میں شک نہیں کہ وہ پروانوں کی طرح در یار پر جبہ سائی کے لیے تیار۔ سوسائٹی مہذب سوسائٹی نصیر کے لیے پُر عذاب سوسائٹی۔ اس طرح کی علانیہ خدمت گزاری کو کیونکر جائز سمجھتی۔ اسلیے اس سے بھی نظر دزدیدہ ہی حالانکہ یہ سب کچھ دیکھتا۔ کہ یاس و نا اُمیدی کے بادل اُمنڈ رہے ہیں حسرت و مایوسی کا طوفان اُٹھ رہا ہے۔ لیکن پھر بھی نصیر کی آنکھیں آفتاب وصال کی آٹھوں پہر منتظر؛ تھکن۔ گردش

پامالی کو ڈکشنری میں کبھی نہ دیکھنے والے نصیر نے اس کی پرواہ نہیں کی اپنی سعی لاحاصل کار بے سود میں برابر جاری رکھی۔

(۵)

نصیر کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ اب وہ کسی قدر جھک رہا ہے مگر منزل مقصود کا ہنوز پتہ نہ تھا۔ وہ نہایت غمگین ہوتا جب کسی اور پر اُس غارت گر صبر و ایمان کی نظر اُٹھتی۔ اگرچہ وہ صورت شکل میں اچھا نہیں تو بُرا بھی نہ تھا۔ والدین نے جس ناز و نعم سے پالا اُسکی قدر شاید اُس کا دل ہی کرتا ہو تو کرتا ہو۔ مگر بظاہر وہ اُس سے ضرور اغماض کر رہا ہے۔ وہ بھوکا ہے۔ اُسکا خانۂ دل خالی ہے۔ مہمان کا اُمیدوار ہے کہ میزبانی کا لطف اُٹھائے لیکن یہ امید امید گریزاں۔ یہ تمنا تمنا سے پامال رہی۔

غالباً اپنی لائف میں اس پر غور کرنے کا موقع ملا ہی ہوگا کہ صنف نازک کی رنگا رنگیں شعاعیں کیا شے ہیں۔ ان میں ملوطا شیبی کس قدر ہے۔ ان سے برتاؤ کس طرح برتا جائے وہ سب کو ایک نظر دیکھنے کا مستغنی نظر آرہا ہے۔ پھر ستم ہے کہ دوسروں سے بھی اسی کا آرزومند آج نصیر بہت زیادہ اُداس ہے۔ آج اُس کے ہونٹوں کی ہلکی سی مسکراہٹ غائب ہے اس لیے کہ آج اُسکا سوغات رد کر دیا گیا۔ اور شرف قبولیت سے محروم رہا۔ یہ صدمہ سوہان روح ہے۔ انکار مثلاً لم حیات ہے۔ جس کو وہ بظاہر برداشت کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ اُسکا دل نہایت مجروح ہے۔ پامال جفا ہے۔

(۶)

بہت دنوں سے نصیر دکھائی نہیں دیا۔ باغ عام کی حاضری میں بھی فرق آرہا ہے اُسکے مخصوص دوستوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ غریب سوغات کے رد کیے جانے سے نہایت شکستہ دل ہو چکا تھا۔ کہ اُس پر اُسکی حیات افزا امید نے جانبری و رہائی کا اظہار کیا۔ نصیر کے ہوتے ہوئے اپنا دل کسی اور کو دیدیا اور بیچارے نے ہمیشہ کے لیے مایوس العلاج ہو کر معاشرتی جلسوں۔ زرق برق سوسائٹیوں سے بیزار ہو کر کنج عافیت گوشہ عزلت کو اپنا مسکن بنایا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ نصیر سے ملوں۔ اُسکی کہانی دیر تک سنوں۔ اُسکا افسانۂ سوز و آہ۔ اُسی کی زبان سے سنوں۔ دیکھوں کہ اب اُس کا فلسفۂ خیال کیا ہے۔

بسمل (حیدرآباد دکن)

غالب اور شعراء فارسی

جہاں تک خیال ہے اس وقت تک کسی ریختہ گو شاعر کو یہ درجہ اور یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا جیسا کہ میر تقی میر اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کو ہوا ہے جس طرح میر کا درد اور فصیح البیانی سلاست زبان وغیرہ مسلم ہے اسی طرح غالب کی نکتہ سنجی مضمون آفرینی باریک بینی کا ایک زمانہ قائل ہے۔ یہ غالب ہی کو شرف نصیب ہوا ہے کہ اُن کے اُردو کے دیوان کی جو چند جزو سے زائد نہیں ہے مختلف شرحیں لکھی گئیں اور ہر ایک شرح میں کچھ نہ کچھ نئی بات ملی۔ یہ قبول عام غالب کا ہی حصہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُن کو نصف صدی کے قریب دنیا سے دنی کو خیرباد کہے ہوئے گذر گیا۔ مگر ہر رسالہ آج تک اُن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ ہم نے مختلف رسالوں میں مرزا صاحب کی بابت مضامین دیکھے مگر سوائے تنقید کلام کے کسی مضمون نگار کی اس طرف توجہ نہ دیکھی کہ وہ ان کے کلام پر کلیتہً نظر ڈالے جن صاحبوں نے ان کی اُردو شاعری پر نظر ڈالی وہ یہ کہکر چھوٹ گئے کہ ایک اُردو تذکرہ نویس کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان کے فارسی خیالات پر بحث کرے۔ حالانکہ جس قدر اُن کے فارسی کلام کے دیکھنے سے اُنکے اخلاقی حالات وغیرہ وغیرہ کا سراغ ملتا ہے اُردو سے ہرگز نہیں ملتا جیسا کہ خود مرزا مرحوم کا یہ قول تھا کہ اُردو کو نہ وہ عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ اُردو ان کے واسطے مایۂ ناز ہے وہ ایک فارسی گو شاعر ہیں اور دراصل اُنکے کلیات فارسی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی بابت اُردو شاعری کے لیے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے ان کے فارسی کلام کو دیکھتے ہوئے اردو کی وقعت دلوں میں باقی نہیں رہتی۔ انھوں نے

جو کچھ کہا وہ فارسی میں کہا اُردو کی شاعری کی طرف یا احباب کے مجبور کرنے یا زمانہ کے رنگ بدلنے سے اُنھوں نے خفیف سی توجہ کی۔ گو اس میں بھی فارسی تراکیب اسقدر ہیں جنھیں اگر غالب جیسے شاعر کے ساتھ وہ نامزد نہ ہوتیں تو آج اردو کہنے والے ہرگز پسند نہ کرتے۔ اور نہ خود اُردو کی زبان اُن کی متحمل ہوتی۔ مگر یہ سمجھ لینا غلطی ہے کہ غالب نے دانستہ اُن مشکل ترکیبوں کا استعمال کیا۔ نہیں بلکہ اس سے صاف صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ اُن پر فارسی رنگ اسقدر چڑھ گیا تھا۔ کہ وہ اسے اپنی طبیعت سے دور کرنے پر مجبور اور قطعی مجبور تھے۔ ورنہ اُن کی اُردو کی نازک خیالیاں اور سلاست بیان بھی مشہور عام ہے جن پر بہت سے نقادوں کی وسیع نظریں پڑ چکی ہیں اس لیے اُس پر کچھ لکھنا بالکل بیکار اور تحصیل حاصل ہے۔ ہمیں اس بات پر بحث کرنی ہے۔ کہ غالب مرحوم باوجود اس کے کہ اُردو کو اپنا ننگ سمجھتے تھے مگر پھر بھی اُنھوں نے اپنے اس شعر کو کہاں تک سچ کر دکھایا ہے اور کیا کیا احسانات اُردو پر کیے ہیں۔

جو کوئی کہوے ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یوں

ہمیں اپنے مضمون میں اس بات کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ کہ اُن کی مستعملہ کون سی ترکیب مانوس ہے اور کون سی غیر مانوس ہے۔ بلکہ دکھانا صرف یہ ہے کہ اُردو پر اُن کے احسانات کیا ہیں۔ اور کہاں تک اپنے قول کو نبا ہا ہے یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جس طرح فارسی شاعری عربی سے فیضیاب ہوئی۔ اسی طرح اُردو شاعری کی بنا فارسی خیالات پر رکھی گئی اور آج تک اُسی رنگ میں شرابور ہے۔ فارسی شعرا نے جو جو پاکیزہ خیالات اور بہترین جذبات دکھائے ہیں اُن سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے جب اُردو شاعری فارسی پر مبنی ٹھہرائی گئی تو وہی خیالات یا دیے ہی پاکیزہ

خیالات کا اُردو میں ہونا لابد اور ضروری تھا۔ اور ضروری ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُردو کی شاعری کا رنگ اب پختہ ہوگیا اور وہ ایرانی شاعروں کے کلام سے ٹکرانے لگی، یا نہیں ہاں یہ کہے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ غالب کے دور شاعری تک اُردو شاعری ہرگز فارسی کی مدمقابل نہیں ٹھہرائی جاسکتی تھی۔ اور یہ فارسی خیالات کی دست نگر تھی۔ اور اسے ویسے ہی نازک خیالات کی ضرورت تھی جیسے کہ فارسی میں تھے۔ کیونکہ یہ اُسی کی ایک فرع تھی۔ اس کے لیے ضرور غالب جیسے شاعر کی ضرورت تھی جس نے جہاں تک ہوسکا اپنی دماغی قابلیت سے خود اُردو کے خیالات میں وہ نزاکت پیدا کردی جو فارسی کے ٹکرانے کے قابل ہوگئی صرف زبان کی توسیع کے لیے اُنھوں نے فارسی شاعری کے باغ سے وہ وہ خوشنما پھول چُن لیے جو زیب چمن تھے اس میں شک نہیں ہے کہ فارسی سے اُنکے معاصرین نے بھی مدد لی اور ناسخ وغیرہ نے بھی اکثر خیالات کو نظم کیا۔ مگر آگے چل کر ہم آپ کو دکھائیں گے کہ اس میں غالب نے جس قدر حصہ لیا وہ کسی نے بھی نہیں لیا۔ اُنھوں نے بہترین شاعروں کو چھانٹ لیا اُن کے کلام پر نظر ڈالی اور جو خیال نازک اور بہترین مضمون پایا۔ اُسے نہایت صفائی کے ساتھ اُردو میں نظم کردیا۔ جسے دیکھ کر تمیز ہی نہیں ہوسکتی کہ یہ غالب کی جدت طراوی ہے یا کیا۔ اُردو زبان کے محدود ہونے کی وجہ سے بعض جگہ اُنھیں دقتیں پیش آئی ہیں مگر پھر بھی اُنھوں نے اُس خیال کو اردو میں نظم کرکے دم لیا ہے اور بیشتر مشکل ترکیب کی ایک یہ بھی بڑی وجہ ہے جو اُن کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ اور اسی واسطے ہم اُنھیں اس میں معذور ٹھہراتے ہیں۔

اول تو یہ انتخاب (کہ فارسی میں کون شاعر ایسا ہے جس کے خیالات کو اُردو کا جامہ پہنایا جائے تو اُردو کے واسطے وہ مایۂ ناز ہوں) مشکل اور نہایت

مشکل ہے۔ کیونکہ فارسی کے ایک معمولی شاعر کا دیوان دیکھنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بڑا نغز گو ہے۔ مگر غالب جو خود ایک جگہ کہتے ہیں۔ کہ ؎

طالب و عرفی و نظیری را ۔۔۔ دامن از کف نہم چگونہ رہا
ہر کہ طے کردہ ایں مواقف را ۔۔۔ چہ شناسد قتیل دو واقف را

ان شعروں کے نقل کرنے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ غالب نقاد سخن تھے۔ معمولی کلام کی وقعت اُن کی نظر میں نہ تھی۔ اسی لیے اُنھوں نے توسیع زبان کے لیے سعدی۔ عرفی۔ خسرو۔ فیضی۔ حافظ۔ عالی۔ صائب۔ خاقانی بیدل۔ نظیری۔ ظہوری وغیرہ کے کلام کو بہتر سمجھا ان سب میں سے بعض بعض کے کلام سے غالب کے خیالات کا استنباط ہم دکھائیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ بعض بزرگوار یہ سمجھ لیں گے کہ غالب سرقہ کرنے والے شاعروں میں سے ہے۔ مگر نہیں ہرگز نہیں۔ غالب کی شان اس سے ارفع و اعلےٰ ہے۔ فارسی کے کلیات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ خاقانی۔ عرفی نظیری۔ صائب۔ بیدل۔ ظہوری وغیرہ مشاہیر کے غزلوں پر غالب نے قصائد لکھے ہیں۔ اور وہ کہیں کسی سے دب کر نہیں رہے۔ بلکہ عرفی وغیرہ سے ہمیشہ اُن کے خیالات ٹکرائے رہے۔ مگر زمانہ کی ناموافقت نے غالب کو کبھی اُبھرنے نہ دیا۔ اور وہ ہمیشہ یہی تمنا کرتے رہے کہ کاش اُن کے کلام کا کوئی ظہوری اور نظیری سے موازنہ تو کر لیتا۔ ذوق مشہور ہوئے۔ اول اُستاد بادشاہ قرار پائے۔ مگر غالب کو اُس وقت تحسین قبول کا خلعت جناب ایزدی سے عطا نہیں ہوا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرا کلام اس قابل ہے کہ وہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ مگر میرے بعد ایسا ہوگا چنانچہ ایک جگہ نہایت حسرت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

تا ذیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن — این مے از قحط خریداری کہن خواہد شدن
کوکبے را در عدم اوج قبولے بودہ است — شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن
ہم سواد صفحہ مشک سودہ خواہد بختن — ہم دوات تم ناف آہوے ختن خواہد شدن
مطرب از شعرم بہر بزمے کہ خواہد زد نوا — چاکہا اشیار جیب پیرہن خواہد شدن
خرف خرقم در مذاق فتنہ جا خواہد گرفت — دستگاہ ناز شیخ و برہمن خواہد شدن

پھر ایک جگہ افسوس سے کہتے ہیں ؎

ہے چہ میگویم اگر اینست وضع روزگار — دفتر اشعار باب سوختن خواہد شدن

مگر آسمان اہل کمال کا دشمن ہے اس میں کسی کا اجارہ نہیں۔ انھوں نے ہمیشہ کوششیں کیں مگر وہ ناکام رہے۔

غالب نے اپنی کلیات نظم فارسی میں زیادہ تر ظہوری کو مانا ہے۔ مگر اکثر جگہ عرفی کی بھی تعریف کی ہے جیسے کہ کہتے ہیں ؎

چوں بناز و سخن ارمغت خویش بہ دہر — کہ برد عرفی و غالب بہ عوض بازد ہد

عرفی ایک مسلم الثبوت استاد تھا۔ اُس کی شاعری اور اُسکے تخیل کو اگر اُردو کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ تو بیشک اُردو کے لیے وہ مایۂ ناز ہیں۔ غالب نے اس شعر میں جو کچھ کہا ہے اُس میں عرفی کا تہ مقابل آپ کو ٹھہرایا ہے۔ اور بالکل سچ ہے اپنی نازک خیالی سے انھوں نے اُردو میں وہ گل کھلائے ہیں کہ عرفی کی شاعری کا خاکہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ مگر عرفی کے خیالات کو جس طریقے سے اُردو زبان میں دکھایا ہے وہ بھی قابل تحسین ہے اور اسکے واسطے غالب جیسے مشاق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

عرفی۔ نوبت بمن افتاد بگو نیدکہ دوراں — آرایش از نو بکند مسند جسم را
غالب۔ ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی — پھر آیا وہ زمانہ جب جہاں میں جام جم نکلے

بادی النظر میں دونوں خیالات علیحدہ ہیں مگر در اصل استنباط اور استفاضہ ایسی کا نام ہے۔ غالب کو یہ خیال ضرور عرفی کے شعر سے سوجھا ہے۔ مگر اپنی اجتہادی قوت سے اُسے بالکل علیحدہ کر دیا ہے اور ملاحظہ ہو۔ چونکہ ذیل کا خیال نہایت بلند ہے اس لیے مرزا سے مرحوم نے چاہا کہ اُسے بجنسہ اُردو شاعری میں داخل کر دیا جائے مگر بندش ایسی چست ہے کہ ترجمہ کی شان اس میں نظر نہیں آتی مضمون کو بالکل اپنا بنا لیا ہے۔

عرفی - غم ہمرہ جاں رفت نہ زنیم بمنعش — باوے زاول آمدہ وہمسفر اوست

غالب - قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

عرفی - نالہ ام پرورش آموز نہال اثر ست — در بہارت بنمایم کہ سراپا شرر است

غالب - دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے — مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

عرفی - حلہا سوختہ اند اہل بہشت از غیرت — تا شہیدان تو گلگوں کفنے ساختہ اند

غالب - اک خونچکاں کفن میں کروروں بناؤ ٹیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

عرفی - امید ہست کہ بیگانگی عرفی را — بدوستی سخنائے آشنا بخشند

غالب - غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست — مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

عرفی - زفرق تا قدمت ہر کجا کہ بنگرم تو — چو دوز لف تست یکسر شکستہ و رنم فریبی

غالب - جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا — وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

عرفی - بیار بادہ کہ جانم دے زنا بر باید — ہزار زمزمہ از دل یک پیالہ برآید

غالب - پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار — رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

عرفی - ہماں بہ است کہ عرفی بہ بزم درویشاں — سفال جوید و دست ز جام جم نکشد

غالب - ملا جب ساغر مے ہم سے آئینگے گر ٹوٹ گیا — جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

عرفی - بکیش برہمناں آنکس ارشید انست — کہ در عبادت بت رد کبر زیں بیرد

غالب۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

عرفی۔ گمو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند کہ نغمہ نازک اصحاب نیہ پردگوش اند

غالب۔ محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

مندرجۂ بالا شعروں کو دیکھ کر مذاق سلیم رکھنے والی طبیعتیں اندازہ کر سکتی ہیں کہ مرزا مرحوم نے کیسے کیسے نازک خیالات کو زبان اُردو میں اضافہ کیا ہے۔ اور کس قدر انھیں ادنیٰ تغیر کے ساتھ عرفی کے خیالات سے علیحدہ کر دکھایا ہے یہی کمال شاعری ہے اُنھوں نے توسیع زبان کو صرف عرفی ہی کے خیالات پر موقوف نہیں رکھا ہے بلکہ خسرو۔ فیضی۔ بیدل۔ نظیری ظہوری وغیرہ کے یہاں سے بھی اُنھوں نے اکثر مضمون لیے ہیں اور اس طرح اُردو زبان میں داخل کر دیا ہے کہ جس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ یا کسی اور زبان سے یہ خیال لیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

عبدالباری آسی

یادِ وطن

اپنی ہستی کا بھلا میں ہمہ تن راز ہوں میں اک بھولے فسانہ برانداز ہوں میں

شرح بیربطیٔ ہر تار رگ ساز ہوں میں نغمۂ سنج گرہ رشتۂ آواز ہوں میں

ساکنِ منزل غربت ہوں سبکدوش ہے

دل ہے ہمراہ مرے اور مری خاموشی ہے

گلہ دیدۂ دل صرف پریشانی ہے فکر جمعیت خاطر بصد عنوانی ہے

آئینہ زار زمانہ مری حیرانی ہے پست ہے ہمت دل راہ جو طولانی ہے

قلزم فکر میں گم کشتۂ ویراں ہوں میں

گاہ بیٹھی ہوئی گردِ رہ امکاں ہوں میں

اپنے مطلب کا کروں کیا میں زباں سے اظہار — زندگی ہوگئی ہے یادِ وطن سے بیکار
ضعف سے سانس کا لینا بھی ہوا ہے دشوار — لب پہ رُک جاتی ہے آ آ کے فغاں سو سو بار

خُو پرستِ نگہِ چشمِ فسوں ساز ہے دل
رازدارِ اثرِ سُرمۂ آواز ہے دل

کاہشِ جاں ہو نہ کیوں ہجر مراعاتِ وطن — دامنِ روح سے وابستہ ہوئی ذاتِ وطن
وقفِ جذباتِ ولی وفدِ مولاتِ وطن — غیر ممکن ہے کہ مٹ جائیں خیالاتِ وطن

دل مشتاق ہے تمہید تماشائے امید
نقشِ تصویر بنا داغِ سویدائے اُمید

میں وہ بلبل ہوں گرفتارِ فریبِ صیاد — جس کی بیتابیِ دل بڑھ گئی ہے حد سے زیاد
خوف ہے؟ اب تو بہت لطفِ چمن آتا ہے یاد — مرکزِ ضبط سے ہٹ جائے نہ پائے فریاد

لائقِ افسوس کے کیوں ہو نہ مری نوحہ گری
رنجِ تنگیِ قفس ہے غمِ بے بال و پری

داغِ سوزاں سے ہے اظہار مری شامِ وطن — صبحِ غربت ہے اک آئینۂ آلامِ وطن
محفلِ یاس میں ہو خیر سرانجامِ وطن — مار ڈالے گی تپِ دوری آرامِ وطن

کُھل نہیں سکتا کہ ہے عقدہ مالیخول
مجمعِ فکر ہے اک سلسلۂ طولِ امل

میں ہوں اور پیشِ نظر ایک بیاباں پُرگرد — ہے بہت شرحِ طلب مسئلہ گرم و سرد
اُڑ کے ہر بار بتاتا ہے یہ رنگِ رخِ زرد — نشترِ غم ہے جو دل میں تو جگر میں بھی ہے درد

طبع ہے مُظہرِ تالیفِ فن اندازۂ دل
ہے رگِ خواب عدم رشتۂ شیرازۂ دل

آج صحرا میں ہوا کون عدم کا سفری — کچھ تو کہتی ہے بگولوں سے نسیم سحری
دلِ ہر سنگ ہے خمیازہ کشِ نوحہ گری — ہوش اوڑائے لیے جاتی ہے پریشاں نظری

دل میں ارمان وطن لے گئے مرنے والے
کر گئے نام وفا دہر میں کرنے والے

قصدِ رفتار کو مانع ہیں تدابیر وطن — کس قدر پاؤں سے وابستہ ہے زنجیر وطن
واللہ اللہ اثر جذبۂ تاثیر وطن — رگِ دل بن کے اُبھر آئی ہے تصویر وطن

ان سے وابستہ ہیں اجزائے پریشانی سب
ہر نفس جادہ رَوِ منہجِ امید ہے اب

صورتِ نقشِ کفِ پا ہوں رہِ غربت میں — زندگی ہوگئی دشوار غمِ الفت میں
اتفاقاً جو قضا آگئی اس صورت میں — چین آئے گا نہ اک لحظہ مجھے تربت میں

دیدۂ شمع سے خود ہوگا عیاں روئے وطن
قبر کے پھولوں سے آئے گی سدا بوئے وطن

السلام اے اثرِ الفتِ یارانِ وطن — تجھ سے وابستہ نہ کیونکر ہوں خیالاتِ محن
جذب میں ڈوبے ہوئے ہیں ترے اخلاقِ حسن — سبز و شاداب رہے تجھ سے تعلق کا چمن

کیا کہیں ایسی جگہ پر ہیں بہت دور ہیں ہم
آ نہیں سکتے ہیں کچھ ایسے ہی مجبور ہیں ہم

دلِ بیجاں میں محبت ہے تری روح رواں — ہم سے بیماروں کا ہے تو ہی مسیحِ امکاں
چند جذبات تھے لے آئے ہیں وہ ہمکو یہاں — جلد آئینگے مہیا جو ہوئے کچھ ساماں

کششِ ہستیِ دل تا حدِ امکان رہے
اپنے مرکز پہ بھی لانے کا ذرا دھیان رہے

شمالی امریکا کے وحشی

عربی مقولہ ہے کل شی یعرف باضدادھا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دن نہ ہو تو رات کے مضار و مفاد کا کسی کو علم نہ ہو اور دنیا تا واقفیت کے اندھیرے گڑھے میں گری پڑی رہے۔ اسی طرح وحشت نہ ہو تو تہذیب کے محاسن اور بھلائیوں کو کوئی نہ جان سکے اور انسانیت کا معیار بہت تنگ ہو جائے۔ چنانچہ آج بیسویں صدی عیسوی میں جبکہ یورپین تہذیب و تمدن کا اثر دنیا پر چھا گیا ہے ایسا خیال کسی کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا ہوگا کہ کوئی ایسی جگہ بھی ہے جو تہذیب سے ناآشنا اور وحشت کا مسکن کہی جا سکے ایسے ممالک بھی ہیں جہاں تہذیب کا اثر ذرا بھی نہیں وہ تمدنی خوبیوں سے ایسے ہی کورے ہیں جیسے مہذب ممالک وحشت و جہالت سے ناآشنا سمجھے جاتے ہیں جہاں کے رہنے بسنے والے انسان ہیئت کے مجسمے اسی آن بان سے نظر آتے ہیں جیسے کئی ہزار برس پہلے کے آدمیوں کو تصور کیا جا سکتا ہے۔

ایک یورپین سیاح جسکا نام "ہڈسن" تھا نے اپنے بحری سفر کے حالات مضمون کی صورت میں شائع کیے تھے جو دلچسپ، عجیب خیز اور حسرتناک معلومات کا ذخیرہ ہونے کی بنا پر بہت مقبول عام ہوئے اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے کہ غیر زبانوں مثلاً ترکی اور فارسی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ اور اب اردو دان اصحاب کی ضیافت طبع کے لیے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

سیاح مذکور لکھتا ہے۔

"میں موسم بہار میں خلیج ہڈسن[1] (Hadson Bay) کے ساحلی مقامات پر

[1] ۱۶۰۹ء میں اس خلیج کے علاقہ کو کنیڈا میں ملحق کیا گیا۔

جو براعظم شمالی امریکا (North America) میں واقع ہے سیر و سیاحت کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ یہ مقامات گرین لینڈ[1] (Green Land) کی مملکت میں شامل ہیں۔ یہاں کے اصلی باشندوں کا ذریعۂ معاش صرف سمندر کی مچھلیاں ہیں اور ان لوگوں کو ایسکیمو (Esquimaux) کہتے ہیں۔ مغربی ساحلی مقامات پر ڈنمارک وغیرہ کے باشندے بہ تقریب ماہی گیری آباد ہیں۔ جس جہاز کے ذریعہ میں نے سفر کیا وہ ہالینڈ کے ماہی گیروں کا تھا اور جس جگہ جہاز ٹھہرا وہاں بھی ہالینڈ کے آدمی رہتے بستے تھے۔ خوش قسمتی سے میرا ایک رفیق سفر پیدا ہو گیا جو امریکن تھا مگر انگریزوں میں دنوں تک رہنے سہنے کی وجہ سے انگلش بلا تامل بول لیتا تھا اور کسی قدر فلمنگ زبان (پولیمک Polemic) بھی جانتا تھا اور ہالینڈ کے آدمیوں سے بھی روشناس اور مانوس تھا۔

اس جگہ ٹھہرنے سے میرا مطلب یہ تھا کہ آس پاس کے ساحلی مقامات کی سیر کر کے وحشی باشندوں کے حالات، واقعات، رسم و رواج، اخلاق و عادات سے واقفیت حاصل کروں۔

آخر کار ایک دن جہاز پر سوار ہو کر مچھلیوں کو شکار کرتا اور سمندر کے قدرتی مناظر کا لطف اٹھاتا راس سوبل (دے پل Sable) کے دہانے پر جا پہنچا جو مغربی ہڈسن کے ساحلوں میں سے اور میرے مستقر سے مغرب کی جانب تھا۔

جہاز لنگر انداز تھا۔ رات کے بارہ بجے تھے میں میٹھی نیند سو رہا تھا یکایک دل لرزا دینے والی چیخ پکار اور ہیبت ناک آوازوں نے چونکا دیا۔ میں گھبرا کر آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ یہ وحشت خیز شور و غل مردم خوار وحشیوں کے ایک گروہ کا تھا

[1] جس زمانہ میں اس ملک کا الحاق ہوا اس وقت لارڈ گرین ویل کولونیز کے سکرٹری تھے اس بنا پر نام گرین لینڈ رکھا گیا۔ (کارہائے عظیم)

جو ہم سے تھوڑے فاصلہ پر ہم پر حملہ کرنے کی فکر میں تھا۔

ان کی حرکتوں اور قرائن سے جہاز کے آدمیوں نے تاڑ لیا کہ یہ ہمیں شکار بنانا چاہتے ہیں اس لیے وہ اپنی اپنی بندوقیں تان کر قلع قمع کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور جب وحشی بڑھتے بڑھتے بندوقوں کی زد میں آ پہنچے تو اُن پر گولیاں برسانا شروع کیں اور ایک دم باڑھ ماری۔ ان لوگوں نے غالباً بندوقوں کی آوازیں کبھی نہ سُنی ہوں گی پریشان ہو گئے، شیرازہ بکھر گیا، بدحواس ہو کر بھاگے اور ہمارے جہازوالوں کو فتح نصیب ہوئی۔

میں جہاز کے بالائی حصہ پر کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا اور مزید حالات کے معلوم ہونے کے لیے ماہی گیروں کی واپسی کا بےچینی سے منتظر تھا اتنے میں ماہی گیروں کے آگے آگے ایک سیاہ چیز بے ساختہ دوڑتی ہوئی دکھائی دی جس کو میں بھینس کا بچہ سمجھا مگر یہ بھینس نہ تھی بلکہ ایک وحشی تھا جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر ماہی گیروں میں گھر گیا تھا اور کسی طرف راستہ نہ پا کر بے تحاشا بھاگ رہا تھا جب سمندر کے کنارہ پر آ پہنچا تو ماہی گیروں نے اسے دیکھ کر پکڑ لیا اور چاہا کہ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ یہ حال دیکھ کر میں چلایا کہ خبردار قتل نہ کرنا۔ زندہ میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میرے کہنے کے مطابق جب لوگ میرے پاس لائے تو اس کی عجیب حالت تھی مارے ڈر کے سہما جاتا تھا میں نے چاہا کسی طرح ڈر کم ہو تاکہ بے تکلفی سے بات چیت کر سکے اس لیے میں نے اس سے نرمی سے گفتگو کرنی شروع کی لیکن میری یہ تدبیر بے سود ثابت ہوئی وہ یہی سمجھتا رہا کہ یہ میرے کھانے کی فکر میں ہیں آخر کار دیر تک بہت کچھ دم دلاسا دینے کے بعد میں اپنی کوشش میں کسی قدر کامیاب ہوا۔ اُس کے حواس ذرا بجا ہوئے۔

اس کی عمر اندازاً چالیس برس سے کم نہ ہو گی لیکن اسکے قومی نوجوانوں کی طرح

مضبوط تھے اور وہ بلا کا چست چالاک اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

میں جیسا پہلے بیان کر چکا ہوں اپنی واقفیت کی غرض سے اس سے گفتگو کرنا چاہتا تھا مجھے دیکھنا تھا کہ اُن کی عمر کیسے بسر ہوتی ہے عقل و فکر سے کس طرح کام لیتے ہیں اور تہذیب و تمدن سے کس قدر دور ہیں۔

میرا رفیق سفر بھی امریکن وحشی تھا مگر صحبت کے اثر سے کچھ آدمیت سیکھ چکا تھا اسلیے میں نے اسے ترجمان بنانا مناسب سمجھا تاکہ میری اور اُس کی باتوں کو سمجھا دیا کرے۔ جب اُسے نو گرفتار وحشی نے دیکھا تو خوش ہوا اور کیوں خوش نہ ہوتا ؎

کند ہمجنس باہمجنس پرواز ۔ کبوتر با کبوتر باز با باز

تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اپنے سمجھ کے موافق اُسکی عزت کی مگر اسکے باوجود بھی غیظ و غضب کے آثار اُسکے چہرے سے نمایاں تھے میرے رفیق سفر نے اس سے باتیں کیں لیکن یہ وحشی مدت سے اپنی قوم سے بچھڑ کر زبان بخوبی نہیں سمجھتا تھا۔ تاہم کچھ نہ کچھ مطلب نکال ہی لیتا تھا۔

میرے ساتھی وحشی نے کہا ڈرو مت یہ تم کو جان سے نہیں ماریں گے۔

اُس نے کہا۔ کیوں؟ کیا یہ گوشت نہیں کھاتے۔

اس بات سے میں سمجھا میری جانب سے اُسکے دل میں یہ بدگمانی بسی ہوئی ہے کہ میں اسے کھا جاؤں گا۔ غرض کہ میں ترجمان کے واسطہ سے حسب ذیل گفتگو کرنے لگا میں۔ کیا تم آدمیوں کو کھا جاتے ہو۔ معاذ اللہ

وحشی۔ بیشک؟ ہمیں بہت مزا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک بار بھی آدمی کے گوشت کو کھا لیتے ہیں تو عمر بھر زبان چٹخارے لیا کرتی ہے۔

میں۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ کیا اور حیوانوں کا گوشت مزے دار نہیں ہوتا کسی مذہبی حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے ہو۔

وحشی۔ واہ! آپ اتنا بھی نہیں جانتے۔ یہ مذہبی بات ہے خاص خدا کا حکم ہے۔

میں۔ خدا کا حکم؟ ایں یہ کیا کہا کیا یہ خدا کا حکم ہے کہ انسان کا گوشت انسان کھائے۔

وحشی۔ اسمیں تعجب کی کون سی بات ہے جس طرح بکرے، بھیڑیے۔ شیر وغیرہ خدا کے

حکم سے چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی کھاتے ہیں۔ آخر ہم بھی تو انھیں کی جنس سے ہیں۔

میں۔ (بے ڈھنگے جواب سے اُکتا کر) تو اس پر عمل درآمد تم خدا کے حکم سے کرتے ہو۔

وحشی۔ اور کیا۔ یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ اور جو نہیں کرتے اُس کو خدا کا حکم نہیں سمجھتے۔

اس گفتگو سے میں نے خیال کیا یہ لوگ اگرچہ مذہباً وجود خدا کے قائل ہیں مگر انسان کو فاعل خود مختار نہیں سمجھتے۔

میں۔ تھوڑی دیر کے لیے تمھاری بات سچ مان لی جائے تو یہ بھی تو سوچو کہ ہم بھی انسان ہیں۔ ہم کیوں ایک دوسرے کو نہیں کھا جاتے۔

وحشی۔ بات یہ ہے۔ تم سب اک رنگ ہو۔ جسقدر سفید چمڑے کے لوگ ہیں وہ تمھاری قوم سے ہیں۔ اس لیے تم ایک دوسرے کو نہیں کھاتے۔ مگر کیا کسی دوسری جنس کو بھی نہیں کھاؤ گے۔

میں۔ ہاں ہم تو کسی آدمی کا گوشت نہیں کھاتے۔

اتفاق سے اس جگہ کھونٹی پر سوکھے گوشت کا ٹکڑا لٹک رہا تھا اُسکی طرف اشارہ سے بتا کر کہنے لگا۔

وحشی۔ یہ کیا ہے۔

میں۔ ہاں؟ یہ گوشت ہے مگر انسان کا نہیں حیوان کا ہے۔

وحشی۔ (متعجب لہجہ سے) کیا ہم حیوان نہیں ہیں۔ اور کیا طوطے، مینا، کبوتر، بکری، بھیڑیے، بندر، سانپ، بچھو، مچھلی، مگر کا گوشت ایک گوشت نہیں ہے۔

اس بات چیت سے میں نے سمجھا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہندوؤں کی طرح یہ بھی ہر ذی روح کو بلا استثنا ایک حیوان سمجھتے ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ ہندو ہر جان دار کا گوشت اپنے لیے حرام سمجھتے ہیں اور یہ وحشی حلال۔

میں۔ اچھا اس جھگڑے کو جانے دو۔ یہ بتاؤ تم نے ہم پر شبخون کیوں مارا۔

وحشی - تمہارا لذیذ گوشت کھانے کے لیے۔ مگر ناکامی کا افسوس ہے میں تم کو پکڑ نہ سکا اور بخلاف اسکے تم مجھے کھانا چاہتے ہو۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں ریچھ کو جب ہم پکڑتے ہیں تو کھا جاتے ہیں اور جب وہ ہمیں پکڑتا ہے تو وہ کھا جاتا ہے۔

میں - خواہ مخواہ دوسرے کو ستانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔

وحشی - (مسکراتے ہوئے) دوسرے کی بھی خوب کہی۔ کیا وہ حیوان کی جنس سے نہیں ہے۔

میں - (رفیق سفر کی طرف اشارہ کرکے) دیکھو ہم تمہاری قوم کے اس شخص کو کیسی اچھی طرح رکھتے ہیں۔ اور کھاتے بھی نہیں۔

وحشی - معلوم ہوا تم نے اسے بھائی بنا لیا ہے جبھی اسکا گوشت تم پر حرام ہوگیا ہے۔

میں - تم بھی اگر میرے پاس رہو تو میں تمہیں بھی اپنا بھائی بنالوں اور عمدہ سلوک کروں۔

وحشی - اگر یہ بات سچ کہتے ہو تو مجھ پر تمہارا یہی بہت بڑا احسان ہوگا کہ مجھے چھوڑ دو۔

میں - اگر ایسا نہیں چاہتے کہ میں تمہیں اپنا بھائی بناؤں تو تم مجھے اپنا بھائی بناؤ۔

وحشی - ہرگز نہیں۔ نہ میں تمہارا بھائی بن سکتا اور نہ تمہیں اپنا بھائی بنا سکتا ہوں کیونکہ تم میری غذا کا تر لقمہ ہو۔

اس گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ نہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ تالیف قلوب جانتے۔ اور جس شخص کو بھائی یا دوست بنا لیتے ہیں اس کا گوشت حرام سمجھتے ہیں۔

میں - خدا کو چھوڑو میرے بھائی بن جاؤ میں تمہارے گھر چلوں وہاں کسی لڑکی سے میری شادی کر دینا۔

شادی کا نام سنتے ہی اُسے بیحد غصہ آیا آگ بھبوکا ہوگیا جسم کانپنے لگا آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور ڈانٹ کر کہا۔

وحشی - کیا ہماری ماں بہن بیٹیوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے۔

میں۔ نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔
وحشی۔ تو پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ جب ہماری مستورات کو تم گرفتار کرلو گے تو ان کی حالت تمہارے رحم پر ہوگی چاہے کھاؤ چاہے جو کچھ کرو۔
ان باتوں سے میں نے سمجھا اس سرزمین کی وحشی قوموں میں شادی بیاہ کی رسم نہیں ہے بلکہ جب ایک قبیلہ دوسرے پر غالب ہو جاتا ہے تو کسی لڑکی سے بجائے کھا جانے کے زبردستی تعلقات زوجیت قائم قائم کرلیتا ہے۔
میں۔ دیکھو میرے پاس کیسی اچھی اچھی بندوقیں اور طپنچے ہیں ان سے میں ہر جانور کا بآسانی شکار کرسکتا ہوں۔ مجھے بھائی بناؤ تو تمہیں بھی شکار کرکے خوب کھلاؤں گا۔
وحشی۔ تم سفید حیوان ہو میں سیاہ تمہارے میرے بھائی بندی ممکن نہیں اور بندوق سے تم ہمارا ہی شکار کرکے کھاؤ گے؟ میں خوب سمجھتا ہوں۔
میں۔ لاحول ولاقوۃ میں کیا ہوں تم کیا سمجھتے ہو۔ میرے نزدیک انسان کا شکار بہت معیوب ہے۔
وحشی۔ اینچ پینچ کی ضرورت نہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہم تمہیں کھانا چاہتے ہیں
میں۔ اب اسکو میں کیا کروں کہ تمہیں یقین نہیں آتا۔ ارے بھائی کہو تو حلف اٹھاؤں کہ تمہیں نہیں کھاؤں گا۔ میرا مطلب تو تم سے میل جول اور محبت بڑھانے کا ہے؟ نہ کہ کھانے کا۔
وحشی۔ میں یہی نہیں سمجھا کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ انسان اگر اپنی بیوی کو پیار کرے تو مناسب بھی ہے میں بھی مرد تم بھی مرد ایسی صورت میں تم مجھ سے کیا محبت کروگے جو ایک بے تکی بات ہو۔
اس تقریر سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ لوگ بیوی بچوں کے سوا اور کسی کی محبت نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے بھی دریے آزار رہتے ہیں۔
میں۔ ہم لوگوں کو دیکھو کتنے بہت آدمی ہیں اور کس خلوص و محبت سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور رہتے سہتے ہیں۔
وحشی۔ تمہارا یہ طرز عمل کھلا ہوا فریب اور دھوکا ہے۔ اگر سب آدمی بھائی بھائی ہوں

تو ایک دوسرے کو کھائے کیوں۔ اور آپس میں دشمن کیوں رہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہو کے رہنا ہیوقوفی ہے کیونکہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرکے اپنی کوششوں سے بے پروا ہو جاتا ہے جس سے حفاظت خود اختیاری اور خودداری کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

میں۔ ہم تمہاری طرح نہیں ہیں کہ تن تنہا زندگی بسر کریں۔ ہم یہ طریق عمل اختیار کریں تو زندگی تلخ ہو جائے اور تمام آرام آسایش تہذیب تمدن خاک میں مل جائے

وحشی۔ اخاہ؟ اب میں سمجھا۔ تم لوگ ڈرپوک، بزدل اور انتہا درجہ کے کاہل معلوم ہوتے ہو تم قوندوؤں[1] کی طرح ہو اگر شیر یا ریچھ کی طرح مضبوط اور بہادر ہوتے تو ایسی چناں چنیں کی باتیں نہ بناتے۔ اب تک جو باتیں مجھ سے اور وحشی سے ہوئیں اُن کا اُس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا اور اس وجہ سے میں اُسکے خیالات کی اصلاح سے مایوس ہو گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ ان وحشیوں میں بہیمیت اس درجہ جم کے بیٹھی ہے جس کا کوئی زور زمم سے بھی دھویا جانا ممکن نہیں

میں۔ اگر میں تم کو چھوڑ دوں تو تم مجھ سے خوش ہو گے۔

وحشی۔ خوش کیا۔ شکر گذار ہوں گا۔

میں۔ تم اگر کبھی مجھے اکیلا پاجاؤ تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔

وحشی۔ وہی جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو یا کرنے والے ہو۔

میری طبیعت وحشیانہ بات چیت سے اب اسقدر گھبرا گئی تھی کہ میں نے پھر کبھی ملنے کا وعدہ لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اور اس طرح اس وحشی سے اپنا پنڈ چھڑایا۔

اس وحشی اور حیوان مطلق میں کوئی فرق نہ تھا اور باوجود اسقدر سرخوشی کے اس کا دل ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوا۔ نوع انسان کی یہ تباہ حالت دیکھکر میرا دل بھر آیا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور انتہا سے زیادہ افسردہ ہوا۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

---

[1] قوندو ایک زمینی جانور ہے جو خشکی اور پانی دونوں جگہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بہت ڈرپوک اور ہمیشہ جمعیت کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔ مترجم ترکی

حُسن و محبّت

ستارہ میں نے دیکھا کل سرِ شام ایک نورانی — فروغ دیدۂ خورشید ہو جس کی درخشانی
جھلک ایسی نمایاں تھی کچھ اُسکے رخ سے — خجل تھی جسکے آگے چاند کے عارض کی تابانی
چمک ظاہر تھی اُسکے دیدۂ بیدار سے ایسی — ہو جس کو دیکھکر چشمِ ثریا محوِ حیرانی
ذرا سی چیز میں موجود وہ شانِ تبسم تھی — کہ غائب خندۂ زہرہ کی ہو جس سے گل افشانی

عجب انداز تھا۔ غمزہ تھا۔ عشوہ تھا۔ کرشمہ تھا
ہے آنکھوں میں ابھی تک حُسن کا منظر وہ لاثانی

مگر یہ یاد رکھ۔ اے میرے دل کو پانے والے — ستارے میں کہاں جس شے کی ہے تجھ میں فراوانی
عبارت کہہ رہی ہے صفحۂ تیرے مصحفِ رخ کی — ہے مضمونِ دلا کی روشنائی میری رخشانی
تری آنکھیں محبت کی ہیں وہ پُر نور قندیلیں — کہ چشمِ جاں کی ہو کافور جن سے تیرہ سامانی
تبسم یوں لبِ نازک پہ تیرے رقص پیرا ہے — ہو برگِ گل میں جیسے رنگ و بو سرگرم جولانی
ستاروں میں نشاں ڈھونڈھے سے بھی اُسکا نہیں ملتا — وفورِ حُسن کی تجھ میں جو کیفیت ہے طوفانی
مگر وہ چیز جس سے فوق ہے تجھکو کواکب پر — نہ ہے چہرے کی تابانی۔ نہ آنکھوں کی درخشانی
ترے پہلو میں دل ہے اور دل میں جذبۂ الفت — یہ وہ شے ہے کہ جس سے حُسن تیرا حُسن لاثانی

فنا انجام ہے دنیا ستاروں کی۔ مگر جاناں!
نہ تم فانی۔ نہ ہم فانی۔ نہ یہاں وفا فانی

غلام محمد طور ایم۔ اے

سید مرزا صاحب تعشق لکھنوی مرحوم

آپ کا نام نامی سید مرزا تھا اور بعض لوگ صرف سید صاحب کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں آپ کے والد ماجد محمد مرزا انس تھے جو لکھنؤ کے اساتذہ میں غیر معمولی شہرت و وقعت حاصل کر چکے ہیں۔ میر عشق صاحب جن کی مرثیہ گوئی مستغنی عن التعریف ہے آپ کے بھائی تھے اور جہاں تک صحیح معلوم ہوتا ہے خود سید صاحب مرحوم نے اُنھیں سے اصلاح لی ہے بعض مورخین تعشق صاحب کو پوستان ناسخ کا ایک خوشنما پھول بتاتے ہیں۔ مگر خود اُن کا کلام اسکی تردید کرتا ہے۔ مؤلف صاحب خخانۂ جاوید کو ان کے سلسلۂ تلمذ کے ملحق اور معلوم ہونے میں غلطی ہوئی۔ اور انھوں نے بیچ جھوٹ کا بوجھ راوی کی گردن پر ڈال کر لکھدیا جس سے کہ ہم اُن کو کسی صورت سے مورد اعتراض نہیں ٹھہراتے۔ بہرحال سید صاحب بحر بے پایاں شاعری کے ایک آب دار موتی اور گلستان سخن کے ایک خوشنما خوشبودار پھول ہیں جن کی آب و تاب میں جس جوہری نے حصہ لیا اور جن کی آبیاری میں جس باغبان نے کام کیا وہ بہرصورت مستحق تحسین ہے۔ سید صاحب درویش صفت آدمی تھے نہ کسی سرکار سے اُن کا دامن حال وابستہ تھا نہ کسی دربار سے اُن کو سروکار تھا اُنھوں نے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ مقامات مقدسہ کربلائے شریف وغیرہ میں صرف کیا اور یہی باعث اُن کے کلام کی گمنامی کا ہوا لیکن بعد کو لکھنؤ کی زمین میں پہنچ کر زمین ہموار ہوئے۔ منکسر مزاجی۔ اور خلق آپ کا خاص حصہ تھا اور اسی وجہ سے اُنھوں نے باوجود فن تغزل کے کمال کے اپنے آپ کو مرثیہ گوئی میں شامل کرنا چاہا۔ اب ہم ایک نظر آپ کے کلام بلاغت نظام پر ڈالتے ہیں اور ممکن ہوا

تو بعض دیگر اساتذہ کے پاکیزہ جذبات کو آپ کے ضمن شاعری مین بیان کرینگے جوش عقیدت میں حضرت عزیز لکھنوی نے یہ فقرہ لکھدیا تھا۔ کہ اکیلے تعشق کے بھروسے پر حضرات لکھنؤ بلہ شعرائے ماضی وحال واساتذۂ دہلی کے کلام کا مقابلہ کرسکتے ہین۔ اگرچہ وسیع نظرین اس فقرہ کی کوئی خاص وقعت نہیں کرتین۔ مگر اس خلاف واقعہ بات سے یوں تاویل کرکے اپنے دل و دماغ کو تسلی دے لیتی ہیں کہ لکھنؤ میں کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جسکے کلام میں اس قدر درد پایا جائے۔ مرثی کے کوچہ کو چھوڑ کر جب تغزل پر نگاہ ڈالی جاتی۔ ہے تو بلا استثناء ہمیں اساتذۂ لکھنؤ کے کلام میں تشبیہات اور مراعات النظیر کا گورکھ دھندا نظر آتا ہے۔ تعشق مرحوم بھی گو اس دھرپلی ہوا سے بچ نہیں سکے ہیں تاہم انھوں نے اپنی قادرالکلامی اور ماہر فن ہونے کی وجہ سے باوجود رعایت الفاظ۔ اور تشبیہات کے درد کی ایسی چسک۔ پیدا کردی ہے جو لکھنؤ کے دوسرے مشاہیر کے کلام میں نہیں پائی جاتی اور صرف یہی بات اکثر نقادوں کو دھوکے میں ڈال کر ماسبق فقرات کے کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

سید صاحب مرحوم مرثیہ گوئی کے مرد میدان تھے اور تغزل میں بھی اپنی سحر بیانی کی وجہ سے واقعات و جذبات حسن و عشق کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ سوز و گداز ان کے کلام کا حصہ ہے فصاحت اور بلاغت وغیرہ کی بھی آپ کے کلام میں ایک نہایت ہی دلکش جھلک نظر آتی ہے مضمون آفرینی پختہ کلامی کے نمونے جابجا آفتاب تاباں کی طرح اُن کی غزلیات میں چمکتے ہیں مگر اردو ادب کی بدقسمتی سے آپ کا کلام سوائے اُسکے نہیں پایا جاتا جو اہالیان معیار کے معلوم نہیں کن کن جانکاہیوں سے ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں

پبلک میں پیش کیا ہے۔ سید صاحب مرحوم نے غالباً اپنے کلام کو فراہم کرنے کی طرف بہت ہی کم توجہی سے کام لیا ہے۔ سُنا ہے کہ عرصہ تک اپنے کلام کو جمع کیا پھر اس پر خود ہی نظر ڈالی سنکسر مزاجی کی وجہ سے (جو اہل کمال کا بہترین حصہ اور نمونہ ہے) اپنے کلام کو دریا برد کر دیا۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ تعشق صاحب بھی تشبیہات و تمثیلات سے اپنے کلام کو پاک نہ رکھ سکے۔ ابتداءً ہم اسی کلام پر ایک نظر ڈالتے ہیں وہ ہذا

۵۱ گھبراتے ہیں وہ سرخ جب آجاتی ہے آندھی — دیتا ہے ہوا زخم دلِ زار کسی کا

۵۲ اے جنوں بیڑی پہناتے تھے انھیں ہم ہر برس — جب سے منت بڑھ گئی وہ سلسلہ جاتا رہا

۵۳ گلوں کے ہجر نے نکہت بنایا جسم لاغر کو — بہت ہے بوریا موج ہوا کا میرے بستر کو

۵۴ چلا گھر سے وہ بحر حسن اللہ رے تشویش دل کی — عجب قطرہ ہے جو کھینچے لیے جاتا ہے دریا کو

علی حیدر صاحب نظم طباطبائی نے ضلع وجگت کے الفاظ کے التزام کی برائیاں شرح دیوان غالب میں اکثر جگہ دکھائی ہیں۔ اور اگرچہ اکثر اُن میں سے بے محل ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہی ایک ایسی بُرائی ہے جس کے التزام سے فصیح و بلیغ کلام پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات پاکیزہ جذبات لطیف خیالات چیستاں اور معمہ بلکہ بے معنی بن کر رہ جاتے ہیں۔ متقدمین نے اسکو صنائع کلام سے رکھا تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے۔ کہ شاعر اس ریوڑی کے پھیر میں پڑ کر اپنے جذبات کو خراب کرے یہ مرض لکھنؤ میں زیادہ اور دہلی میں کم ہے اور اسی سے دہلی اور لکھنؤ کے اساتذہ کے کلام میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً مندرجۂ بالا اشعار کو لیجیے۔

شعر نمبر ۵۱ کا مطلب صرف اتنا سا ہے کہ وہ مکافات ظلم کے خوف سے گھبراتے ہیں۔ سرخ آندھی ہوا زار و غیرہ رعایت الفاظی ہے۔ جنسے کہ شعر میں بجائے درد وغیرہ پیدا ہونے کے ابہام کا شک ہو جاتا ہے۔

نمبر۲ بیڑی۔ جنون۔ منّت سلسلہ بڑھنا۔ وغیرہ یہ سب رعایت لفظی کے تحت میں آتے ہیں ماسوا اس کے نہ شعر میں درد ہے نہ سوز گداز۔ بلکہ اس میں ایک اعتراض بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم بیڑی پہناتے تھے۔

ایسے ہی مضمون کو حضرت جاوید لکھنوی نے ایک نہایت ہی پاکیزہ طریقہ سے بیان کیا ہے ؎

منّت کا ذکر کیا یہ اسیروں کا صبر ہے اپنے گلے میں آپ نے زنجیر دیکھ لی

یا خود جناب تعشق مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

خون ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست

رعایت الفاظ کا اس میں بھی بڑا حصّہ ہے۔ مگر اس سے پاکیزہ جذبات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور اسی حد تک یہ ایک صفت ہے ورنہ قباحت۔

نمبر۳ میں بھی رعایت الفاظ ظاہر ہے۔ خیال اچھا ہے۔ مگر معیار شاعری کے موافق نہ اس میں انبساط ہے نہ انقباض۔ گل نکہت جسم لاغر (بوریا) صرف بُو کی لفظ کی وجہ سے لایا گیا۔ موج ہوا بستر۔

نمبر۴ میں صنائع بدائع کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ بچوں اور بچہ دیوں کے یہاں بھی اسی قسم کے بہت سے شعر ملتے ہیں۔ سید صاحب کے یہ ایسے شعر ہیں جو ناز نہیں کر سکتے سید صاحب نے اس کوچہ سے ذرا بھی جُدا ہو کر جہاں کہیں نغمہ سرائی کی ہے وہ ایک سخن داؤدی ہے جس کے سُننے کے طیور روحوش جن و انس سب مشتاق ہیں اگر انھوں نے اُس میں اردو پیدا کر دیا ہے تو چوٹ کھائے ہوئے دلوں پر دہ جذبات سنان و نوک نشتر کا کام دیتے ہیں اور اگر انبساط کا ارادہ کیا ہے تو آنکھوں میں کشت زعفران کی بہار کا نقشہ کھنچ جاتا ہے مثلاً

شب ہجر تھی اور میں رو رہا تھا کوئی جاگتا تھا کوئی سو رہا تھا

واقعات شب ہجر کا یہ شعر ایک مکمل فوٹو ہے جس سے بہتر مشکل ہے۔

بیسر و سامانی۔ بے بسی کی تصویریں کھینچتے ہیں۔

کچھ نہ کچھ گور غریباں پر بھی ساماں ہوگیا چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہوگیا

سعدی کے شعر کا اس سے بہتر اُردو میں ترجمہ نہیں ہوسکتا۔

"دو چارہ کار بندہ داند چوں ہیچ وسیلتش نہ ماند

ے دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہوجائیگا ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم کدا ہوجائیگا

سچ ہے کہ اہل درد جہاں ہوتے ہیں وہیں سوگ پھیل جاتا ہے اسی مضمون کو اپنے رنگ میں میر درد ادا فرما گئے ہیں اور کیا خوب فرمایا ہے۔

ے نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغض ہووے دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو

ایضاً فارسی ے در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

تشبیہ ے دل جو مرجائے ہمارا تو کرے کون آہیں سوگیا جاگنے والا شب تنہائی کا

سبحان اللہ ایسے پاکیزہ جذبات کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ مصرعہ ثانی اسقدر لطیف ہے کہ ہزار بار پڑھ کر بھی جی نہیں بھرتا ے

تھا کبھی دور اسیران قفس کا صیاد اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا

ترے مریض محبت نے قبر کی آباد عجب طرح کی اُداسی ہے آج بستر پر

کل نہ ہم ہونگے مسیحا یہ بیماری دل آج بس اور بہت تکلیف پرستاری دل

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا آئیں تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں

جگر جل جل کے دیتے ہیں دعائیں شعلہ رویوں کو رہیں ٹھنڈے دل انکے آگ جو گھر گھر لگاتے ہیں

اسی مضمون کو کسی دوسرے شاعر نے بھی ادا کیا ہے ے

خدا خوش رکھے دل میں رو بن کر آنے والے کو زمانہ بھر کی راحت دے مرے تڑپانے والے کو

دونوں مذکورہ اشعار عاشقی کی شان اور عشق کا معیار کہے جانے کے مستحق ہیں عاشقی

اور ہوا و ہوس کے درمیان ایک ضروری تفریق پیدا کر دیتے ہیں۔

تعشق ؎ مرکے بدنام کیا نام محبت میں نے — منھ پہ کچھ ڈال دو کوئی کہ حیا آتی ہے

ایک اسی قبیل کے مضمون کو مرزا غالب مرحوم ادا فرماتے ہیں۔

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں — ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

تعشق۔ بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کیلیے — روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لیے

ہم بھی جاتے ذرا زندہ جو ہوتا آج قیس — دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رولانے کے لیے

ہوں وہ بلبل جب گرا صیاد میرا آشیاں — برق دوڑی ہاتھ پھیلا کر اٹھانے کے لیے

مندرجہ بالا اشعار کے درد۔ سوز گداز کی تعریف غالباً فضول اور بیکار ہے یہ خود وہ نشتر ہیں کہ جن سے دل زخمی ہو جاتے ہیں۔ سید صاحب کے تھوڑے سے کلام میں اسی قسم کے اشعار درد انگیز اور بھی ہیں جو بخیال طوالت نہیں لکھے جاتے۔ اب ہم آپ کو اُن کے اُس کلام کا نمونہ دکھاتے ہیں جو بخیال معانی اور بلاغت کے دنیائے شاعری میں ستارہ بن کر چمک رہے ہیں۔

؎ الٰہی ہی خانۂ صیاد ہے گلشن کیسا — نازپرور و قفس ہوں میں نشیمن کیسا

لا اعلم ..... — آنکھ ہی کھولی ہے ہم نے خانۂ صیاد میں

تعشق۔ یہ تو حرف خط تقدیر نہیں مٹنے کا — آپ کے در پہ اڑا دو ہے جبیں سائی کا

دل پُر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے — پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا

تشبیہ و کنایہ نے شعر میں ایک خاص بات پیدا کر دی ہے۔ لالہ سے پھول کی مشابہت ایک معمولی بات ہے مگر لالۂ صحرائی دوسرا رنگ دے رہا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را — ذوق دیگر ہست جان را در بدن

خبر کسی کو صنعتوں کے قتل کی نہ ہوئی — ہم ایک قطرہ خوں تھے زبان خنجر پر

یاد ہیں تشنہ مرے دبی ہوئی آنکھیں کس کی — غش تجھے اے دل بیمار چلے آتے ہیں

وحدانیت کا مضمون۔ اور تحمید۔ الٰہی کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں۔ ؎

مجھ سے لاکھوں خاک کے پُتلے بنا سکتا ہے تو میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

وحشت کے مضامین اگرچہ بالعموم سب شعرا لکھتے ہیں مگر سید صاحب نے ایک خاص رنگ اُن میں پیدا کیا ہے ملاحظہ ہوں۔ ؎

دلِ وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز وحشت زا بغل میں تیرے دیوانے لیے پھرتے ہیں صحرا کو

ہر طرف حشر میں جھنکار ہے زنجیروں کی اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

سید صاحب کے اشعار میں جتنا کہ اقتضا ہے کا پہلو موجود ہے اسقدر اُن کی شاعری میں انبساط کا لطف نہیں ہے اور اگر ہے تو شاذ جو کالمعدوم ہے حالانکہ یہ صنف بھی بعض شاعروں کا خاص رنگ ہے مگر اسکے سوائے بھی دوسرے شعرا کے یہاں دوسرے رنگ بھی موجود ہیں اور شوخی و ظرافت کا ان کے یہاں موجود ہونا کچھ تعجب سے نہیں ہے اس واسطے کہ عموماً مرثیہ گو شعرا کی شاعری میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے۔

معشوق کی حیاداری اور رشکِ قیامت کو ایک خاص طرز کے ساتھ ادا فرماتے ہیں ؎

زخم اے جراح میں اس شرمگیں کی تیغ کے آئیو منہ پھیر کر ٹانکے لگانے کے لیے

اسی طرح کے ایک مضمون کو مرزا غالب مرحوم ادا فرماتے ہیں۔ غالب

نظر لگے نہ کہیں اُسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

تشنہ چھینٹے افشاں بام پر آیا جو تو لے رشک ماہ چاندنی میلی ہوئی بے نور تارے ہو گئے

ظفر و تو ہے جن کے افشاں بام پر مت جائیو بہر خدا چاندنی چھو جائے گی میلا بدن ہو جائیگا

چونکہ دونوں مضمون کچھ آپس میں متحد ہیں اس واسطے ہم نے یہ شعر لکھ دیا ہے اس سے مقابلہ مراد نہیں ہے بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دو اُستاد جب ایک مضمون کو باندھتے ہیں تو قوتِ متخیلہ صفت متمیزہ اس میں کیونکر پیدا کر دیتی ہے۔ اور غالب

رنگ کیا فرق ظاہر کر دیتا ہے سید صاحب کے ایک زبردست شاعر ہونے میں شک کرنا کفر شاعری ہے مگر نہ یہ کہ دہلی کے کسی اُستاد نے اُس اچھے طریقہ سے ان کے مضامین کو ادا ہی نہیں کیا۔ اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ چند شعر اس طرح کے اور بھی لکھدیں نیشق مرحوم نے ایک شعر لکھا ہے اور اسمیں اُنھوں نے خاکہ کھینچ دیا ہے بلکہ محاکات شاعری کا اُسے بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اُسی کے بعد دہلی کے ایک اُستاد کا اسی زمین میں شعر لکھیں گے

نشتق راہ میں صاحب اگیر کھڑے ہیں مشتاق خاکسار ان دریار چلے آتے ہیں

دہلوی۔ جھومتے جھاتے میخوار چلے آتے ہیں بھیگتے بھاگتے سرشار چلے آتے ہیں

نشتق۔ اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں دردوں اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہوگئی

غالب۔ رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

نشتق۔ فرش ہو جاتی ہیں تم پاؤں جہاں رکھتے ہو ادب آموز محبت ہیں ہماری آنکھیں

تصویر دہلوی۔ تو نے جس جا پہ قدم رکھ کے اُٹھایا ظالم رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر

ہم اس قسم کے بہت سے اشعار نقل کرنے کا ارادہ کر چکے تھے مگر چونکہ اس سے طوالت مضمون کا اندیشہ ہے اسلیے صرف اس مختصر فقرۂ عبارت پر مضمون کا خاتمہ کرتے ہیں۔ سید صاحب مرحوم ایک فصیح زبردست شاعر تھے جودت تخئیل۔ سوز و گداز درد۔ چستیِ مضامین روزمرہ محاورات استعارات و بدیع تشبیہات سب کچھ ان کے کلام میں موجود ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اُنکے مثل اساتذۂ دہلی میں کوئی نہیں ہوا۔ دہلی والوں کی دل آزاری کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں رکھتا۔ فوق کل ذی علم علیم۔

اُن کا جس قدر کلام موجود ہے وہ اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہے۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید ست صنادید عجم را

منور دہلوی

خیالاتِ معرفت

خوابِ غفلت سے خبردار ہو کچھ سعی کرو
غیبی امداد کے خواہاں رہو ہر اِتمام

اپنی ہستی پہ نظر ڈالو ذرا غور کرو
اپنے مرکز کی طرف آؤ کہ ہو نیک انجام

اپنی ملت کے فرائض کو کرو دل سے ادا
نہ رکھو غیر کی تقلید سے ہرگز کوئی کام

دوڑو میدانِ ترقی میں مگر یوں دوڑو
صورتِ سبزہ نہ پامال ہو مذہب تہ گام

رہتے ہو دفترِ منسوخ میں جو یا جن کے
وہ تمھاری ہی کتابوں میں ہیں موجود احکام

زعم میں اپنے سمجھتے ہو جسے تم مذہب
یہ ہے کچھ اور ہی شے اسکا ہے کچھ اور ہی نام

جادۂ منزلِ مقصود سے کوسوں ہو دور
دیکھو یہ نقشِ قدم ہیں کہ ہیں نقشِ الزام

کون مسجد میں سنے شورِ اذاں کا جا کر
تمکو دنیا طلبی سے خبر صبح نہ شام

ناتواں بن گئے کاہیدہ ہو سے تحلیل ہلال
عذر بیجا ہے بھلا یا ادب ماہِ صیام

چند محتاجوں پہ چھوڑا ہے خدا کے گھر کو
بیٹھے ہو اپنی جگہ بیٹھے ہو باصد آرام

بھائیو کیا یہی ہے حدِ کمالِ تعلیم
دلمیں باقی نہ رہے خوفِ خدائے علام

قوم پر اپنی فدا ہو مگر اس طرز سے ہو
جو کہ جاری کیے محبوبِ خدا نے احکام

تم سے روحانیت اسقدر ہوئی کوسوں دور
کہ نہ نکلی ہے زباں لیتے ہیں اللہ کا نام

سنگ بنیاد رکھو مدرسۂ علم کا جب
دل سے گرتی ہوئی مسجد کا نہ جائے اکرام

ہائے معذور ہوئے عذرِ انانیت سے
ہفت اقلیم شریعت کے ہیں جو جو احکام

دست بوسی کا تو کیا ذکر وہ دور آ پہنچا
ہاتھ اٹھتا ہی نہیں دور سے بھی بہرِ سلام

ہو گئے آج بہتر سے زیادہ فرقے
ایک توحید پہ ہی ہزاروں ہیں کلام

جب طبائع میں ہو یوں فرق تو پھر مل کہاں
یکدلی کیسی یہی ہے جو ہجوم اوہام

نقصِ معبد کے ہمیں دیتے ہیں فتوے چھیکر
ہیں مسلم ہمیں پا بندِ رسائے اصنام

محشرِ اس دور میں کبتک کوئی خاموش رہے
تا کجا نبطِ فغاں اور ہجومِ آلام

فاش میگویم و از گفتۂ خود دل شادم
خود مسلمانوں کی گردن پہ ہے خونِ اسلام

حسرت موہانی

تلاشِ عیش

(سلسلے کے پیشتر گزشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۴)

نئی بات کی اچھائی برائی فوراً نہیں معلوم ہوتی۔ ایک طرز زندگی کو بدل کر انسان دوسرا طرز زندگی اختیار کرتا ہے تو فوراً نہیں کہہ سکتا کہ پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ۔ مطالب علمی سے نکلکر انسان جس وقت دنیا کے کاموں میں داخل ہوتا ہے اس کو دنیا کی تکالیف و پریشانیوں کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض چیزیں جو شروع میں خوشگوار نظر نہیں آتیں کچھ دنوں بعد باعث اطمینان و مسرت ہو جاتی ہیں نئی چیز سے مقابلہ کے وقت انسانی دماغ میں ایک قسم کی ہلچل و بیچینی ہوتی ہے۔ اپنی اصلی کیفیات دماغی کے ساتھ نئی چیز جانچی نہیں جاتی بلکہ کسی فوری کیفیت کے اثر سے وہ اچھی یا بری نظر آنے لگتی ہے۔

مولوی فرید الدین جوان بیوی پاکر کچھ دنوں بالکل ہی فرید الدین ڈپٹی کلکٹر رہے۔ یہاں تک ہوا کہ اپنے جوان کمسن سالوں سے دل لگی تک کرنے لگے دنیا گواہ ہے کہ یہ حرکت اپنی زندگی میں انھوں نے اس سے قبل کبھی نہیں کی تھی کچہری کے اوقات میں بھی اب وہ خوش و خرم نظر آتے تھے۔ گواہوں تک سے بعض وقت مذاق کر بیٹھتے تھے۔ چونکہ فن لطیفہ گوئی اور مذاق سے طبیعی مناسبت نہ تھی اس لیے ان کی دل لگی نہایت بھونڈی اور بے مزہ ہوا کرتی تھی لیکن کچہری والے اسی کو بہت غنیمت سمجھتے تھے ہنسی نہیں آتی تھی مگر ہنستے تھے۔

مولوی فرید الدین کی زندگی کا یہ ایک نیا رخ تھا۔ یہ رخ انسانی زندگی کا

جتنا کہ مضحک ہے اتنا ہی ترس کے قابل بھی ہوتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اپنے کو ایسا بنا کر دکھائے جیسا کہ وہ نہیں ہے۔ یہ کوشش ناکامیاب ہوتی ہے۔ کچھ بنائے نہیں بنتا۔ مولوی صاحب چاہتے تھے کہ بیوی کی ایسی جوان طبیعت کا میں بھی ہو جاؤں تاکہ رشتہ بے جوڑ نہ معلوم ہو۔ حسینہ ذرا ذرا سی بات پر ہنستی تھی اور دل کھول کے ہنستی تھی۔ یہ حرکت ان کو لغو معلوم ہوئی مگر سمجھے کہ سن کا تقاضا ہے کوشش شروع کی کہ مجھے بھی ہر بات پر ہنسی آئے ظاہر ہے یہ کوشش کیونکر کامیاب ہو سکتی تھی۔ بجائے ہنسنے کے یہ ہوا کرتا تھا کہ جا اور بیجا سوکھے ٹھٹھے لگایا کرتے تھے اور ٹھٹھے کے بعد فوراً ان کی ایسی سنجیدگی چہرہ پر آجاتی تھی۔ ایک صحیح اور تندرست قہقہہ یکایک نہیں رکتا ترتیب کے ساتھ اسکی آواز اور چہرہ پر کا اثر کم ہوتا ہے۔ مولوی صاحب کی ہنسی ایسی تھی جیسے سوکھی لکڑی کو کسی نے توڑ ڈالا۔ چرے آواز آئی اور کچھ نہ تھا۔ غرض یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنی بیوی کے حسن و جوانی کو پسند کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسکا چاہنے والا بنوں۔ مگر محبت کی قوت و قابلیت بھی ان میں اول تو فطری طور پر نہ تھی دوسرے زمانہ نے اس قابل بھی نہ رکھا تھا کہ ہر وقت قائم رکھ سکیں مگر اس میں شک نہیں کہ دو سال مولوی صاحب نے نفس پر دل کھول کے جہاد کیا۔ ہر چیز سے دلچسپی لینے کی کوشش کرتے تھے جو ان کے واسطے بالکل نئی اور عجیب بات تھی اس کا اثر یہ ضرور ہوا کہ حسینہ کو ان سے نفرت نہیں ہونے پائی۔ بعض وقت تو ترس اور رحم آجاتا تھا۔ ایک روز حسینہ نے اپنی ہمجولیوں کو بلایا۔ باتوں باتوں میں دل لگی ہنسی میں رات کے دس بج گئے۔ مولوی صاحب نو بجے سو رہنے کے عادی تھے کوشش یہ کی کہ سب کے ساتھ میں بھی جاگوں۔ عصا نے جواب دیدیا گردن میں استرخا پیدا ہونے لگا۔ منٹ منٹ پر اونگ آتی تھی اور سر

زانو پر گر جاتا تھا۔ لڑکیوں کی یہ حالت تھی کہ ہنسی کے مارے لوٹی جاتی تھیں۔ حسینہ کو شرم آئی۔ میاں کا شانہ ہلا کے کہنے لگی "تم جا کے سو کیوں نہیں رہتے"

مولوی صاحب۔ نہیں ابھی تو کوئی ایسی رات نہیں آئی۔ تم لوگ بیٹھی ہو میں بھی بیٹھا رہوں گا۔

بیوی۔ نہیں تو اس سے فائدہ کیا۔ نیند کے مارے جھونکے لے رہے ہو۔

میاں۔ مجھے تو ابھی نیند نہیں آئی۔

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ لڑکیوں کو مولوی صاحب نے خود کوشش کر کے گستاخ کر لیا تھا اس لیے انھیں بھی کوئی بات کہنے میں باک نہ ہوتا تھا۔ ایک کہنے لگی "دولھا بھائی آپ بیٹھے رہیے۔ حسینہ کو سونے دیجیے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ہم لوگ تماشا نہ دیکھیں"

مولوی صاحب۔ تماشا کیسا۔

لڑکی۔ یہی کہ آپ جھوم رہے ہیں۔

یہ بات مولوی صاحب کو بہت ناگوار ہوئی۔ کہنے لگے "تم لوگ بہت بیباک ہو گئے ہو" یہ جملہ کچھ ایسی نیلی پیلی آنکھیں دکھا کے کہا کہ لڑکیاں ڈر گئیں اور فوراً ایک خاموشی پوری صحبت پر طاری ہو گئی۔

اس واقعہ کے بعد سے مولوی صاحب نے لڑکیوں سے ہنسنا بولنا ترک کر دیا اور ان کی زیادہ آمد و رفت کو بھی اچھی نظر سے وہ نہیں دیکھتے تھے مگر بیوی کی خاطر سے کچھ کہتے نہ تھے۔ بیوی کے دل پر اس واقعہ کا اثر گہرا نہ تھا اس نے اس کو معمولی بات سمجھا۔ لڑکیاں بھی کچھ دنوں بعد بھول گئیں بلکہ ایک طور پر تو خوش ہوئیں کہ ان کی صحبت زیادہ آزاد اور زیادہ بے رنگ ہو گئی مولوی صاحب کی شرکت سے سب کے دل جیسا کہ پاپنے تھیں کھلتے تھے حسینہ کو

اس کا خیال تک نہ گذرا کہ یہ بظاہر حقیر واقعہ اُس کی اور اُس کے شوہر کی باہمی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے والا بن جائے گا۔

دو سال تو اس نئے رنگ میں کٹ چکے تھے۔ ایک سال اور بھی اسی رنگ میں کسی نہ کسی طرح گذرا۔ مگر پہلے دو سال عروج کے تھے تیسرا سال زوال کا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ طبیعت کے خلاف باتیں برداشت تو کی گئیں مگر جبر و اکراہ کے ساتھ۔ اس سال بیوی کو بعض باتوں پر چشم نمائی بھی کی گئی۔ اسکی دل کی خوشی میں رکاوٹیں بھی پیدا کی گئیں۔ اور بھی طرح طرح کی باتیں ظاہر ہوئیں جن سے رنگ غیر حقیقی کے زائل ہونے کے آثار نمایاں تھے۔ اس پچھلے سال میں وی حصہ میں ایک ایسی چیز کا اضافہ ہوا جو اس سے پیشتر ان کی طبیعت میں نہ تھی یا کم سے کم نمایاں نہ تھی۔ وہ کسی جوان مرد کی صورت بغیر دلی تکلیف کے نہیں دیکھ سکتے تھے صرف یہی نہیں بلکہ کوئی جوان بیوی اپنے میاں کا ذکر تعریف کے ساتھ کرے تو انھیں ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ بلقیس سے وہ اسی وجہ سے ناخوش تھے کہ وہ اپنے شوہر اکبر کا ذکر حسینہ سے بہت زیادہ کرتی تھی۔ بلقیس نئے زمانہ کی جوان عورت تھی۔ اس میں نئے زمانہ کی خوبیاں بدرجۂ کمال موجود تھیں لیکن شوہر کے اثر سے وہ خوبیاں اپنی اصلی صورت میں بہت کم ظاہر ہونے پاتی تھیں۔ اکبر علیگڈھ ہی دور کا نوجوان تھا۔ علیگڈھ ہی دور سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا آغاز علیگڈھ کالج کے افتتاح کے وقت سے ہوا۔ اور جو انشاء اللہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ اس دور کی پیداوار وہ اصحاب ہیں جو ترقی انسانی کا معیار یہ سمجھتے ہیں کہ بہت سا روپیہ کمائیں صرف اس واسطے کہ انگریز بننے میں سہولت ہو۔ اس دور کو انگریزیت پرست دور کہا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔

اس دور کے خصوصیات عجیب و غریب ہیں مثلاً ایک یہ کہ اچھے کام بُری غرض

کے واسطے کیے جاتے ہیں۔ تعلیم اس واسطے حاصل کی جاتی ہے کہ انگریز تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اگر تعلیم نہ حاصل کریں گے تو انگریزوں کے ایسے نہ ہونگے۔ جسمانی ورزش کھیل کود و شکار اس لیے مرغوب ہے کہ انگریز اس پر جان دیتے ہیں۔ قومی ترقی کے کاموں میں شرکت کا شوق اس لیے ہے کہ انگریز محب وطن اور شیدائے قوم ہوا کرتے ہیں۔ غرض کہ جو تحریک اور جو کام ہے وہ صرف اس لیے کہ انگریزیت اس میں ہے۔ اکبر اپنے ہم زمانہ لوگوں کی طرح چھچھورہ آدمی تھا مگر ڈیسنٹ اور خوبصورت۔ اس کے دماغ میں عمق نہ تھا۔ اچھائی برائی یا خوبصورتی بدصورتی کا خیال اسکے دماغ میں اپنا ذاتی نہ تھا۔ جو انگریزوں یا انگریز نما ہندوستانیوں کا خیال تھا وہ ہی اس کا بھی تھا۔ بیوی اسکو پسند کرتی تھی مگر دل سے قدر نہیں کرتی تھی۔ مولوی فرید الدین میں اگرچہ اعلےٰ دماغی شائستگی نہ تھی لیکن چھچھورا پن اور مصنوعی بے مزہ انگریزیت نہ تھی۔

اکبر سے وہ بیزار اسلیے تھے کہ وہ جوان اور خوبصورت آدمی تھا اور اسکی بیوی اسکو چاہتی تھی مگر ظاہر یہ کرتے تھے کہ وہ اس وجہ سے اُسے پسند نہیں کرتے کہ وہ چھچھورا ہے اور انگریز نہیں بنتا ہے۔ اس کی ہر بات انھیں بُری معلوم ہوتی تھی اور دلی خواہش یہ تھی کہ وہ گھر میں نہ آیا کرے۔ مگر مجبور تھے ان کی حقیقی بہن کا بیٹا تھا اور اس نئی شادی سے پیشتر وہ اس کو چاہتے بھی تھے۔ اس کا باپ بھی بڑے درجہ کا آدمی تھا۔ ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر ایک ریاست میں وزارت کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اکبر اپنے ماموں کے گھر میں جا کر حسب معمول شیخی کی باتیں کیا کرتا تھا ایسی جو عام طور پر عورتوں کو پسند ہوا کرتی ہیں مثلاً یہ کہ میری بیوی نے ایک پارٹی دی جس میں بڑی بڑی میمیں آئیں۔ فلاں انگریز میرا دوست ہے اس کی بیوی نے انگریز میمیں بھیجیں۔ میں نے اپنی بیوی کے واسطے ایک موٹر کار لے دی ہے۔

میرا تو دل چاہتا ہے کہ وہ خود چلایا کریں جبتک شام کو میاں بیوی ہوا خوری کے واسطے نہ نکلیں اس وقت تک زندگی کا لطف نہیں ہے۔ میں تو اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ پردہ کی رسم کو ترک کریں۔ اس پردہ کی وجہ سے مجھے اپنے انگریز دوستوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔ حسینہ ان لطف کی باتوں سے مسرور ہوتی تھی۔ ہر جوان عورت مزے دار زندگی کو پسند کرتی ہے۔ ایک روز اکبر اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ مولوی صاحب دوسرے کمرہ میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے۔ ان باتوں سے دل ہی دل میں جل رہے تھے۔ میاں اکبر زوروں میں جو آئے تو کہنے لگے کہ ان ہڈھوں کی وجہ سے ترقی نہیں ہو سکتی" مولوی صاحب سے اب صبر نہ ہو سکا یہ سنتے ہی شاگرد سے باہر نکل آئے اور اپنے اصلی غصہ کے چہرہ کی جھلک دکھائی اور کہنے لگے "تم نالائقوں کا اگر بس چلے تو اپنی بہنوں اور بیویوں کو انگریزوں کے سپرد کر دو کہ اپنی نعلوں میں گھومیں اکبر ساموں جان تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔

مولوی صاحب "بھئی تم میرے گھر میں ایسی بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں نہ کیا کرو"

اکبر۔ خفگی اور غصہ کی تو دوسری بات ہے کوئی عقلی وجہ تو اسکے خلاف مجھے نظر نہیں آتی۔

مولوی صاحب۔ تو جیسات عقلی کا مصرف صرف قانون لگان اور تعزیرات ہند میں ضروری سمجھتے تھے۔ گھریلو زندگی اور معاشرتی مسائل میں اس کی ضرورت کبھی انھیں محسوس نہیں ہوئی تھی اس لیے اکبر کا مقابلہ نہ کر سکے حالانکہ اکبر کے دلائل زیادہ مستحکم نہ تھے۔ مجبور ہو کر انھوں نے اپنے کہے ہوئے جملہ کو دہرایا کہ "میرے گھر میں ایسی بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں نہ کیا کرو"

اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ تمہارا طرز عمل عقلی طور پر کتنا ہی ٹھیک ہو لیکن میں اُسے نہایت درجہ ناپاک اور شرمناک سمجھتا ہوں۔

اکبر۔ یہ تو جناب، موں صاحب قبلہ ایک شریف آدمی کو اپنے گھر میں ذلیل کرنا ہے۔ انگریزوں میں کوئی شخص ایسی بات کسی کی بابت کہدے تو ریوالور نکل آئیں۔

مولوی صاحب۔ میں تو آپ جانتے ہیں کہ انگریز نہیں ہوں اور نہ آپ کو انگریز سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہو گیا آیندہ سے احتیاط کروں گا۔

(باقی آیندہ) عبدالوالی

"دیکھنا نہیں چاہیئے"

تقریباً آج سے آٹھ سال قبل رسالہ مخزن میں بہ عنوان "آہ یہ نظرین" ایک مضمون ہماری نظر سے گذرا۔ مضمون کیا تھا بچتے انگارہ دہکا ایک انبار تھا جس کے بھڑکتے شعلوں نے ایک نہیں کئی بیسیوں نہیں سینکڑوں مظلوم و معصوم سچے محبت بھرے دلوں کو جلایا تھا۔ اُف اُف اس وقت کا اندازہ اب نہیں ہو سکتا کہ اُس تحریر کے ایک ایک فقرے بلکہ ایک ایک لفظ نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ تپش وہ سوزش وہ بیچینی و لاعلاج درد پیدا کر دیا تھا جس سے بیتاب ہو ہو کر ان یلدرموں (مردوں) نہیں اپنے باپ بھائی بیٹوں کیلئے دعائے سلامتی و خیر منگوائی تھی۔ بیقرار و مضطرب ہو ہو کر شادی شدہ بیبیوں نے اپنے شوہروں (اس لئے کہ عام طور پر ہندوستانی مردوں کی اخلاقی حالت بہت ہی ابتر و قابل نفرین ہو رہی ہے جس سے سینکڑوں ہزاروں گھر دوزخ کا نمونہ بن رہے ہیں)

کو کوسا نہیں ان کے حق میں بددعا نہیں کی بلکہ اپنے ساتھ محبت کی دعائیں کرائیں اور اپنی قابل افسوس و ترحم حالت پر آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا۔ کیونکہ تقریباً سب ہی عفت مآب و جاں نثار بیبیاں اس ظلم کا شکار ہو رہی ہیں۔ اس تحریر نے اون کے پکے ہوئے دلوں کو ٹھیس لگا دی تھی ان کے زخموں پر نمک پاشی کی تھی زیادہ یوں کہ ہم اعلےٰ تعلیم پھیلنے سے خوش ہو رہی تھیں کہ اب ہمارے دن پھریں گے۔ تعلیم یافتہ ہو کر ہماری قسمتوں کے مالک ہمارے حقوق ادا کرنے لگیں گے۔ ہماری محبت سچی وفاداری و ثابت قدمی ہمدردی و جان نثاری کی قدر کرکے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دینگے ہم تو یہ خوشیاں منا رہے تھے کہ آہ اپریل ۹ء کے رسالہ مخزن نے ہمارے پر حسرت و پر امید دلوں کی تمناؤں کو یاس سے بدل دیا۔ اور ہمیں سمجھ لینا پڑا کہ آج سے پچاس سال قبل جو حالت تھی وہی ہے اور آئندہ رہیگی۔ اعلےٰ تعلیم کی روشنی سے ملک منور ہو جائیگا۔ جہالت کی گھٹا ہندوستان سے ہٹ جائیگی۔ مگر آہ ہمارے بخت سیاہ کی ظلمت نہ ہٹیگی نہ ہٹیگی۔ کیونکہ آجکل کے یلدرم کوئی کم عقل جاہل نہیں ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ سمجھدار روشن دماغ۔ زمانہ شناس رفیق مران قوم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ جس یلدرم کی نگارش قلم نے اک قتالہ عالم کی تعریف کی ہو وہ بھی کوئی اعلےٰ تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی دقیق تحریر اس کی قابلیت علمی و شاعرانہ مذاق کا بھی اظہار کرتی ہے۔ خدا یہ اوس کو ایک محبت سے لبریز محبت کا قدردان و سچا چاہنے والا دل عطا کیا ہے۔ (اے کاش یہ کیمیا عصمت مآب خرشتہ خصلت کو چاہتا) مگر افسوس کہ ملک کی بگڑی ہوئی اخلاقی حالت نے اوسے بھی آلائش زمانہ سے پاک و صاف نہ رہنے دیا۔ وہ معصومیت کا قدردان ہوا ساتھ ہی گانے والی پر عاشق۔ وہ خود اچھے برے کو سمجھتا اور ہر طرح کی تمیز کر سکتا ہے مگر دل سے بے قابو ہے۔ یہ سوچ سوچ کر ہم اس مضمون کی پڑھنے والیاں خوب

روئیں۔ شاید پوچھا جائے کہ تم کیوں روئیں؟ روئے تو اس کی بیوی۔ اوروں کو کیا؟ یہ درست۔ مگر ہم سب یوں روئیں کہ یہ نمونہ ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ گروہ کا۔ نمونہ نظیر ہے تعلیم پاکر بھی نہ سنبھلنے والے سنگدل و بے سمجھ ہمارے قسمت کے مالونکی۔ اب ہم کیا امید باندھیں؟ اور کسی اچھے آنے والے زمانہ کا انتظار کریں؟ آہ ظلم کی بھی ایک حد ہے صبر کا بھی ایک وقت۔ ہم کب تک صبر کریں؟ صبر کے بعد آخر کیا ہے؟ قبر۔ ہم اس لئے روئیں۔ اس لئے بیقرار و مضطرب الحال ہوئیں تھیں کہ اس تحریر نے ہمارے پر امید دلوں کو پامال کر دیا تھا۔

اس مضمون کے کچھ عرصہ بعد "مجھے دیکھا کیوں" کے ہیڈنگ سے ایک اور آرٹیکل نکلا۔ اس کو بھی ہم سب نے لکھنے والے کے حق میں دعائے خیر کرکے پڑھا اور چپ ہورہیں۔ یوں تو ہماری دعائیں بے اثر و آہیں نارسا ہیں ہی۔ مگر خدا نے اس دنیا سے حق و انصاف کو ابھی بالکل نہیں اٹھالیا۔ یوں تو ہزاروں لاکھوں یلدرم کے ہمخیال و ہم مشرب اشخاص ہیں لیکن حق و انصاف بھی ابھی ناپید نہیں ہوگیا ہے۔ اس بگڑے و راہ راست سے بھٹکے ہوئے مردوں کے غول میں کچھ راست گو و حق پسند منصف مزاج انسان بھی موجود ہیں۔ خدا عمر نوح عطا کرے اور ترقی درجات دے ہمارے خیرخواہ بھائی "رجائی" کو جس نے یہ جتادیا کہ ابھی ایمان دنیا میں باقی ہے پورے آٹھ سال بعد آج رسالہ تمدن میں ہمیں وہ تحریر دیکھنے کو ملی جس نے کچلے ہوئے مجروح دل کے زخموں پر مرہم کا کام دیا۔

اس وقت سینکڑوں نہیں ہزاروں مظلوم دلوں کی دعائیں نکلیں اس ایماندار خوش اخلاق نیک دل کے بندے رجائی کے حق میں جس نے جانی نہیں روحانی دشمن مُعَیّنہ نہیں لیکن کے حسن و اخلاق و کمال موسیقی پر بہت اچھا اور مناسب حال ریویو کرکے اپنی صدہا مظلوم بہنوں کا زیر بار احسان کیا ہے۔ آہ ہم مر رہے ہیں تباہ ہورہے

ہیں ہماری دولت جس کے ہم حقیقی مالک ہیں۔ ناحق اُسی گروہ بازاری کے ناجائز مصرف میں آرہی ہے۔ وہ دل جن میں ہماری محبت بھری ہونی چاہئے تھی۔ اُن کی ناپاک الفت سے لبریز ہو رہے ہیں۔ ایک نیک سچی چاہنے والی جان دیتی ہے۔ جس کی پرواہ نہیں اور اور ایک بدکردار بے وفا قطامہ کے قدموں پر سر رکھتے ہیں۔ اچھی سے اچھی نیک بخت وفادار حسن کی دیویاں بیٹھی رو رہی ہیں ✦

سلگ سلگ کر زندگی کاٹتی ہیں۔ اور شوہر بے حیا بے وفا طالب زر بعورتونکے دام فریب میں گرفتار ہیں۔ اس مصیبت کا اندازہ ایک مرد کا دل نہیں کرسکتا لیکن ایک پتھر سے پتھر دل کافر سینہ عورت ہی بخوبی کرسکتی ہے ✦

عزیز بھائی "رجالی" خدا نے تم کو ایک عورت کا دل دیا ہے تم اپنی بہنوں کے حق میں فرشتۂ رحمت ہو۔ مگر مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے اُس بدکردار مغنیہ کے جواب میں تم نے کہا ہے "ہاں دیکھا" یہ ٹھیک نہیں۔ اس جواب سے ایک طرح کی ڈھٹائی و بیحیائی پائی جاتی ہے۔ گو مرد کی دیدہ دلیری و بے شرمی کو رواج دے لینے سے ناشائستہ و ناجائز کام مردوں کے لئے اسقدر معیوب نہیں خیال کئے جاتے جسقدر کہ عورت کیلئے لیکن اگر غور کرو تو شرعاً مرد کو بھی ویسا ہی باعصمت اور نیک چلن رہنا لازمی ہے جیسے عورت کو۔ مگر چونکہ تمہارے فرقے میں پردہ لازمی نہیں ہے اس لئے زیادہ بیحجابی و بیباکی و خودمختاری سے فرقۂ مذکور میں زیادہ عیوب کا دخل ہوگیا۔ اور وہ اسقدر عام ہوا کہ ذرا معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔ ہاں مردوں نے اپنی خودمختاری سے اسقدر ناجائز فائدہ اٹھایا کہ بیچاری اپنی دست نگر و محکوم عورت کو بالکل ناحق کردیا۔ اور اب یہ زور و ظلم ہے کہ "ہم برا کریں تو تم برا نہ مانو ہم ماریں تم اُف نہ کرو" غیر عورت نے سہا اور سہیگی۔ مگر نصیحت کرنے والوں کو تو وہی ہمجھانا اور بتانا چاہئے جو خدا اور رسول کریم نے فرمایا ہے بھائی "رجالی" بجائے اس کے کہ تم نے "ہاں دیکھا" لکھا "دیکھنا نہیں چاہئے"

کی نصیحت کرنی چاہئے تھی۔ بُرے کاموں میں پھنسکر نیک رہنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے تاج۔ مجرے کے بُرے نتائج کی سینکڑوں تباہ شدہ مثالیں نظر آتی ہیں ✦

جس گھر کے وارث نے اس کوچہ پر باد گرمیں قدم رکھا اُس کا گھر ویراں اور بال بچے تباہ ہوئے۔ اس قسم کے عبرتناک حالات کا مفصل بیان کرنا فضول طوالت ہوگی سب جانتے ہیں۔ وعظ کرنیوالوں کو یہ منادی کرنی چاہئے کہ ناچ اور ناچنے والی کو دیکھنا جیسے شرعاً حرام ہے۔ ویسے ہی تعلیم یافتہ۔ مہذب۔ مروّ بھی خلاف تہذیب و عقل خیال کرکے ناجائز قرار دے لیں۔ نہ اُس دشمن ایمان فرقہ کی ہوش رُبا و دلفریب شکلیں دیکھیں اور نہ ان کی سحر آفرین آواز سنیں۔ تب تو اس بلائے بے درمان کے زخم وہ پنجوں سے ہماری جانیں بچسکتی ہیں۔ اور تمہاری صحت و دولت و عقل محفوظ۔ ورنہ کسی طرح ممکن نہیں۔ کیا دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ ایک نیا گھر بنتا ہوا اُجڑا یعنی اس کی سچی خوشی کھوئی گئی۔ دُلہن دولھا میں اول دن سے نفاق پیدا ہوا۔ وجہ یہی کہ شادی میں تباہ کن پابندی کے خیال سے ناچ رنگ ہوا۔ قرض لیکر بڑی بڑی نامی اچھی گانیوالیاں بلائی گئیں۔ جن کے دام تدبیر میں اور تو اور خود نوشہ ہی گرفتار ہوگئے۔ اور دُلہن بیچاری کے اول دن سے دشمن ✦

اسی طرح کے سچے چشم دید واقعات لکھنے کو تو اتنے ہیں کہ ایک مدلل کتاب بنجائے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ملکی و قومی بہبودی و سرسبزی کیلئے جہاں اور لاکھوں تدبیریں کی جارہی ہیں۔ سب نامکمل رہینگی جبتک کہ سب سے اول قوم کے اخلاق نہ سدھارے جائینگے ہمارے مردوں کی اخلاقی حالت سخت قابل افسوس و ملامت ہے۔ کتنی ہی کانفرنسیں بنیں اور دنیا بھر کی اصلاحیں کریں کوئی کارگر نہوگی۔ اب سے کچھ عرصہ پیشتر "صیغۂ اصلاح تمدن" قایم ہوجانے سے ہم نے ایک اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اور پھر اپنے اچھے دنوں کی امید لگائی تھی۔ مگر کوئی کیا کرسکتا ہے۔ جبتک ہمارے بختوں کی سیاہی نہ مٹے۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ شعبۂ کانفرنس بھی نیست و نابود ہوگیا جس سے ہمارے

ناتوان دل بالکل ہی ٹوٹ گئے۔ اب نہ اس اصلاح کے لئے کوئی انجمن ہے نہ کوئی اسکا مخالف فرقہ۔ بعض آدمی اپنے تئیں ریفارمر قوم ثابت کرنے کے لئے اپنے یہاں کی تقریب شادی پر ناچ رنگ نہ کرکے اس کی اطلاع اخبارات میں دیکر تعریف کے مستحق ہوجاتے ہیں لیکن انہیں اصحاب کے متعلق پھر یہ سننے میں آجاتا ہے کہ پرائیویٹ دعوت میں بے تکلف دوستوں کے لئے خفیہ طور پر ناچ و مجرا کرایا گیا۔ افسوس ہے ہماری حالت پر۔ جس قوم کا اخلاق اسقدر بودا ہوگا۔ اس نے کب ترقی کی۔ اے ریفارمرانِ قوم آپ پہلے ہم بے زبانوں کی سنو اور سب سے اول اس کا انسداد کرو۔ اگر یہ کہا جائے کہ قوم موسیقی کی زیادہ شایق ہوگئی ہے تو اس کی طرف بھی خاص توجہ کرو۔ اور مثل دیگر ترقی یافتہ اقوام کے اپنے گھروں میں اس فن لطیف کو رواج دو۔ علم موسیقی جیسی قابل قدر شئے کی کیسا ذلت ہورہی ہے۔ وہ ایک رذیل خلائق و قابل لعنت فرقہ کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے۔ یہ انتظام ہونا چاہئے کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اپنی بہنوں بیٹیوں کا علم موسیقی میں بھی دخل ہو۔ وہ اسکولوں میں اور گھروں پر ہارمونیم و ستار اور پیانو وغیرہ بجانا سیکھیں جس سے بعد بیوی بننے کے اپنے موسیقی کے فدائی شوہروں کو محظوظ کرسکیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرز عمل سے بہت کچھ فائدہ ہوگا +

بھائی رجائی آپ اس سبجکٹ پر خامہ فرسائی جاری رکھیں۔ اور دیگر ناظرین تمدن سے رائے لیں۔ گو بہت کچھ آپ کی مخالفت ہوگی۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ موافق بھی نکل آئیگا۔

اس سلسلہ کا نفسی مضمون ناچ۔ مجرے کی برائی اور اس کا نتیجہ ہونا چاہئے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ میں اس دعا پر ختم کرتی ہوں۔ فقط

خاکسار
عظمت آرا بیگم

نشاط

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

شام کو جب میں تھیٹر گیا میں نے دیکھا ایک ذلیل ڈرامہ میں میرے چہرہ کو تک رہا ہے۔ ادھم تم جانتے ہو کہ کیا تماشا تھا؟

ادھم۔ رہا ہوگا خوبصورت بلایا دل فروش وغیرہ۔

نشاط۔ نہیں۔ رومیو۔ اور جولیٹ کا تماشا تھا۔ مجھکو یہ دیکھکر سخت تکلیف ہوئی کہ شکسپیر کا بہترین پلے ایسے ذلیل تھیٹر میں ایکٹ کیا جانے والا ہے۔ تاہم مجھکو کچھ نہ کچھ دلچسپی تھی۔ بہرحال میں نے پہلے ایکٹ تک بیٹھنے کا ارادہ کر لیا۔ پیا تو نہایت ذلیل۔ سینری نہایت مبتذل تھی۔ رومیو ایک بھدا۔ بدنظر اور کبیر السن شخص تھا لیکن جولیٹ۔ ہائے تصور کرو۔ ایک لڑکی بہ مشکل ہیزدہ سالہ مع اپنے چہرہ گلگوں۔ اپنے رخسار رنگیں اور اپنے طرہ ہائے زلف سیاہ کے۔ اس کی آنکھیں سرچشمہ تنویر۔ اسکے لب برگہائے نازک گل۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسی خوشنما اور حسین چیز نہیں دیکھی۔ تم نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ سوز و گداز سے تم شناسا نہیں ہوتے۔ لیکن وہ حسن۔ وہ حسن محض تمہاری آنکھوں کو پرنم کر دینے کیلئے کافی تھا۔ ادھم میں اس لڑکی کو دو فراسک کی وجہ سے بہ مشکل دیکھ سکا۔ اور اس کی آواز:۔ میں نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی۔ وہ آواز پہلے پست و مفرور تھی۔ رفتہ رفتہ بلند اور مرکب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نغمۂ ترنم سے لبریز ہو کر صدائے چنگ سے مشابہ معلوم ہوتی تھی۔ اسمیں اس تمام وجد آفرین کی کیفیت تھی جو سپیدۂ صبح کے قبل نغمۂ عندلیب میں ہوتا ہے۔ ادھم تم جانتے ہو آواز انسان کو کیونکر بیقرار کر سکتی ہے۔ تمہاری آواز اور سلمے کی آواز۔ یہ دو چیزیں ہیں جو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ جب میں آنکھ بند کرتا ہوں۔

دونوں آوازیں سنتا ہوں لیکن ہر ایک کا موضوع ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کی تقلید کروں۔ میں اسے کیوں نہ چاہوں۔ ادھم میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ مرے لئے ماحصل حیات ہے۔ ہر شب کو میں اس کا پارٹ دیکھنے کے لئے جاتا ہوں۔ ایک دن وہ روز الائنڈ (Rosalind) ہے۔ دوسری شام کو (Imogen) میں نے اس کو اپنے عاشق کے لبوں سے زہر چوستے اور آلی کے ایک مقبرہ تاریک میں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اس کو امرد حسین کے لباس میں صحرائے Ardenne میں سرگردان و پریشان پھرتے ہوئے پایا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ معصوم ہے لیکن دست سیاہ رقابت نے اسکے گلوئے بیدآسا کو دبا کر اسے مارڈالا ہے۔ غرضکہ میں نے اسکو ہر زنانہ اور ہر لباس میں دیکھا ہے۔ معمولی عورتیں تخیل کو مسخر نہیں کر سکتیں۔ وہ اپنی صدی تک محدود ہیں۔ کوئی صیقل الکو لباس واقعیت سے معرا اور زیور انسانیت سے مزین نہیں کر سکتا۔ انکی حقیقت کا انکشاف آسانی سے ہو سکتا ہے۔ انمیں کوئی راز نہیں ہوتا۔ انکا تبسم رسمی۔ پنجہ۔ انکے آداب مکلف وغیرتغیر۔ وہ بالکل مری وغیر نہاں ہوتی ہیں۔ لیکن ایک ایکٹرس! وہ کتنی مختلف ہوتی ہے۔ ادھم تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز دیکھنے کی قابل ہے تو وہ صرف ایک ایکٹرس ہے۔

ادھم۔ کیونکہ میں ان میں سے اکثروں سے محبت کر چکا ہوں۔

نشاط۔ جی ہاں آپکی موضوع محبت معلوم۔ خواتین مہیب مع اپنی رنگی ہوئے بالوں اور غازہ مالیدہ چہرونکے

ادھم۔ رنگے ہوئے بالوں اور غازہ مالیدہ چہرونکو خود ذلیل نہ سمجھو۔ بعض اوقات انمیں ایک غیر معمولی تسخیر ہوتی ہے۔

نشاط۔ کاش سلمیٰ کے متعلق میں نے تم سے کچھ نہ کہا ہوتا۔

ادھم۔ تم مجھسے کہو بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے تھے۔ نشاط تمام عمر میں جو کچھ تم کروگے مجھسے ضرور کہوگے۔

نشاط۔ ہاں ادھم یہ تو سچ کہتے ہو۔ میں تمسے کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھ پر تمہارا ایک عجیب اثر ہے۔ اگر میں کبھی کسی جرم کا ارتکاب کیا تو بھی میں یقیناً آوونگا اور تم سے اقبال کرونگا۔

ادھم۔ تمہارے جیسے لوگ۔ آفتاب حیات کی انظراری شعاعیں۔ ارتکاب جرم نہیں کرتے لیکن

باوجود اسکے میں تمہاری اس تعریف کا مشکور ہوں۔ میں سمجھتا ہوں سلمیٰ کسی نہ کسی دن تمہاری ہو رہیگی جب کوئی شخص محبت کرتا ہے تو ابتدا میں خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے آخر کار دوسرے بھی اس دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ یہ ہے جس کو دنیا انسانہ کہتی ہے۔ بہرحال تم سلمیٰ کو خوب جانتے ہو۔

نشاط۔ بیشک میں سلمیٰ کو خوب جانتا ہوں پہلی شب کو جب میں تھیٹر گیا۔ وہی ہیئت ناک بڑھاپہ وہی تماشا۔ تم سے کے بعد میرے پاس آیا اور کہا کہ چلئے سلمیٰ سے آپکا تعارف کرادوں میں اس سے بیحد نادم ہوا اور کہا کہ سلمیٰ تو تمیں ہوئیں مرچکی اور مدموزیل کی سنگ مرمر کے مقبرہ میں مدفون ہو چکی ہے۔ اسکی سادہ نگاہ تحیر سے مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ شاید یہ سمجھا کہ میں آج شراب حد سے زائد پی گیا۔ تب اسنے مجھسے پوچھا جناب آپ اخباروں میں کبھی کتبے نہیں دیکھا۔ میں نے کہا نہیں کبھی اخبار پڑھا ہی نہیں۔ یہ سنکر وہ بیحد مایوس ہوا اور مجھے بصیغۂ راز کہنے لگا کہ تمامی ناقدین فن ڈرامانے میرے خلاف اک سازش کرلی ہے انکو کسی نہ کسی طریقہ سے توڑنا چاہیئے۔ اسمیں مجھکو اسکی صحت بیان میں فی الحال شک نہیں لیکن بے اسکے اگر ان ناقدین کے قیافہ سے اندازہ کیا جائے تو ان میں سے اکثر ارزان ثابت ہونگے۔

نشاط۔ یہ سنکر وہ یہ سمجھتا تھا کہ انکی قیمت اس کی حیثیت سے زائد ہے۔

اب اسوقت تھیٹر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ اُسنے کچھ سگار پیش کئے لیکن میں نے لینے سے انکار کیا۔ دوسری دن میں پھر تھیٹر پہنچا جیسے ہی مجھکو دیکھا اسنے مجھکو سلام کیا اور کہنے لگا کہ جناب آپ فنون لطیفہ کے نہایت فیاض و فراخدل مربی ہیں۔

اب تیسری شب آئی سلمیٰ Rosalind کا پارٹ پلے کر رہی تھی میں داخل ہوگیا اور کچھ پھول اسکی طرف پھینکے اس نے میری طرف دیکھا۔ یکدم مجھے یہ خیال کیا کہ اسنے دیکھا۔ یہودی بیحد مصر تھا۔ وہ اسپر تلا ہوا تھا کہ مجھکو پس پردہ لیجائے۔ آخر کار میں راضی ہوگیا۔ سلمیٰ ہائے وہ کوئی شعر پڑھ رہی تھی اسمیں ایک رکن بھی تھا جسپر جب مجھنے اسکے پارٹ کو متعلق اس سے باتیں شروع کیں اسکی آنکھیں تحیر و لیاقت سے ساتھ وا ہوگئیں۔ وہ اپنی استعداد سے بالکل ناواقف تھی ہم دونوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ تھی۔ یہودی دروازہ پر کھڑا ہوا پہرہ دیتا تھا۔ ہم فنون کھڑے ہوئے بچوں کی طرح ایکدوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ مجھکو باصرار "راجہ صاحب" کہتا تھا مجھکو مجبوراً سلمیٰ سے کہنا

پڑا کہیں راجہ یا اس قسم کی کوئی چیز ہرگز نہیں ہوں۔ اُسنے مجھ سے نہایت بھولے پن کے ساتھ کہا۔ آپ تو شاہزادہ معلوم ہوتے ہیں میں آپ کو شاہزادہ جاز بیت کیوں نہ کہوں۔

اوہم۔ سیلی خوب جانتی ہے کہ ستائش کیونکر کی جاتی ہے۔

نشاط۔ اوہم تم اسکو نہیں سمجھتے ہو اسنے مجھکو ذرا سا کا ایک کیریکٹر تصور کیا۔ وہ زندگی کو متعلق کچھ نہیں جانتی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسکی ماں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اچھے دن دیکھے ہیں۔ یہودی مجھ سے اسکی ماں کی تاریخ بیان کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے یہ کہکر روکدیا کہ مجھکو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اوہم۔ تمنے خوب کیا۔ دوسروں کی داستان غم میں کوئی نہ کوئی شے ہمیشہ انتہائی کمینہ پن کی ہوتی ہے۔

نشاط۔ مجھکو صرف سیلی کی ذات سے سروکار ہے۔ اس سے کیا غرض کہ اسکا سلسلہ نسب کیسا ہے۔ از سر تا پا وہ اکمل حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہے میں اسکو ہر شب دیکھنے جاتا ہوں لیکن ہر روز اسکا حسن پہلے سے بہتر نظر آتا ہے۔ مجھکو یہ کہکر چھیڑا نہ کرو کہ میں شعر پڑھا ہوں اور وجد کرتا ہوں۔ شعر اور وجد تو تب ہوتا جب کہ میں اسکو دیکھتا اور وہ مجھکو نہ دیکھتی۔ یا آنکھ سے اوجھل ہوتی۔ مگر یہاں تو ہر شب اسکا حسن پہلے سے بہتر نظر آتا ہے۔

اوہم۔ تو یہ جو ہر شب کھانا کھل آپ میرے ساتھ کھانا نہیں کھاتے لیکن یہ بھی میرے حسب توقعات ہرگز نہیں ہے۔ اچھا نشاط آج تم میرے ساتھ کھانا ضرور کھانا نشاط۔ سوا کہ آجکی رات وہ Night ہے اور کل وہ بوٹ ہوگی۔ اوہم۔ اور سیلی وہ کب ہوگی۔ نشاط کبھی نہیں۔ اوہم میں تمکو مبارکباد دیتا ہوں۔

نشاط۔ تم کیسے بیرحم ہو۔ وہ تمام مجسمان عالم کو اپنی ذات احد میں مجتمع کرتی ہے۔ وہ ایک ہستی منفرد ہے کہیں نہ یا وہ ہو تم جو ہستیوں کو میں تمسے کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ وہ ذہن مجسم ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اسکو بھی مجھ سے محبت کرنا پڑیگا تم جو تمامی اسرار حیات سے واقف ہو مجھکو بتادو کہ سیلی کو میں کیونکر حاصل کرسکتا ہوں پس میں اس لیلیٰ خیالی کی محبت میں کامیاب ہوکر قیس عامر کر آتش حسد سے جلانا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ عالم کے تمام استعداد جو آج ہمارے خون کے شیر کر سکیں اور سکے لول مضطرب ہوں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرے اس نغمہ کا ایک نفس انکی استخوان رحیم میں ادراک پیدا کردے اور انکی خاکستر خوابیدہ کو احساس الم سے بیدار کردے۔ اوہم میں اسے سمجھ چاہتا ہوں۔ میں تو اسکی پرستش کرتا ہوں۔

نشاط۔ تمام کمرہ میں اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا اسکے رخسار سرخ تھے۔ اسکو قیامت کا جوش تھا۔

خفی کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا نشاط اب کتنا مختلف ہے اس شرمیلے خوف زدہ لڑکے سے جس سے بارہ دن کے تصویر خانہ میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اسکی طبیعت نخل گلاب کی طرح شگفتہ ہو گئی تھی اور شعلہ ابھر کی مانند کوہلیں پھوٹ رہی تھیں ✤ (باقی وارد) آرلسٹ

غزلیات

حضرت حسرت موہانی

ہم پر تیری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں
بھی نہ آگے چل کے ہو تو عجب نہیں

صادق نہیں وہ عشق جسے ازر و نیاز
طور ناز سن کا پاس ادب نہیں

تھے سب کہ دل پزیر محبت کے واقعات
کچھ کچھ وہ اب بھی یاد ہیں مجھکو سب نہیں

سرور یادبار ہے کیا تیری سادگی
ایدل بہ شام ہجر ہو عشرت کی شب نہیں

کیونکر کہوں نہیں اونھیں پروائے ماہ غاں
کیا حسن ہو شناں بھی تمنا طلب نہیں

کیوں عشق میں ابھی سے نہ جائیں ہم فنا
کیا جانتے کہ موت کب آتی ہو کب نہیں

حسرت جفائے یار تو اکسر تمام تھی ادا
اظہار التفات مگر بے سبب نہیں

حضرت یگانہ شاہجہانپوری

مجرم عشق ہے دل اس کو پشیمانی ہے
اب کچھ نہ سمجھے تو یہ نادانی ہے

چارہ گر حاصل تدبیر پشیمانی ہے
دل بنجا یہ اب پریشانی ہے

اک مصیبت ہو محبت میں تو روئیں اسکو
باز آئے جو ستم سے تو پشیمانی ہے

تم سمجھتے ہو کہ سجدوں کے نشاں ہیں پر پر
بگڑے ہے حرف ہیں یہ میرا خط پیشانی ہے

کیوں وہ کعبے میں مصروف تماشا نہ رہیں
جنبش موج نگہ برق کی جولانی ہے

کیا نئی طرح چراغاں ہے مری بزم خیال
دل کا جو داغ ہے اک چہرۂ نورانی ہے

ہو گیا چارہ گروں کو بھی جنوں کیا کہئے
اسکی زلفوں کا تصور بھی پریشانی ہے

دوست کو دوست جو سمجھے تو کوئی بات نہیں
سخت دشوار ہے دل کی نگہبانی ہے

شکوۂ جور پہ اس بت نے جو دھر چھیڑ لیا
یہ تغافل ہے الٰہی کہ پشیمانی ہے

یہ مثل سچ ہے کہ جب دل نہ رہا غم نہ رہا
اب نہ مشکل ہے محبت میں نہ آسانی ہے

ہر تمنا کوئی اک ساتھ نکالے کیوں کر
ہجر سے بڑھ کے شب وصل پریشانی ہے

چھوٹ سکتی ہے کہیں سر کے اوڑا دینے پر
وہ ملاقات کہ جو آپ سے روحانی ہے

ہے یہی فرق فقط عشق و تصور میں مری
وہ تمنا ہے مری روح یہ پیمانی ہے

جذبہ کے بور یہ انداز تغافل دیکھو
کوئی دیکھے تو کہے ان کو پشیمانی ہے

در و دیوار کی کیوں قید ہے زنداں کے لئے
بحر میں کیا ہے اگر دشت میں ویرانی ہے

ہجر میں آئینہ رہ رکھے نہ دیکھوں کیونکر
اک ادا جلوۂ معشوق کی حیرانی ہے

صفحۂ دل پہ نہ کچھ ہو یہ کیوں کر سمجھے
آنکھ مانی ہے تو مژگاں قلم مانی ہے

شان اظہار ہے جویائے محبت ورنہ
یوں تو پانی ہے ہوا اور ہوا پانی ہے

اختیار نہیں تو نہ تھی مرگ محبت بیباک
کیوں مٹے جاتے ہو کیوں اتنی پشیمانی ہے

حضرت صفی رمز اپوری

آئینہ ہے کہ ہے قاتل سے مقابل قاتل
جھکے یہ ڈر ہے کہ لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

کھنچ کے تلوار کو صورت نہ گلے مل قاتل
اس طرح ہاں کہ رہے دل سے ترا دل قاتل

تیر سے ہوتے ہوئے کیوں جان کو رن رہا جب
نیمجاں چھوڑنے سے کیا تجھے حاصل قاتل

موجب اکسیر ترا دم ہے جو کچھ آخش ان
خوبی ہی ہو جائیگا پابند سلاسل قاتل

دست نازک کی طرح تیغ بھی نازک ہے بہت — تجھ سے آسان نہ ہوگی مری مشکل قاتل
اتنی مہلت بھی نہ دی تیغ ادا نے مجھکو — کہ دکھاتا تجھے اپنا جگر و دل قاتل
قتلگہ جان کے ہنسانہ ذرا محشر میں — نظر آئیں گے وہاں سیکڑوں سسبل قاتل
ہم سو منزل مقصود چلے بھی جو کبھی — جادۂ تیغ بنا دوری منزل قاتل

کشتۂ ناز ہے وہ جشن عید کا دن
اپنے صدقے ہے ذرا آج گلے مل قاتل

حضرت دل شاہجہانپوری

دل سے مریض کو نگہ یار چاہیئے — یعنی کہ چارہ گر کوئی ہشیار چاہیئے
اک زخم خونچکاں پہ چھڑکنے کے واسطے — تھوڑی سی خاک کوچۂ دلدار چاہیئے
جو بوالہوس ہیں مہر و وفا کی ہوس کریں — جیسا بھی ہے مجھے تو مرا یار چاہیئے
عاشق کی زندگی کا اسی پر مدار ہے — سیدھی نگاہ سے تو نہ انکار چاہیئے
آنکھوں میں دم ہے چشم محبت سے دیکھلو — کچھ تو تسلیٔ دل بیمار چاہیئے
پردہ نشیں کے عشق میں چھپ چھپ کے روئیے — شغل فغاں نہ یوں سر بازار چاہیئے
پہلے پہل یہ شوق ہوا ہے گراں نہ ہو — نازک سی ان کے ہاتھ میں تلوار چاہیئے
چشم ستمگریں تو ستم کی دلیل ہے — دیکھو مشاہدہ سے نہ انکار چاہیئے
کیا جانے کب نکل کے وہ ہنگامہ خیز ہوں — محشر لگا ہوا پس دیوار چاہیئے
اے چارہ گر یہی ہے مقدر کا فیصلہ — اب درد کی جگہ مجھے تلوار چاہیئے
ہے اس نگاہ لطف کی گردش سکون دل — ہم کو تو چارہ ساز یہی بیمار چاہیئے
پہلے وہ اپنی ساعد سیمیں کو دیکھ لیں — پھر اس کے بعد ہاتھ میں تلوار چاہیئے
مانا وہ بے وفا ہے مگر اے وفا دل — ان بیوفاؤں کا نہ اظہار چاہیئے
دل میں جگہ نہ دو مجھے اس کا گلہ نہیں — پڑ رہنے کو جگہ پس دیوار چاہیئے

اتنے بھی پارسا نہ بنو اے جنابِ دل
وہ بھر کے جام دیں تو نہ انکار چاہیے

حضرت وفا شاگرد حضرت جلیل

تیغ کیا میان سے نکالی ہے — تم نے مُردوں میں جان ڈالی ہے
کوئی جچتا نہیں ہے نظروں میں — جب سے تجھ پر نگاہ ڈالی ہے
لو لگائیں نہ اُس سے پروانے — شمع دم بھر میں بجھنے والی ہے
ابروے یار کا یہ ایما ہے — آج تلوار چلنے والی ہے
تیغ ابرو سے قتل کر کے مجھے — ہاتھ دکھلا دیا کہ خالی ہے

اے وفا حشر دیکھئے کیا ہو
بت کافر پہ آنکھ ڈالی ہے

حضرت مستمر لکھنوی

وحشتیں زور پہ ہیں آپ کے دیوانوں کی — دھجیاں خود ہوئی جاتی ہیں گریبانوں کی
آرہی ہیں جو گلستاں سے ہوائیں ٹھنڈی — بدلی جاتی ہیں نگاہیں ترے دیوانوں کی
سینکڑوں پینکے یونہیں روز بگڑ جاتے ہیں — کچھ خبر ہے تری زلفوں کو پریشانوں کی
اے صبا اب تو غبارِ درِ جاناں میں ملا — ہڈیاں گل تو چکیں قید میں دیوانوں کی
یہ تصور ہے کہ جس سمت جنوں میں دیکھا — سامنے کھنچ گئی تصویر بیابانوں کی
شمع فانوس میں کیا آئی قیامت آئی — لاش پہ لاش گری پڑتی ہے پروانوں کی
خود الگ ہو گیا زلفوں کو بنا کر وہ حسیں — چوٹیں چلوا دیں مگر آئینے شانوں کی
شب غم ختم ہوئی بجھنے کو ہے شمع حیات — بند ہوتی ہیں کتابیں مرے افسانوں کی

اے مستمر دل کو بھی درکار ہے فرصت کی نظر
حالتیں دیکھ چکے سیکڑوں دیوانوں کی

ایک نظر

اردو کانفرنس کے متعلق غلط فہمی: - اردو کانفرنس کا اجلاس حسب قرارداد سابق ۲۹، ۳۰ دسمبر کو قصبہ بارہ وری کھنڈ میں منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد معقول تھی سب سے پہلے نواب ذوالقدر جنگ صاحب صدر استقبالیہ کمیٹی نے اپنی تقریر پڑھی جو ہر طرح سے موقع اور ضروریات کے مطابق تھی اسکے بعد صاحب صدر جناب نواب نصیر حسین خیال صاحب نے اپنا خطبہ صدارتی پڑھنا شروع کیا جو طویل ہونے کے باعث پورا پڑھا نہ جا سکا۔ نواب صاحب موصوف صدر کے خطبہ صدارت اردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہیں اردو کی تاریخ اسکے عروج کے منازل اور سب سے زیادہ اسکی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ آپکا ایڈریس بہت طویل تھا ہم آئندہ نمبر سے ہم اسکے بعض حصہ ناظرین تمدن کی خدمت میں پیش کرینگے۔ اس جلسے کے متعلق ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی جس نے کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں اپنا اثر دکھلایا۔ اور وہ یہ تھی کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کانفرنس اس غرض سے منعقد کی گئی ہے کہ "انجمن ترقی اردو" یا "اردو کانفرنس" کے نام سے ایک جداگانہ انجمن قائم کرے۔ واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ اردو کانفرنس کا یہ اجلاس انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ کا اجلاس تھا اس غلط فہمی کا سب سے بڑا اثر دہلی کی نیابت پر پڑا جس نے اردو کانفرنس کو ایک جداگانہ کانفرنس خیال کر کے (جیسا کہ استقبالیہ کمیٹی کے اکثر جلسوں میں اظہار بھی ہوا) ایک نیابت مرتب کر کے لائے مگر انکو وہاں آن کر معلوم ہوا کہ وہ ایک آتادہ کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ متعلق الفنا فی کی شکل رحمان بیگ شیں کانفرنس کی شاخ نہیں قرار پا سکتی۔ یہ وجہ ہے انہوں نے دہلی کی طرف واپس جانے کی تیاری کی۔ اور کانفرنس میں گرنے پر جو کہ بہت زیادہ سرد مہری کا سلوک کیا گیا۔ اور نہیں سے کسی شخص نے ہم کو کوئی رپورٹ دینے تک نہیں کہا گیا۔ بعض حضرات نے ترجمہ کا التزام حضرات آنریبل کے سر ڈالنے میں مگر یہ بلا طرف تردید کہا جا سکتا ہے کہ میر مجلس نہیں دہلی کی اس نیابت کی توہین بلکہ لکھنؤ یا اہل لکھنؤ کیطرف سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی ذمہ داری انجمن ترقی اردو کے بعض کارکنوں پر عاید ہوتی ہے جو بعض رعایات کے مطابق حضرت دہلی کی نیابت کو اسوجہ سے کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایسے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ بہرحال اس کانفرنس سے جو واقعات وابستہ کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر بعض حضرات خاص کوشش کرتے تو اس میں جو قدرتی طور پر بعض حضرات کی کارروائی کو اس کانفرنس کے متعلق پیدا ہو گئی تھی بہت کچھ کمی ہو سکتی تھی مگر افسوس ہے کہ بعض حضرات نے اس کی کوشش نہیں کی۔ اور اس کانفرنس کے متعلق جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی وہ بدستور قائم رہی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جلسہ میں جو کہ انجمن ترقی اردو کا جلسہ تھا اردو کا ایک بڑا حصہ شریک نہیں ہوا۔ اور دہلی کی نیابت کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسکی وجہ سے بعض حضرات نے اپنی یہ نمائش پیش ہو سکتا کہ وہ کانفرنس کے جلسہ میں جو کہ انجمن ترقی اردو کا جلسہ تھا یہ جلسہ قرار دیتا کہ "انجمن ترقی اردو کا یہ پانچ سالہ جلسہ" ہے

مسلمانو! شاندار قرآن مجید معراخاشدہ پڑھو

یہ قرآن شریف متوسط القسم ہے خط نہایت پاکیزہ چھاپہ خوشخط لکھے حرفوں کی خوشنمائی ہونی کی آب سے زیادہ کاغذ سفید چکنا ولایتی۔ ہر رحیم اللہ کا حسن تحریر جداگانہ جلد نہایت عمدہ مبتدیوں کیلئے اس سے بہتر قرآن مجید شائع نہیں ہوا۔ ہدیہ مجلد ۳؎

نوجوانوں اور بچوں کو انگریزی سکھانیکی آسان کتاب

انگلش ٹیچر اردو انگریزی مع لیٹر رائٹر

اس لاجواب کتاب میں گرامر ٹرانسلیشن ایڈم اور لیٹر رائٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظ اردو لکھے گئے ہیں یہ کتاب طالب علموں کیلئے عموماً اور ان لوگوں کے لئے خصوصاً تالیف کی گئی ہے جو انگریزی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتے ہر قسم اور ہر محکمہ و عدالتی بول چال کا ترجمہ عام فہم اردو میں کیا گیا ہے فی جلد مجلد ایکروپیہ

پتہ:- ایچ محمد یوسف خان منیجر شہرت ایجنسی دہلی غزالخانہ

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

اور ایک نہایت خوشرو جوان بی۔ اے۔ ایم۔ اے وغیرہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں معزز جنٹلمین۔ رنگیلے چھبیلے حسن کے دلدادہ خبردار جھاؤ

پری جمال صابون

جو حسن خوبصورتی پیدا کرنا ہر کی رنگت سفید چمکدار اور صاف کرتا ہے ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے فوراً گارنٹی کر کے یہ صابن تازہ تازہ خوشبودار تیل سے تیار ہوتا ہے کالا رنگ مکلیا ہوا چہرہ صرف سات روز مکر نہانے سے گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت ہو جاتا ہے مچھائیاں اور بھدا پن خود بخود دور ہو جاتی ہیں سو اکسیر مع خوبصورتی صابن دانی عہ

پری بھار سیرآل

یہ سرمن لگانیکا خوشبودار تیل خوبصورتی دلربائی کو دفع کرتا ہے اس کے استعمال سے بال لمبے اور ریشم کی طرح ملائم ہو جاتے ہیں بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے۔ فی شیشی دس تولہ ایک روپیہ

المشتہر

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار غزالخانہ

نادر و نایاب مشہور عالم کتابیں

گنجینۂ اسرار حقیقت

اس نادر کتاب میں ہندوستان اور ممالک اسلامیہ روم عرب مصر شام کے ۱۱۳ درویشان کامل اور رہبران راہ طریقت بزرگوں اور مستند ولیوں کے جامع اقوال اور نصائح درج ہیں کتاب کا ایک ایک لفظ جواہرات سے تولنے کے قابل ہے۔ قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲ ر مع محصول

رہنمائے باغبان:۔ اکیس ہر قسم کے میوہ دار درختوں تر کاریوں اور ہر قسم کی پھلواری پیدا کرنے کے طریقے بونے کا موسم اور بہت سی فرق باتیں درج ہیں تاکہ ہر شخص باغبانی کے عام پھولوں بیدوں سے مستفید ہو سکے اور باغبان کی خوشامد سے بچے قیمت مجلد مع محصول ۱۱ ر

رہنمائے مسافران:۔ ہندوستان و پنجاب کے ۶۰ عامی چیدہ چیدہ مشہور شہروں کا حال جو سیاح اور مسافروں کا کام دیں ہر جگہ کی تجارت مشہور عمارات کے مفصل حالات سفر کا آرام قابل دید جو آدمی ریل کا سفر کرتے ہیں وہ ضرور خریدیں قیمت مجلد مع محصول ۱۲ ر

نعمتوں کا طلائی تھال:۔ ہر قسم کے کھانے اور مٹھائیاں وغیرہ بنانے کی لاجواب کتاب دنیا بھر کے ہر قسم کے کھانے اور مٹھائیاں و مربات وغیرہ ہر قسم کے اچار چٹنی مربے پاپڑ ترکاریاں وغیرہ خود بنالو عبارت عام فہم ایک گنوار عورت کو بھی پڑھ کر سنا دو تو وہ بھی عمدہ سے عمدہ لذیذ کھانے بنائے۔ قیمت ۱۱ ر

پھلجھڑی:۔ یہ رسالہ کو ہنساتی ہے پڑمردہ دل کو خوش گفتہ کرتی ہے غمگین اور رنجیدہ کو فرح بخش کرتی ہے۔ قابل دید مجموعہ لطائف کا ہے۔ صفحہ ۱۲۵ قیمت ۱ ر

نوٹ:۔ تمام کتابوں کی قیمت مع محصول درج ہے اور سب مجلد ہیں۔

منیجر تعمیر خلجی ۱۲ لدھیانہ (پنجاب)

ملنے کا پتہ:۔ دفتر تمدن نیسا گاؤن۔ لکھنؤ

قابل دید کتب

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کر دیگئی ہے اور انہیں سے بیشتر کسی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہو سکتیں

ناول

ناولہائے فارسی تاریخی ندیم فرانسیسی مصنفہ عرتی دلبری (علیگ) کے اخلاقی ناول سفید سیاہ شاہد رعنا۔ جو دو بار چھپ کر قدر دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ دلربا کاغذ پر چھاپی گئی ہے اور جس میں مصنفہ کی ایک تصویر بھی ہے قیمت صرف

زہرا۔ ایک ترکی ناول کا ترجمہ۔ مترجمہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے۔ قیمت ۸ر

ثالث بالخیر۔ ایضاً قیمت ۴ر

نیرنگی دہر۔ بیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف الصفا کی کج ادائیوں کا انجام مصنفہ منشی عبد الغفور صاحب صفحات ۱۳۲ رعایتی قیمت ۴ر

گودڑ کا لال۔ ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا طبعزاد فسانہ کہ جس میں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ مصنفہ جناب ممتاز الدولہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے۔ حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ قیمت ہر دو حصہ عمدہ

روح کا ملاپ۔ اس میں مجیب روحانی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شخص ایک مردہ لڑکی کی روح کو اس کی وفات کے وقت ایسا جھوٹ ایسا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو زندہ کر کے اس کے ذریعہ سے بہت سے روحانی مسائل کے حل کرنے کا کام لیتا ہے صفحات ۱۲۰ قیمت عمدہ

قصائے وبد۔ مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ صاحب وہی قابل دید کتاب ہے

روضۃ الکبریٰ کی آتشزدگی یعنی زوجہ قیصر کے زمانہ کا ایک دلچسپ تاریخی ناول۔ مصنفہ مرزا محمد سجاد مرزا بیگ صاحب

حکایات ادب۔ یہ ان حکایات کا مجموعہ ہے جن کو سمائے تاثیر کے مہر منیر اور علم و حکمت کے ماہتاب نے نہایت شکسپیر کے منظوم کمالات سے زبان انگریزی کے مشہور و معروف ادیب چارلس لیمب نے استعمار رلطافت بار کے ساتھ نثر میں تحریر کیا ہے اور اب یہ حکایات شائقین کی ضیافت طبع کے لئے اردو میں نہایت فصاحت و بلاغت ترجمہ کی گئی ہیں۔ حاجی **مقبول** مصنفہ جناب منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ ۴ر

احسن التدبیر۔ ایضاً ۱۳ر

الوٹوپیا۔ اس ناول میں سر تھامس مور نے ایک

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن۔ نیا گاؤں۔ لکھنؤ

خیالی ملک و قوم کے نظم و نسق کا بیان کرکے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا ہے۔ ۴ر

آویس۔ رومۃ الکبریٰ کا ایک خاص واقعہ ناول کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ نہایت مزاحک و پر تاثیر قصہ ہے۔ قیمت ۸ر

وکرم اُروشی۔ یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا نزہمہ ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مرتبہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ قابل دید کتاب ہے ۴ر

قاسم و زہرا۔ منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا کا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ نیچرل کیفیات و جذبات میں از ستارہ ڈراما ڈوبا ہوا سا ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ۸ر

انتخاب زوج۔ دہلی کی ایک مشہور انشاء پرداز خاتون کے زور قلم کا یہ تازہ کارنامہ ہے اسمیں فاضل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے جنس ذکور کی خدمت میں اپیل کیا ہے کہ شوہر کے انتخاب میں اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جایا کرے۔ ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ ۳ر

دغا۔ یعنی بنگلا بھگت اور اس کی بچی ناول کے پیرایہ میں ایک سچے واقعہ کا بیان قیمت ۴ر

آتالیق پی پی۔ جس میں شوہروں پر عورتوں کی بے مسنے محبت فیضی اور بے جا شکایتوں کا بہت مضحکہ دکھایا گیا ہے۔ ۸ر

وصال۔ منشی درگا سہائے صاحب مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

تواریخ

تاریخ اودھ۔ نواب برہان الملک سعادت خان کے عہد سے واجد علی شاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں یہ مستند و نایاب کتب تواریخ سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کے مولف جناب نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ جس پر زبان اردو کو بجا ناز ہے اور دلچسپی میں فرضی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ فرمانروایان اودھ کی دربار کی پوری تصویر ہمیں دکھاتی ہے۔ مکمل چار جلدوں کی قیمت علاوہ محصول چھ روپے۔ ۶ر

یادگار دربار اسلام۔ جلد اول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم کے سوانحات عمر صفحات ۴۸۴ر

جلد دوم۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم خلفائے اول و دوم کے مفصل سوانحات عمر مفتوحات۔ انتظامات و ذاتی حالات وغیرہ کی پوری تحقیق کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں قابل دید کتاب ہے۔ صفحات ۶۴۴ قیمت ہر دو حصہ علاوہ محصول ۱۰ر

تاریخ اندلس۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت یورپ میں لاجواب کتاب ہے۔ ضرور ملاحظہ فرمائیے ۴ر

علمائے سلف۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع میرٹھ کی مشہور تصنیف جس میں علمائے اسلام کے حالات درج

ملنے کا پتہ:۔ دفتر تمدن، نیا گاؤں۔ لکھنؤ

ہیں اصل قیمت ایک روپیہ رعایتی ۸ر

شباب لکھنؤ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ ایک انگریز سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں۔ مترجمہ منشی احمد علی صاحب بی۔ اے۔ ایچ

قدیم ہندوستان کی تہذیب۔ مشہور فاضل مسٹر آر سی۔ دت کی بے مثل تاریخ سویلائزیشن آف انشینٹ انڈیا کا اردو ترجمہ ہے

مکمل محاربات روس و جاپان۔ حصہ اول و دوم قیمت فی حصہ ۱۲ر

تاریخ مذاہب۔ اس میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب شنا، بابی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذاہب کی مختصر تاریخ درج ہے قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

جمیع حالات جاپان۔ جس میں ملک جاپان کی ہر قسم کے حالات مادی، تمدنی، تعلیمی وغیرہ، جاپان کی ترقی کی تاریخ اور جاپان کے شہنشاہ نامور مدبرین، سپہ سالاران و امیر البحران وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ مجلد رعایتی قیمت ۸ر

علوم طبیعیہ کی تاریخ۔ علوم طبیعیہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو ساتویں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکماء نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا۔ نہایت سنیہ اور مفید کتاب ہے۔ مضامین کی وضاحت کے لئے متعدد تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو مجلد ۱۲ر

تاریخ یونان۔ سلطنت یونان کے عروج و زوال کے اسباب، نظام سلطنت، معرکہ ارائیاں اور فتوحات وغیرہ کے مفصل حالات قیمت ۸ر

تاریخ مصر۔ جس میں قدیم زمانہ کے مصریوں کی رسم و رواج، طرز معاشرت، عادات و خصائل، تیوار دن، معبودوں، علم الاصنام، نظام سلطنت معرکہ آرائیوں اور فتوحات، عروج و زوال کے اسباب، علم و فنون وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں۔ باتصویر کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

تاریخ روم۔ اس نادر کتاب میں متقدد مصنف نے سلطنت روما کی ابتدا سے شروع کر کے روم کے پانچ جلیل القدر قیاصرہ کے عہد و انتظام بحیثیت المقدور مفصل بڑی دلچسپ صورت میں قلمبند کیا ہے۔ قیمت ۸ر

تاریخ تمدن۔ یعنی سرہنری طامس بکل کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف سویلیزیشن" کا ترجمہ مترجمہ مرحوم مغفور منشی محمد ہادی صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل۔ قیمت عہ

تذکرہ بہادران اسلام۔ یہ ایک لاجواب اور قابل دید کتاب ہے۔ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ میں رہنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف رہ سکے صفحات ۲۵۴ رعایتی قیمت عہ

گنجہ شایگان۔ قدیم شاہان ایران کے حالات سوانح کہ کی دنیا بھر کی سلطنتوں پر اثر وغیرہ کے سوا نے جامدی تانبے کے سکوں کی دونوں رخوں کی اصلی تصویریں معہ حالات و وزن وغیرہ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیاگاؤں لکھنؤ

سوانحات عمری

الہارون - سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم سمت نقش سیاست عباسیہ و مشرق الخلافۃ بغداد ۱۲ر

حیات نور الدین محمود - یعنی ملک العادل سلطان نور الدین زنگی نور اللہ مرقدہ فاتح شام و جزیرہ مصر کی مفصل سوانحعمری قیمت ۸ر

یادگار سعدی - یعنی سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمر اور ان کی جملہ اخلاقی تصانیف نثر اردو خلاصہ اور نامحانہ اشعار و حکایات کا انتخاب ۸ر

حیات حافظ - جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے ۸ر

سیدۃ المرسلین - سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا کی مکمل و مکمل اس کتاب کو حضرت سیماب اکبرآبادی نے لڑکیوں اور مستورات کے لئے لکھا ہے جم ۲۴۰ صفحات قیمت رعایتی ۵ر

جہان آرا - شاہجہان بادشاہ کی فاضل بیٹی جہان آرا بیگم کی سوانح عمری اس کے مادر سوشل اور پولیٹیکل کارنامے مورخین یورپ کی تمتہ چندیوں پر محققانہ نظر - کاغذ و طبع دیدہ زیب رعایتی قیمت ۸ر

مشاہیر بنی نوع انسان - یعنی ان سپہ روان بنی نوع انسان کی سوانح عمریوں کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے ہر شخص حب انسانی سے بھر جاتا ہے ۶ر

مشاہیر عالم - اس عنوان کے ماتحت ان مشاہیر عالم کے اسماء گرامی منسلک ہیں جن کی اولوالعزمیاں طرح طرح کے کارہائے نمایاں کے تعلق آسمان شہرت پر چمک رہی ہیں - ضخامت ۸ صفحات

مشاہیر مشائخ ہند - خاندانہائے عالیہ چشتیہ و سہروردیہ کے بعض مشاہیر مشائخ کا مفصل تذکرہ ۶ر

کتب متعلق اسلام

ادلۃ الکرم فی اثبات عقاید الاسلام - جس میں ہر ایک عقیدہ اسلام کا ثبوت علوم جدیدہ و سائنس کی رو سے دیا گیا ہے - قابل قدر کتاب بہ ضخامت رعایتی ۸ر

چمنستان عرب عرف سفر حج - اس کتاب میں قرآن شریف - احادیث مبارکہ سیر و تواریخ سے حج کا طریقہ - کعبہ مقدسہ - مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی اور جغرافیائی حالات بہت تحقیق و تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں آج تک اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں شائع ہوئی - ضخامت ۱۰۰ر

تاریخ مسجد الحرام - ۸ر

تہذیب الاسلام - جس میں فلسفہ یورپ کی تحقیقات موجودہ و سائنس جدید کے آگے اسلام کو اسلام کے مسائل حنفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے - اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے ۱۰ر

تہذیب الاخلاق - یعنی نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علی خاں صاحب مرحوم فائق سکریٹری حیدرآباد و نواب محسن الملک مرحوم

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن، نیا گاؤں لکھنؤ

سرسید احمد مرحوم کے تمام مضامین کا مجموعہ جو تہذیب الاخلاق میں ۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۷ء تک شائع ہوئے

ہر سہ جلد ضخیم ہے

الخطبات احمدیہ فی المعروف بالسیرۃ المحمدیہ } از تصنیف سرسید مرحوم مبر

ادبی جواہر ریزے

جذبات بھاشا:- بھاشا (ہندی) زبان کے شیریں و دلکش نازک تخیلات کا مرقع اردو زبان میں ایک بہترین اضافہ بھاشا زبان کے دلکش و دلفریب اشعار کی توضیح و تشریح اردو میں بھی حضرت نیاز کے دلگداز قلم سے قیمت رعایتی ۸ر

عالم خیال:- (با تصویر) حضرت شوق قدوائی

ان مثنوں کتابوں کے خریدار

پانچ پانچ روپے کے خریدار

خود ہوں یا ان کے محصول ڈاکخانہ بھیجیں ۱۰ پیسہ زائد

ہماری نئی مثنوں کتابوں کا نمونہ یا مفصل جلد اخراجات صرف ۱۰ پیسہ میں بھیجا جائے گا

مطلوب ہیں

(۱) انتخاب اردو سے معلی یعنی مرحوم رسالہ اردوئے معلی کی گلدستہ دستی سلیکشن کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل دید انتخاب مجلد قیمت عہ ر

(۲) مکتوبات امیر مینائی مرتبہ منشی امیر احمد صاحب مرحوم لکھنوی مع سوانح و خطوط کا مجموعہ سہ لقدیر سوانح عمری امیر مدلل و مفصل واقعات و امیر تحریر ۲۵۰ صفحے مجلد ۲ر

تذکرۃ الشعرا حصہ اول مکمل

مجموعہ تقریباً ۵۰۰ صفحے مرتبہ حضرت موانی جس میں ذکر کو شامل ہے، دیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان امیر شہیدی تخلص عربی مخمور رازق، فاضل مائل، ہوس، حسن نسیم تسلیم، رشکی عالی بے نظیر، مست۔ مضطر خیرآبادی و حسرت موانی کے دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے۔ ان میں سے اکثر دواوین ایسے ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ قیمت عہ ر

نوٹ:- مولوی نثار احمد صاحب فاروقی بی اے کانپوری کا دیوان حسرت موانی کا دیوان حضرت بیخود موہانی کا دیوان نہیں مل سکتا۔

المشتہر: حکیم حسرت موہانی۔ دفتر اردوئے معلی علیگڈھ

بڑے شہر میں رہنے کا فائدہ بلا نقصان

اگر آپ حاصل کرنا چاہیں۔ تو لکھنؤ کے سامان کی خریداری کے متعلق ہماری ایجنسی سے کام لیں۔ ہمیں یہاں کے مال کی خریداری کا پوتہائی صدی کا تجربہ ہے۔ اور تمام بڑے بڑے تاجروں اور کاریگروں سے ہماری واقفیت ہے۔ ہم صرف ۱ فی روپیہ اور بڑی فرمائشوں میں ۲ اور ۳ فی روپیہ کے کمیشن پر آپ کو یہاں کا سامان ایسا عمدہ اور کفایت سے بھیج سکتے ہیں کہ آپ خود لکھنؤ آنیکا خرچ اور تکلیف برداشت کرکے ہرگز ایسا عمدہ مال اتنی کفایت سے حاصل نہیں کرسکتے۔ یہی حالت مال کی فروخت کے متعلق ہے۔ جو ہم زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچنے کا یقین رکھتے ہیں۔ اسکے متعلق ہر قسم کا اطمینان بطریق ضمانت دلایا جاسکتا ہے۔ لکھنؤ کے عطر۔ تیل۔ خوشبوئیں چکن۔ کامدانی۔ فردین۔ گوٹا کناری۔ اور دیگر سامان آرائش۔ زیور برتن۔ الغرض

ہر ایک چیز جس کے لئے لکھنؤ مشہور ہے

ہماری معرفت منگائیے اور اس کی عمدگی۔ پائداری۔ ارزانی کا یقین رکھئے۔ یا ہماری معرفت سامان فروخت کرائیے اور اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت لینے کا اطمینان فرمائیے۔ آپ کے تشریف لانے پر قیام و مدارات کا انتظام ہماری طرف سے عمل میں آئیگا۔ اور آپ کے ہمراہ جاکر عمدہ مال کفایت سے دلا دیا جائیگا۔ جائداد کی خرید و فروخت مقدمات کی پیروی۔ مکانات کی تعمیر وغیرہ میں ہم سے مدد لیجئے اور ایک مرتبہ آرڈر دیکر یا خود تشریف لاکر ہمارا کام ملاحظہ کیجئے ✦

المشتہر

حاجی نجم الدین منیجر جنرل سپلائی ایجنسی رنتیر آباد لکھنؤ

تمدن

لکھنؤ

ابو نصر فارابی

ابو نصر محمدؒ ابن محمد ارزلغ بن طرخان ایک عجمی خاندان سے تھا۔ اس کا اصلی وطن فاراب[1] تھا جہاں وہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ ایک فوجی افسر تھا اور اگرچہ خاندان میں کسی کو بھی علوم فلسفیہ سے دلچسپی نہ تھی مگر یہ ابتدا ہی سے غور و خوض کا خوگر تھا۔ اسرار قدرت کے مکاشفہ اور راز فطرت کے پالینے کے لئے اُس کے قوائے دماغیہ میں عجیب و حیرت انگیز شوق جستجو اور ذوق لازوال ودیعت کیا گیا تھا۔ اُس کے باریک بین نظارے اور نکتہ رس احساسات معمولی واقعات سے اہم و عالیشان مسائل کے استخراج کرنے میں مہین رہتے تھے۔ گویا وہ ہر محسوس کو کسی اور ہی حاسہ سے ادراک کرتا تھا۔ وہ ایسے ذوق و شوق سے ہر عام مسئلہ پر غور کرتا تھا کہ دیکھنے والے اُسے یکسر تماشائے بیخودی دیکھتے تھے۔ پھر جب وہ اُس

[1] فاراب ترکستان میں اور انہر کے قریب مشہور شہر ہے۔

مضمون کو بیان کرتا تھا تو سننے والے حیرت و استعجاب کے عالم خاموش میں پہنچ جاتے تھے۔ ابو نصر ایک خود ساختہ غریب و فقیر تھا۔ اس کے مزاج میں زہد اختیاری اور قناعت غریزہ کے عنصر غیر معمولی مقدار میں داخل تھے اس نے بغداد آکر ابتدا میں باغبانی کے پیشہ کو بڑی خوشی سے اختیار کر لیا اور اس طرح معاش سے اطمینان حاصل کر کے فلسفہ کی تعلیم و تحصیل میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اس نے فلسفہ ایک شخص یوحنا بن جیلاد[1] سے شہر حران جاکر زمانہ خلافت متقدر باللہ عباسی میں کتاب البرہان کے آخر تک پڑھا اور شبانہ روز اس کے تدبر میں مشغول رہا۔ فلسفہ اس وقت ارسطو کا فلسفہ تھا۔ ابو نصر کے قوائے مدرکہ کی مناسبت ارسطو کے فلسفہ سے انتہائی شغف پیدا کر رہی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ ارسطو کی کتابیں قدر دانی کے ہاتھوں کانٹے پر تُل تُل کر فروخت ہوتی تھیں۔ اور ابو نصر اپنی تنگدستی کے باعث سخت مجبور تھا کہ اپنے آپ کو فروخت کر دینے پر بھی کتابیں ہاتھ نہ آسکتی تھیں اس وقت اس کے دلی کیفیات حیرت انگیز طریقہ پر حسرت نما تھیں کہ اتفاق سے ایک اجنبی اس کے پاس ارسطو کی کتابیں چھوڑ گیا اور اسے گھر بیٹھے یہ دولت نصیب ہو گئی۔ اب کیا تھا ابو نصر نے ان کتابوں کے دیکھنے کا حق ادا کر دیا۔ وہ مطالعہ و تصنیف کی ضرورت سے رات بھر جاگتا رہتا تھا۔ اتنی استطاعت کہاں تھی کہ دمڑی کا تیل چراغ میں ڈالتا اور گھر بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف ہوتا۔ غریب ساری رات اپنے گھر سے نکل کر چوکیداروں کی لالٹینوں کی روشنی میں پڑھتا تھا کثرت غور و خوض سے وہ اس کے تمام مطالب پر حاوی ہو گیا خدا نے اسے ایسا ذہین کیا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں فیلسوف اعظم شمار کیا جانے لگا اور اس نے ارسطو کے فلسفہ کو مسلمانوں کے سامنے ایسی شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا کہ اس کے صدر میں تاریخ فلسفہ اسلام

[1] یوحنا کے باپ کے نام میں اختلاف ہے۔ جلفان خیلان اور بعض موخ جیلان کہتے ہیں۔ بیہقی کی روایت کے مطابق جیلاد لکھا ہے یوحنا بغداد میں متقدر باللہ عباسی کے عہد میں انتقال کر گیا اسکا ایک ہمعصر ابراہیم مروزی تھا جس کے ساتھ فلسفہ اس نے مرو کے رہنے والے سے پڑھا تھا۔

نے اُسے معلم ثانی کے لقب سے مخاطب کیا گو اس سے قبل مسلمانوں کو یونانی فلسفہ سے کافی اعتنا تھا مگر ارسطو کی نکتہ آفرینیوں اور نازک خیالیوں کو اور ہی زبان درکار تھی اور فلسفہ یونان کے اس لسان العلم کی مشکل پسندیاں ایک ترجمان کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں ارسطو جو حقیقت میں یونانی فلسفہ کا موجد گذرا ہے اگرچہ تمام قدما کی طرح فلسفہ کی عام تعلیم کا مخالف نہ تھا کہ خاص شاگردوں کے سوا کسی کو اس قیمتی جوہر (فلسفہ) کی آرزو کی بھی اجازت نہ دیتا اور ینبائے رموز و اشارات میں رحیق مختوم کی طرح اس بادہ کو محفوظ رکھتا۔ لیکن اُس کے بسیط مضامین کی روشنی اور نزاکت خیال کے ذوق نو میں سامع کو نہ تو اپنا وجود نظر آتا تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو خمار بے خودی سے پہچان سکتا تھا اور گو اُس نے افلاطون الٰہی کی طرح ہیکل کے دروازہ پر یہ نہیں لکھا تھا کہ جو علم ہندسہ نہ جانتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے مگر اُس کے مقدمات تمہیدی اور سلسلہ خیالات کا ابھی مخاطب کے دماغ میں نشو و نما بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ وحشت لاعلمی و پریشان خیالی گرد نظر بنا کر مخاطب کو خود اُس کے سامنے سے محو کر دیتی تھی پھر اُس کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اُس وقت یونانی فلسفہ عربی کے غلط ترجموں اور بے ربط و غیر مسلسل عبارتوں میں تھا جن سے فائدہ اٹھانا معلوم۔ ایسی حالت میں جبکہ حقیقی روح معانی کو نگاہ تصور بھی نہیں پا سکتی تھی۔ اور ایسی وقت میں حسب تخیل مساذج تو کیا باریک بین عقلیں بھی مصنوعی فہم و ادراک کا دعوے کرنا اپنی موت سمجھتی تھیں۔ یہ نامور وجود خاک پاک پارس سے اٹھا اور حقائق اشیا کے اظہار کا چمکتا ہوا آفتاب تمام عالم افکار میں روشن کر دیا جسکی کرنیں عرب و عجم بلکہ یوروپ کے فلاسفروں کے محفوظ دماغوں تک پہونچ گئیں اُس نے یونانی فلسفہ کی تجلیوں کو دیکھا اور وہ اُس کے فیض نظر سے ایسی ہو گئیں کہ آج ہم سب دیکھ سکتے ہیں۔ ابو نصر نے کندی وغیرہ متعین کے اغلاط و سوء فہمی کی صحت کر دی اور اُن کی غفلتوں پر متنبہ کر دیا ارسطو کی کتابوں پر کثرت سے

تعلیقات لکھیں اور اُس کی اکثر کتابوں کی شرح کردی جس سے عربی بازار میں یونانی جواہر کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی فلسفہ عام ہوگیا اور عام و خاص اُس سے مستفید ہونے لگے فلسفہ (کہ حقائق اشیاء کے علم کا نام ہے) مشک سے بڑھکر خوشبو ہے وہ اگرچہ فلسفی دل و دماغ میں محفوظ رہتا ہے مگر فلاسفر کی ہر اک بات بلکہ ہر نفس سے نکل کر نفحات فلسفہ شام سامع کو معطر کرتے رہتے ہیں فلاسفر خود تنگ و تاریک غار میں سہی مگر اس کے معارف و فضایل کے چمکتے دمکتے انوار سیکڑوں دلوں کی محفلیں جگمگا دیتے ہیں۔ ابونصر اگرچہ بغداد کے کسی ایک گوشہ میں تھا مگر اُس کی باتیں جہان میں تھیں دیکھو وہ ایک گوشہ نشیں جسے کل تک کوئی نہیں جانتا تھا آج اس کی یاد سے لاکھوں دلوں کی بستیاں آباد ہیں وہ غریب جو کچھ زمانہ گذرا راتوں کو چوکیداروں کی روشنی کا محتاج تھا۔ آج اُس سے لاکھوں تیرہ قسمت روشنی پا رہے ہیں۔ وہ جس کو تھوڑے دن ہوئے لوگ مخبوط الحواس اور بے وقوف سمجھ رہے تھے آج اُس کے علم و فضل کے دور دور تک چرچے ہونے لگے ہیں اُس کے شاگردوں کی جماعت میں بڑے بڑے علماء و فضلاء داخل و شامل ہوگئے ہیں اب اُسکے حلقہ درس میں ہزاروں شاگردوں کے جمگھٹے لگے رہتے ہیں اور جلیل القدر امراء و رؤساء مسایل فلسفہ کی دلچسپ تقریریں اور ابونصر کا دلاویز بیان سننے کے لئے حلقہ درس میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں شہرہ شدہ ابونصر کے علم و فضل کی خبر امیر سیف الدولہ کو پہنچی سیف الدولہ بڑا جوہر شناس و علم دوست تھا اُس کا دربار علم و فضل کا دربار تھا جس نے متنبی کے دیوان میں سیفیات کو پڑھا ہے اور تاریخ میں سیف الدولہ کا حال دیکھا ہے وہ سیف الدولہ کی عظمت و شان کا اندازہ کرسکتا ہے غرض سیف الدولہ نے ابونصر کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ طلب بلایا اور سیف الدولہ جیسے شہور امیر کو ابونصر کے فضایل کا اعتراف کرنا پڑا اور اس کے دربار کے اراکین ابونصر کو دیکھنا اور اس کی گفتگو کو سننا اپنا فخر سمجھنے لگے۔ اس کے ساتھ سیف الدولہ کے خزانے اور ہی تک میں تھے کہ جس طرح ہو سکے اُس کی

بلند نگاہ کو اجسام ترابیہ کی طرف متوجہ کریں۔ اور فانی لذتیں اُس پر غلبہ پاکر منازل نفوس باقیہ سے مہجور کردیں مگر وہ جو منظر اقدس کو دیکھتا ہے اور عالم اعلیٰ کی قمریوں کی انا شید مسکرہ ونغمہ مرقصہ ومطربہ کو سن رہا ہے طبائع اربعہ کی چار دیواری کا محصور ہو کر نہیں رہ سکتا۔ اور دنیائے دنی کی پست وکمزور آوازیں اُس کے کان تک نہیں پہنچ سکتیں چنانچہ ابونصر نے بھی اس سخت نازک موقع پر وہی کہا جو تمام اہل کمال کی سنت عامہ اور شریعت خاصہ ہے اس نے تمام بڑے بڑے عطیات ومناصب سے کمال بے توجہی کا اظہار کیا اور خودداری کے اعلیٰ جذبات اور عزت نفس کے پاک خیال میں اس نے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے نامنظور کردیئے اور نہایت بے دردی سے انہیں ٹھکرا دیا اس پر بھی چونکہ ہوم کو نیہ سے مطلقاً نجات پاتا اور ان کے اسباب ولفریب وحسرت فزا سے قطعاً منہ پھیر لینا فطرت انسانی کے خلاف ہے ابونصر نے صرف بقدر ضرورت ومایحتاج چار درم یومیہ قبول کرلئے[۵] سیف الدولہ کے یہاں سے یہی اُس کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔

ابونصر فیثون کا داماد اور دنیاوی عیش وطرز معیشت کا مقلد نہ تھا۔ بلکہ وہ خود انسانی زندگی کا ایک بہترین نمونہ تھا وہ اگرچہ راہبوں کی طرح ہستی بیکار اور جسم عالم کے لئے عضو معطل نہ تھا مگر اُس کا زہد اختیاری اُن سے کئی درجوں بڑھا ہوا تھا وہ اپنے ہر ایک قول وفعل سے دنیاوی جاہ ومنزلت کی ناقدری اور بے ثباتی کا فصیح وبلیغ واعظ اور اپنے ہر علم وعمل سے ابنائے دہر کا شفیق معلم تھا اُس کی ایک ایک ادا کہہ رہی تھی

دنیائے دنی اور یہ شوق تحصیل　　کیوں تم نے کیا اپنی ہمت کو ذلیل
سمجھو تو سہی کس کے عوض بکتے ہو　　کہتا ہے خدا متاع دنیا ہے قلیل

اُس کی زاہدانہ زندگی کی حد ہوگئی۔ مدت العمر اُس نے کوئی مکان محل نہیں بنایا۔ اور

---

[۵] وفیات الاعیان صفحہ ۷۰ جلد ۲

کبھی اس طرف توجہ نہ کی۔ ابونصر کا زمانہ مسلمانوں کے پابندیٔ شریعت اور عمل دینی کے انحطاط کا زمانہ تھا اس وقت جب خدا کا خوف دل سے نکل جائے اور انسانی نظر صرف اس دنیائے فانی کے تماشوں کو اپنے شوق سیر کے لئے بس سمجھے اور عاقبت اور روحانی بادشاہت کا خیال بھی وہم وخیال ہو جائے سنت الٰہیہ اور خطرات ذاتی کے اقتضا پر خواہشات اور لذایذ نفسانی غالب معلوم ہونے لگیں تو خدا کے فرشتے بھی اس کی بنائی ہوئی دنیا کو اوہی نظروں سے دیکھتے ہیں اور سارے عالم میں فسق وفجور کا بازار لگ جاتا ہے شیطان اور اس کی تمام فوج انسانی لباس میں آجاتی ہے ظلم وتعدی رشوت ستانی اور طمع زراندوزی کی طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے اور غریب آدمی ادنے ضرورتوں کو اہم واعلیٰ سمجھ کر اپنے آپ کو اپنی نظروں سے گرا دیتے ہیں غلامی کے ناپاک گناہ اور مخمورانہ دلوانگی سجود سے پیشانی خودداری پر داغ لگ جاتا ہے ایسے وقت میں ابونصر نے پہلے یہی مناسب سمجھا کہ قضا کے عہدے کو قبول کرے اور خلافت عباسیہ کے اسباب انحطاط اور امراء کے ظلم وتعدی کو برائے العین دیکھے اور مظلوموں کی فریاد منکرات کی دستگیری کرے مگر تھوڑے ہی دنوں بعد جب اس نے دیکھا کہ مرض لاعلاج ہے اور خود اس طبقہ میں آکر اپنے آپ کو ہاتھ سے کھو دینا ہے اس نے فوراً استعفا داخل کر دیا جا ابونصر کے طلب علم اور ذوق تحصیل کا یہ عالم تھا کہ جس زمانہ میں وہ منطق وفلسفہ کا ہزاروں شاگردوں کو درس دیتا تھا اسے معلوم ہوا کہ ارسطو کے فلسفہ کے لئے فصاحت وبلاغت کی بے انتہا ضرورت ہے اور وہ خود عربی کو اچھی طرح نہیں جانتا تو اس نے ابوبکر ابن السراج نحوی سے نحو سیکھنا شروع کر دی اور اسکے معاوضہ میں اسے منطق پڑھائی کمال وترقی کی صحیح تعریف اسی نے نہیں ہو سکتی کہ وہ محدود نہیں اور اہل کمال اسی وجہ سے ہمیشہ ترقی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کمال کا کوئی درجہ ناقص نہیں اسی باعث وہ منکسر المزاج اور متواضع ہوتے ہیں اور انہیں غرور نام کو نہیں ہوتا۔ ابونصر اس پایہ کا امام فلسفہ ہونے کے ساتھ کہ تمام متاخرین آجتک اسکے مقتدی ہیں (الا ماشاء اللہ)

بیحد متواضع تھا اور ذرا بھی اُسمیں غرور نہ تھا ارسطو کے فلسفہ کے دلائل میں اُس نے کس قدر عمدہ دلائل اضافہ کئے اور کس قدر مسائل کو نئے سرے تحقیق کیا اُن کو دیکھتے ہوئے اس واقعہ پر نگاہ کرنا چاہئے کہ جب اُس سے کسی نے پوچھا کہ تم زیادہ فلسفی ہو یا ارسطو تو اُس نے بلا تصنع برجستہ کہدیا کہ اگر میں ارسطو کے زمانہ میں ہوتا تو اُسکا ایک شاگرد رشید ہوتا[۵۱]

ابونصر نے نہایت محققانہ بلکہ مجتہدانہ انداز سے تمام اقسام فلسفہ پر اظہار خیالات کیا ہے یہانتک کہ موسیقی[۵۲] کا تو وہ بینظیر اُستاد مانا گیا۔ اُسنے ایک آلہ ایجاد کیا جسکا نام قانون ہے جس کے نغمے جذبات سامع میں آگ لگا دیتے تھے حلقہ سماع میں ہنسنا۔ رونا۔ سو جانا سننے والیکے اختیار میں نہ تھا۔ بلکہ ابونصر کے ارادہ اور الحان مرقصہ و مطربہ کے اشارہ میں تھا۔ ابونصر جب بغداد سے نکلکر حلب میں امیر سیف الدولہ کے دربار میں پہنچا تو ترکی لباس میں سیف الدولہ کے سامنے جا کھڑا ہوا سیف الدولہ نے بیٹھنے کا حکم دیا تو بے ساختہ اُسنے کہا کہ کس حیثیت سے من حیث انا۔ یا من حیث انت سیف الدولہ نے کہا کہ من حیث انت سنتے ہی آگے بڑھا اور سیف الدولہ کے مسند پر چڑھ کر اُس سے بہتر کر اُس وقت تک بیٹھا رہا جبتک کہ چوبداروں نے الگ نہ بٹھایا سیف الدولہ کے پس پشت اُس کے سلحٰ غلام کھڑے رہتے تھے انکے اسلحہ کی ادائیں آداب دربار کی بڑی زبردست پاسبان تھیں اُن کے ابرو نے شمشیر سیف الدولہ کے ادا فہم محافظ و نگران تھے سیف الدولہ نے اُن سے گفتگو کے لئے خاص زبان تصریر کی تھی اُس نے غلاموں سے اسی زبان میں کہا کہ اگرچہ اس بڈھے نے آداب شاہی کا لحاظ نہیں کیا لیکن عین اس سے کچھ پوچھتا ہوں اگر یہ جواب نہ دیسکے تو تم اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔ ابونصر نے یہ سنکر کہا کہ صبر کیجیے مروا خرین مبارک بندہ ایست سیف الدولہ کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اُسنے پوچھا کہ این تم یہ زبان بھی جانتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میں ستر[۵۳] کے قریب زبانیں جانتا ہوں پھر علمائے حاضرین سے ابونصر کی گفتگو ہوئی

---

[۵۱] وفیات الاعیان صفحہ ۷ جلد ۲ [۵۲] موسیقی یونانی فلسفہ کی تقسیم میں ریاضی کی ایک شاخ ہے [۵۳] علم اللسان کے فلسفہ سے باخبر اصحاب غالباً اسے مبالغہ نہ سمجھیں گے ۔

اور اُس نے ہرفن میں علما رکا ناطقہ بند کر دیا۔ علما رکو چپ کر دینے کے بعد اُس نے خود ہرفن میں تقریر شروع کی اور لوگوں نے لکھنا شروع کیا جلسہ مذاکرہ کے بعد سیف الدولہ نے اُس سے کھانے پینے کیلئے پوچھا جس کے جواب میں اُس نے صاف انکار کیا۔ سیف الدولہ نے جب کہا کہ اچھا کچھ سنو گے تو اُس نے بڑی خوشی سے اُسے پسند کیا اور سیف الدولہ کے حکم سے محفل رقص و سرود منعقد ہوئی اب تو کوئی ایسا سازندہ یا نوازندہ نہ تھا جسے ابونصر نے نہ ٹوکا ہو اور اُن کے گانے بجانے میں عیب نہ نکالا ہو سب نے اپنا اپنا کان پکڑا اور سب حضور بجا اور یا اُستا د ٹھیک ہے۔ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سیف الدولہ نے کہا کہ اچھا اب تم کچھ سناؤ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس فن کے بھی ماہر ہو۔ ابونصر نے کمر میں سے ایک تھیلی کھولی اور اُس میں سے کئی ایک لکڑیاں نکالیں پھر اُنہیں جوڑ کر اچھا خاصہ ایک آلہ بنا لیا جس کے بجانے سے نہایت دلکش نغمے پیدا ہوئے اور محفل کی محفل ہنستے ہنستے لوٹ گئی پھر اُس نے اُسے علیحدہ کر کے نئی ترکیب سے جوڑ کر بجایا تو سارے دربار کا روتے روتے بُرا حال ہو گیا پھر جب اُس نے تیسری دفعہ اُسے ترکیب نو سے بجایا تو سب درباری میٹھی نیند میں غافل ہو گئے دربان تک سو گئے ابونصر اُنہیں سوتا چھوڑ کر دربار سے چلدیا[۵۱]۔ ابونصر جب تک شام (دمشق وحلب) میں رہا نہروں کے کناروں کے باغوں کی سیر سے دل بہلاتا۔ اور وہیں کتب فلسفہ تصنیف کرتا تھا۔ اُس کے شاگرد اُس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور وہ انہیں چلتے پھرتے مسائل فلسفیہ لکھا دیتا تھا۔ اُس کی کتابیں اُسی بیسروسامانی کی وجہ سے اکثر ناقص اور ادھوری رہ گئی ہیں جو زیادہ تر تعلیقات[۵۲] ہیں۔ اُس کی مصنفہ کتابوں میں فلسفہ و منطق کے تمام مطالب پر تفصیلی مباحث موجود ہیں منطق میں اُس نے جو کتابیں لکھی ہیں اُس میں تمام غوامض و اسرار و دقائق حل کر دیئے ہیں۔

---

[۵۱] نگاران صفحہ ۷۷ جلد ۲ [۵۲] ابن خلکان صفحہ ۷۷ جلد ۲

"کندی" نے صناعۃ تحلیل وطریق تعلیم اصول میں جو تغافل برتا اسپر کافی بحث کی اور فصیح وبلیغ عبارتوں میں کلیات خمسہ پر کلام کیا اوران کے استعمال کا طریقہ ظاہر کیا اور صاف بتادیا کہ قیاس کی ہر جگہ اور ہر مادہ میں کیا کیا صورتیں ہوتی ہیں[1] منطق کے علاوہ فلسفہ پر اسکی نادر تصانیف ہیں جن میں سے ایک کتاب میں اسنے اقسام فلسفہ اور اسکے اغراض سے بحث کی ہے اس موضوع پر ابو نصر سے پیشتر کسی نے اسکی طرح خامہ فرسائی نہیں کی یہ کتاب طالب فلسفہ یونان کے لئے چراغ ہدایت تھی۔ ایک کتاب میں اس نے افلاطون اور ارسطو کے اغراض فلسفہ سے بحث کی ہے۔ اس کتاب میں اس نے پہلے علوم ومعارف کے حقائق سے کلام کیا ہے۔ اور پھر علوم کے نشو نما اور تشعب وتحول اقسام فلسفہ پر نظر ڈالی ہے اسکے بعد افلاطون کے اغراض فلسفہ پر گفتگو کی اور اسکی تالیفات پر تبصرہ کیا ہے اسکے بعد ارسطو کے فلسفہ پر بھی اسیطرح تبصرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں منطق وفلسفہ میں اسکی جتنی کتابیں ہیں ان میں سے ایک ایک کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی نسبت قفطی نے لکھا ہے لا اعلم کتاباً اجدی علی طالب الفلسفہ منہ میں اس سے بڑھکر کوئی کتاب فلسفہ میں مفید نہیں سمجھتا۔ اسکے علاوہ علم الٰہی وعلم مدن میں اسکی دو بےنظیر کتابیں ہیں ایک کا نام سیاست مدنیہ ہے اور دوسری کا نام سیرت فاضلہ۔ ان دونوں کتابوں میں اس نے ارسطو کے مذہب کے مطابق علم الٰہی کے متعلق عجیب نکتے ظاہر کئے ہیں اور مبادی ستہ روحانیہ اور پھر اس سے جواہر جسمانیہ کے وجود پر نظر کی ہے پھر نظام عالم ومراتب انسانی وقوائے نفسانی پر کلام کیا ہے اور روحی وفلسفہ میں فرق بتایا ہے۔ اسی طرح تفصیل کے ساتھ علم مدن پر بحث کی ہے اسکی تمام تصانیف خدا جانے کتنی ہونگی قفطی نے مفصلاً ۶۹ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے آجکل ابو نصر کی چند کتابیں ملتی ہیں جنکا تفصیلی ذکر اوران

[1] اخبار الحکما قفطی ص ۱۸۲

پر تبصرہ کسی اور موقع پر محمول کیا جاتا ہے۔

ابو نصر کو جو ارسطو کے فلسفہ سے اسقدر شغف تھا اسکی وجہ سے اکثر فقہا اس سے بہت مکدر وہ تھے اور ارسطو کے فلسفہ کی کفریات کو ابو نصر کی کتابوں میں دیکھکر اسکی تکفیر کے قائل ہو گئے تھے[۱] اسوقت اس سے بحث کرنا ہم بیکار سمجھتے ہیں۔ لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ابو نصر نے کہیں بھی ان مسائل کو اپنے اعتقادیات میں شامل نہیں کیا اور نہ وہ انپر ایمان رکھتا ہے ابو نصر کے معاصرین میں ایک شخص ابو البشر متی ابن یونس تھا جو اگرچہ اس سے عمر میں بڑا تھا مگر ذہن وفہم اور شہرت و تصانیف میں ابو نصر کے مقابل نہ تھا۔ متی کی وفات ایام خلافت "راضی" میں بغداد میں ہوئی[۲] منطق میں متی کی کتابیں اسوقت علما کی معتمدہ کتابیں تھیں اور بغداد میں ابو نصر شروع شروع اسکے حلقہ درس میں بیٹھا کرتا تھا۔ بعض علما کی رائے ہے کہ فلسفہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ابو نصر نے متی سے سیکھا۔ ابو نصر اسے بغداد ہی میں چھوڑ کر حلب میں سیف الدولہ کے پاس آگیا تھا جہاں ایک مدت تک وہ تحصیل و تدریس فلسفہ میں مشغول رہا پھر اُس کے ساتھ دمشق گیا جہاں اسے ۳۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔ ابو نصر نے اسّی سال کی عمر پائی اور مرتے دم تک تعلیم فلسفہ میں مصروف رہا۔

سیف الدولہ نے اپنے ۱۵ ارکین کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی اور شہر دمشق کے باہر باب صغیر کے پرے یہ قیمتی آفتاب زیر زمین چھپا دیا گیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ۳۳۸ھ میں ابو نصر نے مصر کا سفر کیا تھا جہاں سے لوٹکر دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں ماہ رجب ۳۳۹ھ ہجری میں انتقال کیا اور سیف الدولہ نے چار خاص اعیان دولت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔

راغب الجیلانی (بدایوں)

---

[۱] قفطی صفحہ ۱۷۹ [۲] ابن خلکان صفحہ ۷۶ جلد ۲

فصلِ گل

ماخوذ از نظم سروجنی نائیڈو صاحبہ

نیرنگِ حُسن و عشق سے ہیں بیقرار پھول
کیا کیا دکھا رہے ہیں چمن میں بہار پھول

موجیں ہوا کی نغمہ و لکش سے کم نہیں
فرطِ خوشی سے باغ میں ہیں بیقرار پھول

آغوش میں زمین کے عروس بہار ہے
پہنے ہوئے ہیں پیرہنِ رنگ نگار پھول

آبِ رواں ہے محو صفِ برگ نیلوفر
بادام کے درخت پہ ہیں بے شمار پھول

سایہ پڑا ہے طرۂ دستارِ یار کا
انجم سے ہیں چمکیں سوا تاجدار پھول

ہر شاخ پر کھلی ہیں جو کلیاں انار کی
گویا چمن کے ہیں کلہِ افتخار پھول

خوشیاں منا رہے ہیں حسینانِ شہرِ رنگ
ہوتے ہیں بار بار جواں پر نثار پھول

جو آئے اس چمن میں ہوئے محوِ شستِ چمن
کس کس ادا سے کھیل رہے ہیں شکار پھول

ہیں صبح و شام محوِ تماشائے فصلِ گل
گویا ہیں زینتِ چمنِ روزگار پھول

جھونکے ہیں عطر بیز نسیمِ بہار کے
بوئے حنا و سیب سے ہیں عطر بار پھول

اے گلرخانِ دھرا و ٹھہ خوابِ ناز سے
کہتے ہیں دھوم جھوم کے یہ بار بار پھول

چلکر وفا کے ساتھ کرو سیرِ باغ کی
دکھلا رہے ہیں صنعتِ پروردگار پھول

وفا صدیقی

سیدھا مسلمان

منشی شریف احمد ایک نیک مزاج اور سیدھے آدمی تھے۔ چودھویں صدی میں پیدا ہوئے اور اسی مفسد دنیا میں رہے مگر انہوں نے آجتک چنے کا کھیت بھی نہیں دیکھا روپے کے پیسے نہیں گنتا آتے تھے لیکن دل کے بہت صاف جو بات جس نے کہدی انکو یقین آگیا دوستوں نے احباب نے سیکڑوں دھوکے دئے مگر یہ خدا کے بندے ہمیشہ سچ سمجھا کئے نئی روشنی والے تو انکو دیکھکر ہنستے تھے اور اپنی صحبت کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور انکی دوستی بھی عجیب قسم کی دوستی تھی محلے کے کچھ غریب نادار انکے بھائی بند تھے شیخ بقر عیدی سے انکی صاحب سلامت میاں رمضانی سے انکی ملاقات ایسے ایسے لوگوں سے بھائی چارہ تھا۔ آمدنی بھی معقول تھی خدا کے فضل سے مختار پیشہ تھے کم سے کم مہینے میں سو روپیہ ملجاتا تھا اچھے اچھے وکیل انکا منہ دیکھا کرتے تھے مگر وضع سیدھی سادھی تنزیب کا کرتہ تنزیب کا انگرکھا مارکین کا پائجامہ ڈھیلی موری کا سر پر روپہلے والی ٹوپی پاؤں میں چمڑے کا جوتہ ہاتھ میں بانس کی لکڑی لمبی ڈاڑھی مونچھ ندارد سر پر بال بغل میں قانون کا بستہ موکل کے کاغذات دن بھر ایک پاؤں سے پھرنا کھانا بھی معمولی چنے کی دال ماش کی دال ارہر کی دال روٹی موٹے چاول آٹھویں دن گوشت ترکاری گھر والی کھانا پکایا کرتی تھی نہ کوئی مامانہ کوئی نوکر۔ لوگوں کا خیال تھا کہ شریف جیسے بڑے مالدار ہونگے آمدنی تو اسقدر اور گھر میں خاک اڑتی ہے مصیبت سے زندگی بسر کرتے ہیں یقینی دولت جمع کی ہوگی مگر یہ بات غلط تھی شریف احمد کنبہ پرور اور خدا ترس آدمی تھا اسکی دولت لوگ چکھ لیتے تھے بہت کھا جاتے تھے ایکدن شیخ بقر عیدی نے کہا اسوقت مجھے سخت ضرورت ہے دس روپیہ کہیں سے دلوا دیجئے آج کے آٹھویں دن

ادا کردونگا آپ نے حوالے کردئے آٹھ دن کے آٹھ برس ہوگئے بہت کچھ تقاضا کیا ڈرایا دھمکایا نالش کرونگا ایک کے چار دینا پڑیں گے گھر نیلام ہوجائیگا مگر شیخ صاحب نے سماعت نہ کی روپیٹ کر بیٹھ رہے۔ گھر کے پاس میر نقی رہتے تھے بہت نیک آدمی شریف غریب ایک دن شریف احمد کے پاس آئے اور قدموں پر گر پڑے اسوقت آپ کے ہاتھ آبرو ہے ہمارے عزیزوں میں شادی ہے ہمو کے پاس ایک تار نہیں ہے اگر کچھ زیور ایک رات کے واسطے دیدیجئے تو آپ کا عمر بھر کا احسان ہوگا آپنے بیوی سمجھا بجھا کر سب کا سب لاکر حوالے کردیا وہ لیکر روٹھکر ہوئے کچھ دنوں روپوش رہے اسکے بعد منہ چھپایا کئے جب سامنے سے آتے دیکھا راستہ کاٹ کر چلے گئے کچھ دنوں کترا کترا کر چلتے رہے پھر وہی ملاقات وہی بات چیت وہی صاحب سلامت مرد خدا نے منہ سے اف تک نہ کی۔

میاں بیوی کے مزاج میں تھوڑا فرق تھا میاں تھے فقیر دوست اور غریبوں کی محبت رکھنے والے اور انکی خدمت کرنیوالے اور ان سے بھائی چارہ رکھنے والے۔

بیوی چاہتی تھیں ہمارے گھر میں ایسے لوگ نہ آئیں ہم ایسے لوگوں سے ملیں جو شہر میں نامی دولت مند ہوں زمانے کا رنگ بدل چکا ہے اب عزیزداری اور قرابت تو پوچھی نہیں جاتی دولت پوچھی جاتی ہے اور زر پرستی کیجاتی ہے لالچی لوگ جسکو دیکھتے ہیں مالدار ہے اسکے یہاں ہر وقت کھڑے رہتے ہیں اسکو بڑے بڑے تحفے بھیجکر حصہ داری پیدا کرتے ہیں اور امیروں سے رئیسوں سے اپنی ملنساری بڑھانے میں ویسی ہی عمدہ عمدہ پوشاک اچھا مکان رکھنے کی ضرورت ہے۔

یہ اپنے خالو کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھیں آمدنی تو انکو بھی سو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ تھی مگر گھر میں دو مامائیں باہر ایک نوکر گھر نمونہ جنت بنا ہوا قد آدم آئینے جھاڑ کنول فانوس سے آراستہ پر تکلف فرش بچھا ہوا نفیس نفیس کرسیاں باہر کا کمرہ انگریزی طرز معاشرت کے موافق سجا ہوا ایک چھوٹا پانچ پانچ مکان خالو جان کے ہاتھوں میں فیروزے کی

انگوٹھیاں سونے کا چین لگائے ہوئے آدمی گنگا جمنی خاصدان چاندی کی لٹیا لئے ہوئے ساتھ ساتھ آج ڈپٹی صاحب کے یہاں پلاؤ مسفیدے کے خوان چلے جاتے ہیں کل تحصیلدار صاحب کے یہاں کھیر کی قفلیاں بھیجی جاتی ہیں کوئی بیرسٹر کوئی وکیل کوئی ڈپٹی کوئی تحصیلدار کوئی حکیم کوئی ڈاکٹر ایسا نہیں جس سے خالو جان سے دانت کاٹی روٹی نہو۔

دروازے پر روز ایک نہ ایک بگھی لگی رہتی ہے ساٹھ ستر روپیہ مہینہ انہی خاطر مدارات میں صرف ہوتا ہے بڑے بڑے جتھے کھانے میں آتے ہیں۔

بیوی نے میاں کو بھی اسی رنگ پر لانا چاہا کہا سنو صاحب امیروں سے ملنے میں بڑے بڑے فائدے ہیں دیکھو ہمارے خالو خدا رکے تم سے آمدنی زیادہ نہیں ہے مگر کسقدر نام اور کتنی عزت کتنی شہرت ہے آج بڑے بڑے لوگ ان سے ملنے آتے ہیں آدمی کو اپنی عزت بڑھانا چاہیے پہلے اپنے مکان کی حیثیت درست کروا اپنی وضع بدلو گھر میں دو چار نوکر رکھو مانا اللہ میری آنکھو نہیں خاک تم بھی ڈیڑھ سو روپیہ مہینے سے کچھ کم نہیں کماتے ہو مگر برکت خاک نہیں چولھے پر تو ابھی فلیپ نہیں اس زمانے میں عزیز داری کا خیال رکھنا پہلی بیوقوفی ہے یہ لوگ چاہتے ہیں ہمارے جیسے یہ بھی ہو جائیں اور جہاں کسی مورکھ کو پاتے ہیں پونچ کہاتے ہیں مگر وہ کاٹے کا الواں باتوں کو مطلق خیال میں نہ لاتا ہوں ہاں کر کے خاموش ہو جاتا اور دن رات کے طعنے سنا کرتا برابر دونوں میں چخ چلا کرتی۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا قرینہ بدلنا دشوار معلوم ہوتا ہے ہمیں تک نہیں کہ شریف احمد مرنجان مرنج آدمی تھا اور اپنی زبان اپنے ہاتھ سے کسی کو ایذا دینا نہیں چاہتا تھا اور غریب لوگوں سے بہت محبت سے ملتا تھا اور انکا کام کرنے میں عار نہیں سمجھتا تھا یہ سب باتیں اس سے چھوٹنا ناممکن تھیں

(۴)

خالو جان پر فالج گرا انکی آمدنی میں فرق آگیا مکان بکنے لگے پرانے ملنے والے دو چار دفعہ تو دیکھنے کو آئے پھر کے بعد رسم ملاقات برطرف ہو گئی اور اب بلانے پر بھی

کوئی ادہر کا رخ نہیں کرتا اپنے عزیز تو پہلے ہی سے بہرے بیٹھے تھے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی مکان اور گھر گرستی بیچ بیچ کر کھا گئے بیچارہ شریف احمد خدا ترسی کرکے آٹھویں دن انکے مکان پر جاتا کوئی چیز کی ضرورت ہوتی لا دیتا سب کی خیریت پوچھتا اور بہت افسوس کرتا مدتوں تک انکی خدمت کرتا رہا خود بڈھا ہو گیا صحت نے جواب دیا آمدنی میں فرق آگیا محلے کے غریب غربا اسکے دوست تھے وہی کچھ کام آئے کام کاج سب کر دیتے تھے دوا دارو من لا دیتے تھے سودا سلف کر دیتے تھے روپیہ پیسہ سے بھی اپنی حیثیت کے موافق پیش آتے تھے بھائی بند اسکی نیک مزاجی سے خوش تھے خرچ کچھ ایسا نہ تھا مگر جب آمدنی مفقود ہو جاتی ہے تو آخر کھانے کو کہاں سے آئے ایکدن بیٹھے بیٹھے خیال آیا

راجہ مومن علی کی مدت تک خدمت کی ہے ان کے بہت سے مقدمے مفت کر دئے اسوقت انکو خدا نے زمیندار سے راجہ بنا دیا ہے ہو سکے تو کچھ ان سے بیماری کی حالت میں قرض مانگنا چاہیئے شاید دے نکلیں یہ خیال کرکے خوشحال ہو گیا راجہ صاحب سے ملاقات کی اور اپنا سب حال کہا آنے کا سبب بیان کیا

انہوں نے کہا شریف احمد تم نے ہمارا ساتھ تنگدستی میں بہت کچھ دیا ہمارے مقدمات کی پیروی مفت کی ہمارے ساتھ دورے پر اپنا وقت صرف کیا ہم تمہاری ان باتوں سے بہت خوش ہیں اور لوگ بھی تمہاری تعریف ہم سے برابر کرتے رہے تم اگر جوانی میں پیسہ جمع کرتے تو آج بڑھاپے میں اتنی تکلیف نہ اٹھاتے لیکن تم نے خدا ترس دل پایا تھا لوگوں نے جعل فریب کرکے تمہاری دولت کھا لی اس سبب سے تم کو آج قرض مانگنے کی نوبت آئی ہم اپنی سرکار سے تمہاری پرورش کے لئے تیس روپیہ ماہوار مقرر کرتے ہیں تم سے کوئی خدمت نہیں لیجائیگی اور یہ تنخواہ تاحیات تم کو ملیگی غالباً تمہاری ضرورتیں اس تنخواہ سے پوری ہو جائیں گی اور بھی وقتاً فوقتاً ہم تمہاری خدمت کرتے رہیں گے تم نیک دل شریف آدمی اور سچے مسلمان ہو مجھے امید ہے کہ تم

مجھ سے ہمیشہ ملا کروگے اسوقت میاں شریف احمد کو خدا کی رزاقی کا قائل ہونا پڑا اور سر جھکا کر سب سے پہلے خدا کے سجدے میں گر پڑے اور کہا خدا حقیقت میں ہر ایک کو اس کی مزدوری دیتا ہے میں اپنے دل میں افسوس کر رہا تھا کہ میں نے اپنا اس قدر روپیہ محض غریب پروری میں کیوں برباد کیا اور میری زندگی کس مصیبت اور محنت سے کٹے گی۔ مگر قربان جائے اس خدا کے اس نے میری خبر اس یکسی میں لی میں نے ایک کتاب میں نصیحت دیکھی تھی کہ دو خصلتوں سے بہتر کوئی شئی نہیں ایمان ساتھ اللہ کے اور نفع دینا مسلمانوں کو اسبات پر کاربند ہونے میں مجھے بہت سے نقصان پہونچے اور بہت ایذا اٹھائی اور بہت رنجشیں مول لیں۔ بہت زحمتیں حاصل ہوئیں اور بہت بیوقوف بننا پڑا اور بہت ذلت اٹھائی مگر آخر میں خدا نے اپنا فضل کیا

مومن علی نے کہا نہیں میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا آپ نے خدا کے بندوں کے ساتھ بہت احسان کئے ہیں میں آپ کو زیادہ آرام دینا چاہتا ہوں کہ سو روپیہ ماہوار آپ کی ضرورت کے لئے کافی ہوگا۔ میرے خیال میں آپ کی آمدنی اس سے کم نہ تھی میں چاہتا ہوں اس حقیر ہدیے کو آپ قبول فرمائیں

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

ضروری گذارش "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ ان کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

"منیجر"

ایک تو یہ کہ آل سلجوق کبھی غیر مذہب والوں سے مفتوح و مغلوب نہیں ہوئے اور دوسرا یہ کہ آل سلجوق نے اسلامی علوم و فنون کی جو سرپرستی کی ہے اس کا عشر عشیر بھی عثمانیوں سے نہو سکا۔ آل سلجوق کا عہد اسلام کے عہد زریں میں شامل ہے آل سلجوق نے کثرت سے اسلامی مدرسے قائم کئے۔ مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھوائیں نئی نئی زیج تیار کرائی۔ فارسی شاعری کو حد کمال کو پہنچایا۔ علما۔ صلحا اور شعرا کی قدر افزائی کی۔ اور انہیں محتاجی سے مستغنی کیا۔ مگر افسوس ہے کہ تاتاری سیلاب نے ان کی کل یادگاروں کو دریا برد کر دیا۔

ایک تیسری وجہ بھی آل سلجوق کی بزرگی کی بیان کی جا سکتی ہے۔ آل سلجوق کا ان کے کمال عروج کے زمانے میں کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اسلامی دنیا کیا بلکہ کل روئے زمین میں بھی۔

مصر میں بنو فاطمہ کی سلطنت روبہ انحطاط تھی۔ افریقہ میں ابھی موحدین کی سلطنت قائم نہ ہوئی تھی۔ یورپ میں بھی کوئی زبردست سلطنت نہ تھی مشرقی رومن ایمپائر کے قیاصرہ کا سلسلہ البتہ چلی رہا تھا مگر صرف نام ہی نام تھا آل عثمان کے زریں عہد میں ہندوستان میں مغلوں کی پرشوکت و باجبروت بادشاہت خوب عروج پر تھی اور پوری مدمقابل اور یورپ میں ہسپانیہ عظمی کا ستارہ پورے عروج پر تھا۔ اور عثمانیوں کا حریف مقابل۔

آل سلجوق کا عہد زریں الپ ارسلان و ملک شاہ کا عہد سلطنت ہے یعنی ۴۵۵ھ سے ۵۸۵ھ ہجری المقدس تک کل تیس سال۔

اس ۳۰ سال کی مدت میں زمام وزارت خواجہ نظام الملک طوسی کے ہاتھ میں رہی۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ نے اپنی سلطنت کا کوئی کام بغیر خواجہ بزرگ کے مشورہ کے نہ کیا۔ کوئی اہم معاملہ ایسا نہیں ہوا جس میں خواجہ بزرگ کی تدبیر کو

دخل نہ ہو۔ گویا آل سلجوق کا عہد زریں خواجہ بزرگ کی وزارت پر مشتمل ہے۔

مولوی عبدالرزاق صاحب نے خواجہ بزرگ کے مفصل کارنامے و سوانحات عمری اردو میں بڑی قابلیت سے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ تصنیف زبان اردو میں ایک مفید و مستقل اضافہ ہے اور مسلمانوں کی داستان کہن کا ایک شاندار باب۔ خدا مولانائے موصوف کو اس محنت کی جزائے خیر دے۔

دیکھنا یہ ہے کہ آل سلجوق کے اس عہد زریں میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی۔ کتاب نظام الملک طوسی میں اس عہد زریں کے کل اہم واقعات معرض تحریر میں آگئے ہیں اور جزوی معاملات پر بھی اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے تصنیف مذکور میں جو حالات درج ہیں ان کی بنا پر مسلمانوں کی حالت سے بحث کی جائیگی یہاں حالت سے مراد خصوصاً سیاسی حالت ہے۔

(۱) آل سلجوق میں سلطنت کی وراثت کا کوئی قانون مقرر نہ تھا۔ اس لئے ہر بادشاہ کی وفات پر اس کے لڑکوں اور دیگر عزیزوں میں خانہ جنگی ہوا کی ہے۔ مندرجۂ ذیل واقعات سے اس بات کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

۴۵۵ھ ہجری میں چغری بیگ نے بمقام بلخ قضا کی اور الپ ارسلان اپنے باپ کی جگہ سریر آرا ہوا مگر اس کے بھائی سلیمان نے تخت و تاج کا دعوے کیا۔ اور اس میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ قتلمش نے جو سلجوق کا پوتا تھا خروج کیا اور دوسری طرف سے قادر الپ ارسلان کے دوسرے بھائی نے بھی بغاوت کی۔

الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ ملک شاہ کو اس نے اپنے عین حیات میں ولی عہد کیا تھا اور بڑی شان و شوکت سے یہ رسم ادا کی تھی تاہم قادر و نے خروج کیا۔ تکش جو ملک شاہ کا حقیقی بھائی ہے دوسری طرف سے اٹھا کہ تاج و [illegible] کو لے۔ ملک شاہ کے مرتے پر اس کے لڑکوں برکیارق و محمود میں خانہ جنگی

شروع ہوئی۔

گویا بادشاہ کی وفات خانہ جنگی کے لئے صلائے عام تھی۔ ان خانہ جنگیوں نے نہ صرف فریقین کو بلکہ رعایا و ملک کو بھی بیحد نقصان پہنچایا ہے۔ ہر حکمران خاندان کے کمزور و زوال پذیر ہونے کی بڑی وجہ یہ خانہ جنگیاں تھیں جب تک کہ مختلف مدعیان تاج و تخت میں سے کوئی ایک کامیاب ہو کر دوسروں کو فنا نہ کر دیتا۔ ملک میں ایک طرح سے عام غدر رہتا تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ شاہی خاندان کے ارکان کے سوا سلطنت کے ارباب حل و عقد بھی کسی دعویدار تخت کی طرفداری میں کسی اصول کے پابند نہ ہوتے تھے۔ ذاتی تعلقات و آئندہ توقعات کی بنا پر طرفداری کی جاتی تھی۔ اور قوم تو گویا وراثت سلطنت سے بالکل بے تعلق تھی۔

عدم قانون وراثت سلطنت سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو جتنا نقصان پہنچا ہے اتنا کسی اور سبب سے نہیں پہونچا۔

اسلام نے وراثت کے بارے میں بہت ہی منصفانہ احکام جاری کئے ہیں اور انکی تعمیل پر بہت زور دیا ہے۔ اگر سلطنت کو شخصی ملکیت سمجھا جائے تو ضروری ہے کہ سلطان کی وفات پر اس کی اولاد میں تقسیم ہو۔ ایسا تو مسلمانوں کی سلطنت میں شاید ایک دفعہ ہی ہوا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنی مملکت کو مامون و امین میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور شہنشاہ بابر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مگر دونو موقعوں پر تقسیم راس نہ آئی۔

اور اگر سلطنت کو قومی و ملی ملکیت سمجھا جائے تو شاہی خاندان کا کوئی قابل ترین رکن سلطان ہونا چاہیئے۔

مسلمانوں کے دوسرے حکمران خاندانوں میں اس منصفانہ قاعدہ پر بہت ہی کم عمل ہوا ہے۔ بخلاف اس کے یورپ میں ازمنہ مظلمہ کے قبل ہی سے وراثت سلطنت کا قانون گویا بن گیا تھا اور وہ قانون وراثت ولد اکبر ہے۔ مسلمانوں نے عموماً سلطنت کو شخصی ملکیت سمجھا ہے۔

(۲) آل سلجوق کے عہد میں سلطنت کا کوئی اساسی قانون نہ تھا۔ بادشاہ کے فرائض و حقوق متعین نہ تھے اور نہ اُس کے اختیارات کی کوئی حد تھی۔ سلطان خود مختار اور مطلق العنان ہوتا تھا اور اس کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ آل سلجوق کے عہد کے سلمانوں نے سلطان کی اس مطلق العنانی کو مان لیا تھا کہ عین قانون فطرت کے مطابق ہے۔ تعجب تو اس لئے ہوتا ہے کہ سلجوقیوں کے دور میں سلمانوں کی تعلیم اوج کمال پر تھی۔ قوم کا طبقہ متوسط عموماً تعلیم یافتہ تھا اور طبقہ اعلےٰ کی تعلیمی حالت موجودہ زمانہ کے برعکس نہایت اچھی تھی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ قوم نے سلطان کی اس مطلق العنانی اور غیر محدود اختیارات کو کیسے قبول کر لیا۔ جبکہ مذہب کی طرف سے اس کی اجازت تو کجا مخالفت موجود تھی اور اسلام کے اول حاکموں کا عمل درآمد اس کے خلاف تھا۔

(۳) آل سلجوق کا کوئی مستقل دار السلطنت نہ تھا جس سلطان کو جو شہر پسند آیا وہی اس وقت کے لئے پائے تخت ہو گیا۔

مثلاً چغری بیگ کا دار السلطنت مرو تھا۔ اور طغرل کا ری۔ الپ ارسلان کو بھی رے پسند تھا مگر ملک شاہ نے اصفہان کو ترجیح دی۔ سنجر نے نیشاپور کو زینت بخشی۔

سلطنت کے لئے دار السلطنت بمنزلہ دل کے ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف شہروں کے مستقر بنانے سے سلطنت کو کامل اقتصادی استقلال نہیں حاصل ہوتا ہے۔ جب تک دار الحکومت ہونے کی عزت حاصل رہی تب تک وہ شہری ترقی کرتے رہتے ہیں اور جب دوسرا شہر سرفراز ہی پاتا ہے تو پہلے شہر کی ترقی رک کر تنزل شروع ہو جاتا ہے۔

اہل دربار اور اہل کمال دوسرے دار السلطنت کو چلے جاتے ہیں۔ آبادی

گھٹ جاتی ہے۔ تجارت کو بڑا صدمہ پہنچتا ہے۔ عمارات جو لاکھوں روپیہ کے خرچ سے بنوائی گئیں تھیں بوسیدہ ہو کر گر جاتی ہیں۔

سلطنت کا کوئی مستقل مرکز نہ ہونے سے شاہی خاندان کو کسی شہر سے خصوصیت نہیں ہونے پاتی ہے اور شخصی بادشاہت کے لئے یہ برا ہے سیاسی ارتقا کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ملک کا کوئی مستقل مرکز رہے۔ انگلستان کی عظمت و ترقی میں لندن کی مرکزیت کو بھی دخل ہے۔

(۴) سرکاری ملازمت کے متعلق کوئی قانون نہ تھا اور نہ کسی خدمت کے فرائض و حقوق متعین تھے۔ فوجی و غیر فوجی خدمت مختلط تھی۔ مختلف و متضاد کام ایک ہی شخص سے لئے جاتے تھے جیسے نظام الملک طوسی کہ وزیر بھی تھا اور قلعہ گیر فوج کا افسر بھی۔ ہر سرکاری ملازم کو علمی قابلیت کے سوا دربار داری کی قابلیت بھی پیدا کرنی پڑتی تھی اور دربار داری کے کل لوازمات جس میں خفیہ مخبری اور غیبت بھی شامل ہیں سیکھنا پڑتے تھے۔

کسی خدمت کی تنخواہ متعین و مقرر نہ تھی۔ اور نہ وظیفہ دینے کا قاعدہ تھا۔ تنخواہ یا جاگیر یا منصب کا مدار محض سلطان وقت کی خوشی پر تھا۔

(۵) ہر امیر یا وزیر یا ہر اعلیٰ عہدہ دار کے لئے زوال لازمی تھا۔ ہر وزیر یا تو قتل کر دیا گیا ہے۔ یا ذلیل کر کے نکالا گیا ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اعلیٰ عہدہ دار نیکنامی سے ترک ملازمت کر کے گوشہ عافیت اختیار کرتا۔ مثلاً عمید الملک کندری طغرل کا وزیر تھا۔ الپ ارسلان نے بھی اس کو وزارت پر برقرار رکھا مگر تھوڑے ہی دنوں میں قید کر دیا۔ اور ایک سال کے بعد قتل۔ نظام الملک طوسی کو ملک شاہ نے معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ تاج الملک مقرر ہوا۔ تاج الملک کا بھی وہی حال ہوا۔ کسی عہدہ دار کی بددیانتی اور بے اعتدالیوں کی باقاعدہ تحقیقات کرنے کا دستور

ہی نہ تھا۔ اس طرح کہ الزامات قائم کرکے اس سے جواب طلب کیا جائے اور اس کو اپنی برأت ثابت کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ اور پھر فیصلہ کیا جائے۔

ہر عہدہ دار کی جان و مال غیر محفوظ تھا۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی کو معزول کیا گیا ہے تو اس کے ماتحت عملہ کو بھی بلا تقصیر معزول و برطرف کیا گیا۔

(۶) آل سلجوق کے عہد میں کامل مذہبی آزادی ہمیشہ نہ رہی۔ باوجودیکہ قوم اچھی تعلیم یافتہ تھی۔

عمید الملک کندری نے اپنے عہد وزارت میں سلطان طغرل کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا کہ خطبہ میں روافض پر لعنت کی جائے اور اشاعرہ کے متعلق بھی ایسا ہی حکم صادر کیا گیا۔ عمید الملک کے زمانہ میں دونو فرقوں کے ائمہ پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس۔ اسی لئے امام الحرمین و امام ابوالقاسم قشیری نے ناراض ہوکر ہجرت کی۔

(۷) آل سلجوق کا زمانہ تو اسلامی علوم و فنون کے عروج کا زمانہ تھا۔ گھر گھر تبلیغ پھیلی ہوئی تھی اور در و دیوار علمی صداؤں سے گونج رہے تھے۔ یہ سب سچ مگر ایک واقعہ کتاب نظام الملک طوسی میں ایسا بیان کیا گیا ہے جو ان حالات کی تردید کرتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفا کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ علم حاصل کرنے نہ پائیں۔ چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنا پر نامنظور کر دیا۔ دینور کے ایک کاشتکار نے خواجہ کی وساطت سے یہ درخواست دی کہ اس کے لڑکے کو تعلیم کی اجازت ملے۔ مگر سلطان ان اجازت دینا تو درکنار خواجہ پر سخت غضب ناک ہوا اور کہا کہ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آئندہ زمانہ

میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لے کر نااہلوں کو حصول علم کی اجازت دی۔

(۸) سرکاری حساب وکتاب باقاعدہ مرتب نہ ہوتا تھا۔ اور نہ سلطان کو اپنی سلطنت کے محاصل ومخارج کا علم ہوتا تھا۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی آمد وخرچ کا کوئی باضابطہ حساب ہی نہ رکھا جاتا تھا۔ اس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ ملک شاہ نے محسن بن صباح کے اغوا سے نظام الملک طوسی سے دریافت کیا کہ تمام سلطنت کے آمد وخرچ کا مفصل حساب کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو۔ نظام الملک نے عرض کیا کہ بڑی کوشش سے ایسا حساب دو سال میں مرتب ہو سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلطنت کے جملہ محاصل وجملہ مخارج کا کوئی حساب ہی نہ رکھا جاتا تھا۔ ایک مہذب سلطنت کے لئے یہ امر قابل افسوس ہے

(۹) اسلام نے مشورہ پر بہت زور دیا ہے اور اسلام کے اول حکمرانوں نے ہمیشہ مشورہ کی عملاً تائید کی ہے۔

مگر آل سلجوق کے عہد میں رائے ومشورہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ اس کی کوئی وقعت تھی۔ سلطان اپنے ملازموں کے سوا کسی سے مشورہ ہی نہ کیا کرتا تھا۔

(۱۰) اشاعت اسلام کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اور نہ یہ کوشش ہوئی کہ مختلف النسل اسلامی اقوام سے ایک قوم بنائی جائے۔ ترک۔ ترک ہی رہے اور ایرانی۔ ایرانی ہی +

عزیز نظامی

ادب آموز

کر رہا ہے کیا جاہل کیا یہ تیرے شایاں ہے
عقل تجھ میں ہے غافل شکر کر تو انساں ہے

سعی ناقص اور کاہل ہے جہاں میں لاحاصل
یاں ذریعہ کامل کوشش نمایاں ہے

یہ تیری شرافت ہے یا یہ شر و آفت ہے
سینہ میں کدورت ہے دل میں شوق عصیاں ہے

لعل بے بہا گوہر لیدِ مرگ ہیں پتھر
چند روزہ ثروت پر اس قدر تو نازاں ہے

عُجب تاج سلطانی ہے عجب یہ نادانی
آدمی سے حیوانی یہ خطا و نسیاں ہے

ہو قناعت اک نعمت اس سے ملتی ہے راحت
ہے تیری بری نیت اس لئے پریشاں ہے

یار ہو تو شاطر ہو جس کو پاس خاطر ہو
وقت پر جو حاضر ہو دوستی کے شایاں ہے

نیک ہو اگر عورت وہ مکان ہے جنت
زن اگر ہو بدسیرت گھر نہیں وہ زنداں ہے

تو کرے خطا عصیاں وہ کرے عطا احساں
فضل و بخشش یزداں تجھ پہ کیسا انساں ہے

میں ہوں عبد بدکردار تو کریم ہے غفار
میں ظلوم و عصیاں کار تو رحیم و رحمان ہے

ہو گدائے بے ساماں کوئی کوئی ہے سلطاں
ہے یہاں کوئی خنداں اور کوئی گریاں ہے

خار رنج و ایذا کا مفسدوں کو ہے کھٹکا
اسکو خوف ہی ہے کیا جسکا پاک دامان ہے

کس سے ناز اٹھیں اسکے سر پہ یہ رہا جس کے
رہ گیا ہے وہ پس کے ایسا بارِ احساں ہے

یہ ہے گردشِ دوراں کاخ تھے جو عالی شاں
خاک میں ہوئے پنہاں در ہے اب نہ دربان ہے

سن تو بلبلِ شیدا کہہ رہی ہے سوسن کیا
خارزار کل ہوگا آج یہ گلستاں ہے

خوان نعمت الواں چہ ہے مجمع یاراں
وقتِ بد میں اے ناداں کون کس کا پرساں ہے

چاہتے ہو گر راحت
اے وحید کر محنت
اس سے گھٹتی ہے نکبت
بڑھتی عزت و شاں ہے

وحید

غالب اور شعرِ فارسی

(بلسلۂ اشاعت گذشتہ)

گذشتہ نمبر میں ہم نے غالب کا فارسی کلام اور غالب کا اردو کلام پیش کیا ہے اور دکھلایا ہے کہ غالب نے مضامین کو اردو کا جامہ پہنانے میں اپنی وہبی قوت شاعری سے کسقدر مدد لی اور اردو کی شاعری کو جذبات اور حیات کا لباس پہنانے میں کس قدر جانکاہی سے کام لیا اس نمبر میں ہم غالب کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جنسے معلوم ہوگا کہ انہوں نے فارسی کے دیگر اساتذہ کے مضامین کو کس حسن خوبی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ مثلاً خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

زہے عمر دراز عاشقاں گر — شب ہجراں حساب عمر گیرند

غالب۔ کہے سے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں — شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

خسرو۔ ای گل چو آمدی زر میں گو چگونہ آند — آں روز ہا کہ در تہ گرد و فنا شدند

غالب۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

خسرو علیہ الرحمۃ نے جس ترکیب سے دونوں مضمونوں کو ادا کیا ہے اونکو غالب کے حسن بیان نے ایسا چمکا دیا ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی۔

ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے کسی فارسی خیال کو لیا ہے اور شعر میں سے بہتر خیال کو لے لیا ہے باقی کو چھوڑ دیا ہے مثلاً خسرو ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

بہ بین اندر رکوع آں پارۂ نور — ہلالش گوئے خواہی خواہ ذوالنون

اس میں ہلال کا رکوع میں ہونا ایک نئی بات ہے غالب نے اپنے شعر میں صرف اسی کو لے لیا ہے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

ہاں مہ نو سنیں تو اس کا نام — جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

بعض بعض جگہ اگر کوئی ایسا مضمون انکے سامنے آیا ہے جسکا ترجمہ اور اس سے استفادہ زبان اردو کی وسعت کے لئے ضروری سمجھا۔ اور بوجہ زبان کے محدود ہونے کے وہ مضمون اس تنگ دائرہ میں سما نہ سکا وہاں انہوں نے غیر مانوس اور فارسی ترکیبوں سے کام لیا ہے مگر اس دائرہ میں داخل ضرور کر دیا ہے مثلاً ایک ایرانی کہتا ہے کہ

دریاب کہ ماندست زدل قطرہ خونے — آں قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

بساط عجز میں تھا ایک دل اک قطرہ خوں وہ بھی — سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

اسکی ردیف وہ رکھی گئی ہے جس سے شعر میں ترقی پیدا ہو گئی ہے اور اگرچہ یہ بالکل اس شعر کا ترجمہ ہے مگر پھر بھی اس سے بالاتر ہے

اسی وسعت زبان کے خیال سے انہوں نے اپنے اکثر فارسی خیالات کو اردو میں نظم کیا ہے جو اگر فارسی میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے تھے تو اردو میں بھی پھولوں کی بہار دکھا رہے ہیں۔ چنانچہ منقبت میں ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

از کرمتش ناف زمین ناف غزالت — مشکیں زچہ شد ورنہ لباس حرم آیا

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان — نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبوں — شد غلط جادۂ گلخن بہ گلستاں رفتم

کارِ شے سوختم و داد دفا می دادم — شرم باد اکہ بداں تازہ خیاباں رفتم

پہلے شعر میں یہ بیان کیا گیا کہ جلوہ میرے خاشاک کے حق میں مفید نہوا۔ مجھے گلخن میں جانا چاہئے تھا کہ میرے خاشاک کے طالع کا فروغ ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے شعر سے ظاہر ہے اسی اعلیٰ خیال کو وہ اردو میں اسطرح ادا فرماتے ہیں ؎

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا — فروغ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

خود راہی بہ نقش طرازی علم کنم — تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

سیکھے ہیں مہ رخوں کیلئے ہم مصوری — تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے

نالہ و گل و مدا ز طرف مزارش پس مرگ — تا چیدہ در دل غالب ہوس روئے تو بود

ایسا ہی مضمون اردو میں نظم کیا ہے

مدفن غالب پہ آگئی ہے جو کوسوں تک حنا — کسقدر یارب ہلاک حسرت پابوس ہے

اس قسم کے فصاحتی کلیات نظم فارسی میں بہت پائے جاتے ہیں جنکا ترجمہ انہوں نے اردو میں کیا ہے اسکے سوا اپنے نثر کے خاص طرز کو اردو میں جو احسانات کئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اب ہم اس کو چھوڑ کر اسطرف متوجہ ہوتے ہیں کہ غالب نے فارسی گویوں کے یہ تخیلات

اردو میں اپنی شاعری کا سکہ بٹھانے کے لئے نہیں لئے بلکہ اون کا فارسی کلیات ہمارے سامنے ہے جسمیں عرفی ۔حافظ ۔خاقانی نظیری صائب بیدل وغیرہ کی غزلوں پر غزلیں لکھکر انہوں نے داد سخنوری دی ہے ۔اور نقاد طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں کہ وہ ان نغز گویوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے ہیں ۔اگرچہ ہمارا مبحث یہ نہیں ہے پھر بھی نمونتاً ہم کچھ لکھتے ہیں

حافظ علیہ الرحمتہ کی پہلی غزل میں یہہ شعر آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے ؎

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں حائل کجا داند حال ما سبکساران ساحلہا

مگر اسی مضمون کو دوسرے الفاظ کے ساتھ غالب نے اس صفائی کے ساتھ ادا کیا ہے جس کے سامنے حافظ علیہ الرحمہ کا شعر کچھ زیادہ تعریف کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا لکھتے ہیں ؎

ہوا مخالف وشب تار وبحر طوفاں خیز گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست

ولم بہ سبحہ وسجادہ و رو الزرد کہ وزد مرحلہ بیدار و پاسبا خفتست

ہم ان اشعار کی شرح صرف بخوف طوالت نہیں لکھتے ورنہ ایک تذکرہ نویس کا یہ فرض ہے کہ وہ محاسن وعیوب کا ذکر کرے اسے ہم صرف ناظرین کے ذوق پر چھوڑتے ہیں ۔عرفی ۔کی غزل پر غزل اور قصاید خاقانی ظہوری کے قصاید اور غزلوں پر غزلیں ہم آیندہ کسی اشاعت میں ہدیہ ناظرین کرینگے ۔چونکہ مضمون بڑھا جاتا ہے ۔اور اسوقت اس بحث سے ہمیں سروکار نہیں ہے ۔لہذا اسے دوسرے وقت پر اٹھا سکتے ہیں ۔ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اون کے فارسی کلام پر مختصر تنقید لکھتے وقت یہ باتیں لکھیں گے

غالب باوجودیکہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز ۔اور فن شاعری میں کامل تھے ۔مگر اونکے

اخلاق اور انصاف پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انصاف مجسم تھے اپنے شعر اپنے قصاید کی وہ ہمیشہ تعریف و توصیف ہی میں رطب اللسان نہ رہتے تھے بلکہ حق پر اونکی نگاہ تھی۔ وہ اگر دیکھتے تھے کہ یہ غزل یا یہ شعر سست ہی تو وہ خود اسکو جانچ اور تول لیتے تھے۔ چنانچہ ایک غزل کے مقطع میں اظہار کیا ہے کہ ؎

غالب نبود شیوۂ من قافیہ بندی ظلمے است کہ بر کلک و ورق میکنم امشب

اونکی یہ غزل اور غزلوں کی نسبت کمزور ہے اسلئے انہوں نے بھی اسکا اظہار کردیا اور خود ستائی سے احتراز کیا۔

ایرانی شاعر باوجود اسکے کہ ہمیشہ سرزمین ہندسے ہی اونہیں اعزاز اور علوم مرتبہ نصیب ہوا۔ نقد و جنس سب کچھ ہندوستان سے اونکے ہاتھ لگا۔ یہاں نہایت اخلاص میں آئے مگر جب چلے تو امیر و دولتمند بنکر چلے۔ اور باستثنائے بعض سب کے ساتھ ہندوستان نے یہی سلوک کیا۔ مگر یہ لوگ جسقدر ہند اور اہل ہند نے اوپر شفقت کی اوسی طرح چلتے وقت یا خود یہیں رہکر ان دونوں پر تبرا کیا۔ مثلاً علی حزیں کو دیکھئے کہ ہمیشہ کے لئے وہ ہند میں رہ پڑے اور جب آئے تھے تو نہایت ہی پریشان روزگار تھے مگر پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

نشناس سیرتی است تمنائے مردمی از دیو لاخ ہند کہ انسان نہ داشتست

اسی طرح اور بہت سے شاعروں کو ہم نظیر میں پیش کرسکتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اسکو محسوس کیا۔ چونکہ اونکا کلام ایران کے نامی گرامی شعرا کے کانوں تک پہنچتا تھا اسلئے انہوں نے ان خرافات کا یوں جواب دیا۔

لے کہ رامدی سخن از تکیہ سرایان عجم چہ بمامنت بسیارہی از کم شاں

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود باد در خلوت شاں مشک فشاں از دم شاں

مومن و نیز مہبائی و علوی و انگاہ حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں

غالب سوختہ جاں گرچہ نیرزد بہ شمار ہست در بزم سخن ہمنفس و ہم شاں

اس مقطع سے غالب کے اخلاق پر بھی پوری پوری روشنی پڑتی ہے جیسا کہ بعض آدمی کہدیتے ہیں کہ غالب میں خودداری بہت بڑھی ہوئی تھی اونکے جواب کے لئے یہ بہت کافی ہے اسکے سوائے اپنے معاصرین کے لئے اونہوں نے اور جگہ بھی اپنے حسن ظن کا اظہار کیا ہے جیسے کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ باوجود اسکے کہ فارسی میں ان کے شاگرد تھے۔ مگر پھر غالب کا انصاف دیکھئے کہ شاگرد کی تعریف کن الفاظ سے فرماتے ہیں

غالب غالب زحسرتے چہ سرائے کہ در غزل
چوں او تلاش معنی و مضمون نکردہ کس

اردوئے معلےٰ میں بھی ایک رقعہ میں اپنے ہمعصروں کے لئے نہایت زہر بھرے فقرے تحریر کئے ہیں۔

غرضکہ غالب کے اردو شاعری پر بیحد احسانات ہیں جس کی وجہ سے وہ ضرور اس کے مستحق ہیں کہ اونکی شکستہ قبر کو ایک یادگار کی صورت میں لایا جائے اور مرحوم کی کوششوں کو جن کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ یہ کہہ کہہ کر افسوس کرتے رہے۔

غالب کچھ اپنی سعی سے لیسا نہیں مجھے
خرمن پہ اگر نہ بلخ کہائے کشت کو

پورا کرکے اونکی روح کو شاد و مسرور کیا جائے۔ کیا عجب کہ ہندوستان کے رنجیتہ گو شاعر اور حامیان اردو اسپر توجہ کریں۔

عبدالباری آسی

نرگس

آج بدلا ہوا گلزار کا نقشا دیکھو — ہے کس انداز سے نرگس چمن آرا دیکھو
قدرتِ حق کا چمن زار میں جلوہ دیکھو — چاندنی رات میں نرگس کا تماشا دیکھو

ہے یہ چاندی کا کٹورہ کہ مئے ناب کا جام
یا کھلی رہ گئی ہے خواب میں چشم گلفام

کبھی نرگس پہ گماں مجھکو ہوا اختر کا — کبھی شک اس پہ ہوا جام مئے احمر کا
یا گرا باغ میں جھومر یہ کسی دلبر کا — یا کہ اگتا ہوا ہے تاج گلوں کے سر کا

جام نرگس میں جو شبنم نے بھرے ہیں موتی
نعرئ جام میں انمول دھرے ہیں موتی

گل نرگس کی نہیں سرخ نشیلی آنکھیں — حشر ڈھاتی ہیں گلستاں میں یہ نیلی آنکھیں
ایسی ہونگی نہ ہرن کی بھی رسیلی آنکھیں — تیغ و خنجر سے کہیں بڑھ کے کٹیلی آنکھیں

چشم معشوق کا ہو جاتا ہے دھوکا مجھکو
دل سے مرغوب ہے اس گل کا نظارہ مجھکو

ایک لحظہ نہیں بیکار رہا کرتی ہے — کون کہتا ہے کہ بیمار رہا کرتی ہے
پاسباں گل کی ہے ہشیار رہا کرتی ہے — روز و شب خواب سے بیدار رہا کرتی ہے

نیند سے سبزہ نہ چونکے یہی ڈر ہے اس کو
باغ میں فتنہ نہ اٹھے یہ خطر ہے اس کو

چشم معشوق طرحداری ہی نرگس ہے — جام مینوش و قدح خواری ہی نرگس ہے
چمن دہر میں ہشیاری ہی نرگس ہے — باعث زینت گلزاری ہی نرگس ہے

نرگسی آنکھ نے اک گل کی ہے مارا ہمکو
اے رسا اس لئے یہ پھول ہے پیارا ہمکو

سید شاہ محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی - گیاوی

میر مہدی مجروح

دلی اجڑی ہوئی اور برباد دلی سچ ہے اور بالکل سچ ہے۔ تیری بزم زیب و زینت درہم و برہم ہو گئی تیری محفل کے آخری اور جھلملاتے ہوئے چراغ بھی بجھ گئے۔ کنول ٹھنڈے ہی نہیں ہو گئے۔ بلکہ ریزہ ریزہ ہو کر تہ زمین ہو گئے پیوند خاک بن گئے۔ ویرانی بے کسی اداسی وحشت آج تیری مہمان ہے۔ مگر پھر بھی تو ہندوستان آہ ہندوستان نہیں دنیا کا دل ہے۔ اور آج بھی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شہر کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہے کہ تیری ہمسری کا دعوے کرے۔ اس لئے کہ تیرے مایہ ناز کملا (جو آج مقبروں میں میٹھی نیند سو رہے ہیں) اپنی زندگی کی جو یادگار چھوڑ گئے ہیں وہ آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے تیرے اور تیرے ملک والوں کے لئے مایہ ناز باعث فخر بننے کی قابلیت رکھتی ہے۔ آہ۔ یہ کہتے ہوئے دل بھر آتا ہے۔ کہ آج دلی کی زبان خراب ہو گئی اور خراب ہو رہی ہے۔ مگر یہاں داغ مرحوم کا جو تیری ہی آغوش شفقت میں پڑھا تھا مقولہ بھلائے نہیں بھولتا

لوگ کہتے ہیں بسا دلی اجڑ کر لکھنؤ
پر کہاں سے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

کسی کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ تیری آخری شمعیں جو بجھ گئیں انہیں کے بتائے ہوئے راستے ہمیشہ کے لئے زبان کے بارہ میں ہمارے لئے چراغ ہدایت اور خضر طریقت کا کام دینگے۔ سعدی ہند مولینا حالی کے مقولہ ؎

داغ و مجروح کو سن تو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

کی اب قدر ہوگی جب داغ بھی داغ مفارقت دے گئے اور مجروح بھی اپنی فرقت میں دل کو مجروح کر گئے۔ برا تھا وہ ۱۳۲۷ھ جب مجروح نے ہم سے جدائی کی اور اپنے ہمصفیروں یعنی نیر۔ شیفتہ۔ آزردہ۔ ذوق۔ رخشاں۔ مومن۔ صہبائی۔ علوی۔ انور وغیرہ اور اپنے قابل استاد غالب کے ساتھ عالم ارواح کے شاعروں میں شریک ہو گئے۔ اللہ اللہ کیا پاس وفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور ع

صبح گر یار جائے گا تو اپنا ہے سفر پہلے

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اس میں تو کلام نہیں ہے کہ اس جدائی سے انہیں خوشی اور اس جدائی میں انہیں وصال نصیب ہوا ہوگا۔ مگر ایسے باکمال کے اٹھ جانے سے جان سخن پر جو کچھ مصیبت پڑے کم اور بہت کم ہے۔ ہائے کیا باکمال شاعر تھے جو پانچویں دور کے گلدستہ شعرا کے ایک خوشبودار پھول تھے یا دلی کے چمنستان سخن کے ایک خوشنوا اور خوش آواز طایر تھے عجب خوش آہنگیاں تھیں جنہوں نے کہیں افسردہ دلوں کو تروتازہ کر دیا اور کہیں اسی نغمہ سنجی نے مست و بیخود کر دیا۔ کہیں دنیائے فانی کو آنکھوں میں تار عنکبوت ثابت کیا تو کہیں رندان قدح نوش کے دل کو ایسا گدگدایا کہ بادہ کشی پر مجبور اور مجبور ہو گئے۔

یہ وہی میر مہدی مجروح ہیں جن کی ذات پر غالب جیسے مسلم الثبوت استاد کو ناز تھا۔ بے تکلفی یا محبت میں سب کچھ کہہ جاتے تھے عوام پر انکا کمال ظاہر کر دینے کے لیئے اپنے کو حاسد بھی قرار دے لینا کوئی اخلاقی گناہ نہ سمجھتے تھے جیسا کہ اردو معلے کے رقعات سے ظاہر ہے۔

یہ وہی میر مہدی مجروح ہیں جنہوں نے شباب کی بڑھتی ہوئی امنگوں کے ساتھ اپنی شاعری کو شروع کیا۔ اور اس میں جوانی کے جذبات شباب کے ولولوں عشق

کی دشوار گذار منزل کا نقشہ اور تصویریں کھینچدیں۔ کمال اسی کا نام ہے اور شاعری کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ ایک متوسط درجہ۔ بلکہ چند جزو کی صفحات کا دیوان اور اس میں ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے خیالات شوخی کو دیکھئے تو لغت خاں عالی۔ بلاغت پر نظر ڈالیئے تو استاد کے ہمقدم۔ زبان کا اندازہ کیجئے تو دلی کے روزمرہ کا صحیح نمونہ حسرت وغم وارمان کے مضامین پر غور کیجئے تو عاشقان ستم رسیدہ کے چوٹ کھائے ہوئے دلوں کو سنان ونشتر۔ تصوفانہ مضامین عام کے لئے چراغ ہدایت اہل اللہ اور درویشوں کو شہد شیریں کی لذت ؎

قلم کا زور اس بلا کا ہے کہ جہاں کہیں چاہا استاد کے قدم بہ قدم چلیں تو غالب کے کلام کو چھپائیے مجروح کا کلام اٹھائیے اندازہ مشکل ہے۔ معصروں میں سے کسی کی غزل پر غزل لکھی یا کسی کا کوئی خاص مضمون پسند آیا ہے اور اسے اپنی طرز میں ادا کیا ہے تو سبحان اللہ کی پاک صدائیں ہر زبان سے نکلتی ہیں غزل کو اسی ادا سے جو اس باکمال شاعر کے دیوان میں نہیں اور کونسا رنگ ہے جسے دیکھنے والا ان کے مجموعے خیالات میں نہ دیکھ پائے۔ نمونہ کے طریقہ پر یہ شوخ کلامی ملاحظہ فرمائیے ؎

تو اس سے ڈراتا ہے کہ جو خیر محض ہے　　واعظ ترے مقدر میں کب آب حوض ہے

طالب خلد ہیں اور آپ کو اس پر زاہد　　سالک مسلک تسلیم و رضا کہتے ہیں

جیسے ان دونوں شعروں میں زاہد و واعظ کے چھکے چھڑا دیئے اور رکھ لئے ہیں۔ غالباً اس سے زیادہ کوئی رند مشرب کسی بیلے آدمی کو نہیں کہہ سکتا۔ یہی شاعر ان کے دیوان میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ مگر شوخ بیانی کچھ اس پر ختم نہیں ہو گئی لذت اور مزے

میں آکر گالیاں کھانے کے لئے کہیں معشوق کو بھی چھیڑ دیتے ہیں اور ان پر بھی پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھکو برا جانا — سمجھے بھی تو کیا سمجھے جاناں بھی تو کیا جانا
کچھ عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا — میں نے تو کہا کیا تھا اور آپنے کہا جانا

عدو پر ہے یہ لطف و بہ دم کیا — ہوئے وہ آپ کے قول و قسم کیا

شعر ذیل میں کس شوخی سے رشک رقابت کا اظہار کیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی ایسے ہی شعر نمبر ۲ میں اپنی بریت کا دوسرا مصرعہ کتنا پیارا موزوں ہے۔ شوخیٔ بیان کی ایک نئی سے نئی تصویر۔

کہا جب دل نہ لے جاؤ تو بولے — کہ میرا اور تیرا ہے جدا کیا

سبحان اللہ کیا پیارا انداز بیان ہے۔ کیا کسی بڑے سے بڑے شاعر نغز گو کے یہاں اس سے بڑھے ہوئے پیارے مضامین اور ہو سکتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ چونکہ ان کا ہر ایک شعر تعریف کا محتاج نہیں ہے اب ہم مسلسل دو چار شعر اس قسم کے لکھ کر دوسرے انداز بیان کا حصہ ہدیۂ ناظرین کرینگے ✦

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی — نہ پوچھو حسرتیں مین دلمیں کیا کیا

کچھ قیامت تو نہیں جسکا ضرور آنا ہے — چشم بد دور یہ ہے آپ کا آنا صاحب

کچھ قیامت تو نہیں۔ اور چشم بد دور۔ سبحان اللہ سبحان اللہ

لڑکے اغیار سے خفا ہیں آپ — مجھ سے ہو جہ کیوں خفا ہیں آپ

اپنوں سے ارتباط نہ یاروں سے اختلاط — یہ عمر اتنی تم نے گذاری خضر کہاں

ڈرو اے شیخ رندِ بے ادب سے — ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

صاف فقریے ہوں اور ہیں پر ہوں — شیوہ اچھا تو ہے مرا اداب

چونکہ شوخ طبیعت کہیں رکتی نہیں ہے استاد پر بھی ایک فقرہ چست کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

غالب آئے ہیں لاؤ اے مجروح — بادہ ناب میں ملا کے گلاب

شوخ طرز بیان کے بعد ہی ان کے حسن بیان کا دکھانا بھی ہمارا فرض ہے جو ان کے ہمعصروں میں سے کسی کو کم نصیب ہوا ہے۔

شب فرقت میں کسی طرح سے آتا ہی نہیں — ہو گیا خواب بھی کیا آپ کا آنا صاحب

کیا سنا حال تلخ کاموں کا — حد سے افزوں جو بے مزا ہیں آپ

عکس تیرا تجھے آئینہ میں تکتا ہے سدا — کون ہے وہ جو ترا طالب دیدار نہیں

اور کچھ یہی نہیں ہے کہ ان کے مضامین اور ان کی نادر الخیالی سیدھی سیدھی زمینوں تک محدود ہے بلکہ اس سے گذر کر خیال مجروح نے ایسی شور زمینوں میں اپنے نازک خیالوں کے پودے لگائے ہیں۔ جہاں ان کا پھولنا مشکل تھا۔ مگر اس باغ سخن کے مالی نے اپنی طباعی کی آبیاری سے وہاں بھی بڑا کام کیا اور ایسے ہی ان زمینوں میں گل کھلائے ہیں۔ مشتے نمونہ خروارے۔

میں اور اُن سے طلب بوسہ نہیں ہونے کا مجھ سے کم ظرف کو ہے لذت دشنام بہت
جی میں ہے آہ سے احوال دگرگوں کر دوں تنگ رکھتی ہے مجھے گردش ایام بہت

محبت کی سزا اور اصل اصول۔ بلکہ کلیہ بیان فرماتے ہیں۔

ہوا لازم تپنگے کا جلانا کیا ہے اس نے اظہار محبت
اسے کیا بستر گل پر ہو آرام کھٹکتا جس کے ہو خار محبت
ہر ایک کو پیش آتا ہے نیا رنگ کھلے کس طرح اسرار محبت
فلک جس کے اٹھانے سے ہے عاجز غضب سنگین ہے بار محبت
ادھر دامن ادھر فرہاد و مجنوں بھرا رہتا ہے دربار محبت

یہ غزل بڑی ہے مگر انصاف کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو کوئی شعر بھرتی کا نہیں ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور ہے۔ بلکہ لطف یہ ہے کہ قتیل طرح میں بھی اُن کے یہاں بہت کم ایسے شعر ملتے ہیں جسے کسی نہ کسی حیثیت سے کوئی ممتاز درجہ نہ نصیب ہو۔

گنہ ہو یا نہ ہو بوسہ جبہ اے زلف تجھے تو ہے الجھ جانے کی عادت

شب غم نے بچھا دیئے کانٹے چین آتا نہیں کسی کروٹ
نہیں جاتا ہے پھیر قسمت کا آ کے یہاں پھر گئی وہ گھر کو پلٹ

اتنی بھی بے ادبی جذب زلیخا بس ہیں یوسف مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ

ادھر ان کے نادر اور موزوں خیالات سے دیوان سبد گلچیں بنا ہوا ہے۔ ادھر ہمارا دل نہیں مانتا۔ مگر طوالت کا خیال زیادہ تر لکھنے سے مانع ہے مجروح کے ایسے ایسے شوخ پاکیزہ خیالات اُس وقت تک رہے جب تک کہ باکمال استادوں کے جھگڑے میں بیٹھنے کا اعزاز انہیں نصیب ہوا۔ مگر غدر کے ہنگامہ نے سب کو جدا کر دیا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی پانی پت چلے گئے۔ اس صدمہ جانگداز کی وجہ سے مدتوں تک شعر و سخن کے مشغلہ کو چھوڑ دیا۔ دل ہی نہ چاہا۔ اور ایسی مثال سے دوچار ہونا پڑا جیسے کہ ایک پھول گلدستہ سے جدا ہو کر افسردہ اور پژمردہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ قریب قریب شاعری کو خیرباد کہدیا۔ مگر باکمال تھے اب بھی احبا کی چھیڑ چھاڑ نے کچھ کہنے پر مجبور کیا۔ دل شکستہ تھے۔ پہلا کلام گھر کے ساتھ ہی ساتھ لٹ گیا تھا۔ اب ہر چند کچھ کہتے تھے مگر وہ طرز بیان نہ تھی۔ شوخیاں رنج و غم۔ حزن و ملال حسرتیں و ارمان مایوسی سے بدل گئے تھے۔ نہ دل میں وہ جوش تھا نہ امنگ۔ کیونکہ دلی کے چمن سے بہت سے خوشنوا طایر اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ گئے تھے۔ پھر بھی طبیعت کی ذہانت اور شوق دیرینہ سے کلام میں حسرت و ارمان ہی کے پردہ میں جدت طرازی رنگینی بیانی جانے نہ پائی۔ اور اب درویشی اور تصوف کے خیال اس سانچے میں ڈھلنے لگے۔ چنانچہ ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں۔ کچھ غزلیں اپنی یاد سے لکھیں اور کچھ جب یہ چند جزو کا دیوان مرتب ہوا جو ہمارے پیش نظر ہے۔

دنیا کے طلبگار رہے دین کے بدلے جاتا ہوں کدھر اور مجھے جانا کدھر ہے

اسی شعر کو سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

سچ تو یہ ہے کہ سعدی کے یہاں لفظ ترسم بے پناہ ہے جس کا جواب

مجروح کے شعر میں نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اچھا ترجمہ اور تصوف کا مضمون ہے ؎

اللہ اللہ نیستی کے مزے ۔۔۔ عیش سرمد بھلا دیا ہم کو

ہو نہ مایوس ہے تجسس شرط ۔۔۔ وہ بھی مل جائیں گے کہیں نہ کہیں

وہ نگاہیں پھریں تو آفت ہے ۔۔۔ یہ زمانہ کا انقلاب نہیں

مندرجہ بالا شعروں کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینہ میں ایک پاک اور فنافی العشق دل تھا۔ اور وہ اکثر ان جذبات سے مجبور ہو کر کبھی کبھی اس کوچہ میں بھی قدم رکھتے تھے۔ تغزل کی حد میں درد و حسرت کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو ان کے یہاں زیادہ سے زیادہ ہے ؎

پورا ہوا نہ کوئی زمانہ سے اپنا کام ۔۔۔ نالہ ہوں میں اگر تو بلب نارسیدہ ہوں

مدوا اے نغمہ سنج بلبل ۔۔۔ کب سے گم کردہ آشیاں ہوں میں

گرد دیتی ہے کارواں کا پتا ۔۔۔ یادگار گذشتگاں ہوں میں

حسن کی تعریف تشبیہ کا لطف ملاحظہ ہو

وہ مخمور آنکھیں ذرا دیکھنا ۔۔۔ یہ مستی کہاں بادہ ناب میں

عشق و عاشقی کی شان

کوئی میرے دل ہی سے پوچھ لے ۔۔۔ تپش ہے جو آہ جگر تاب میں

اب ہم کو صرف یہ بات دکھانی باقی ہے کہ مجروح مرحوم نے اور اساتذہ کے ساتھ جب کسی مضمون میں قدم اٹھایا ہے تو ان کو کیا درجہ نصیب ہوا ہے ؎

مجروح۔ نہ اگر ربط دلدار پر نقاب نہیں — یہاں جمال کے نظارہ ہی کی تاب نہیں
غالب۔ جب بہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں نہ چھپائے کیوں
مجروح۔ وہی رقیب سے یکساں ہوا سکور بط نہاں — ہمارے ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں
عارف۔ تا ایک وضع سے رہوں وایم غذاب میں — ضد سے مری زمانہ نہیں انقلاب میں ؛

وغیرہ وغیرہ ان اشعار کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح اپنے ہمعصروں میں معمولی درجہ کے شاعر تھے۔ بلکہ وہ مضامین کو نہایت سلجھا کر کہتے تھے۔

قافیہ پیمائی ان کا کام نہیں مگر جہاں کوئی قافیہ کسی قافیہ کے جواب میں کہا ہے وہ خوب ہے۔

مرثیہ۔ چوٹ کھانا دل حزیں نہ کہیں — درد رہ جائیگا کہیں نہ کہیں
مجروح۔ دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں — ایک خلش ہی رہی کہیں نہ کہیں

ہمارا خیال ہے اور یقینی صحیح ہے کہ ان کے کلام میں اوصاف شاعری کے سب نمونے بہتر سے بہتر موجود ہیں۔ اور ان کی شاعری ادب اردو کیلئے مایۂ ناز ہے۔ ان کے یہاں ترجمے فارسی شعرا کے زیادہ سے زیادہ ہیں۔ مگر ترجمہ کوئی عیب نہیں ہے ترجمہ کی شان سے تخیل کا مزا آتا ہے۔

ایک آدھ شعر ملاحظہ ہو۔

حزیں۔ حزیں از راہ سر پیمائی گشتگی دیدم — سر شوریدہ بر بالیں آسائش رسید اینجا
مجروح۔ کیا کیا نہ بعد مرگ کے سامانیں ہیں — میں قبر میں مسافر منزل رسیدہ ہوں

ہم یہ خیال طوالت مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ مگر مجروح کا کلام ایسا دل نشین اور دلچسپ ہے کہ جی نہیں بھرتا۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔

پھر ملیں گے اگر خدا لایا ؛

الاستدلا — منور دہلوی

تلاش عیش

(سلسلہ کے لئے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

جس واقعہ کا میں نے اوپر ذکر کیا اس کو پانچ برس گذر گئے ہیں۔ مولوی فرید الدین کی طبیعت نے اپنا پرانا ڈھنگ پوری طرح پھر اختیار کر لیا۔ وہی چڑچڑا پن وہی ہر وقت کی جھک جھک۔ بک بک۔ ہر بات پر اعتراض کرنا کسی چیز سے خوش نہ ہونا۔ ہر شخص پر شک و شبہہ۔ دنیا ان کے واسطے پھر اسی طرح دار المحن ہو گئی۔ جیسے پہلے تھی۔ سچ ہے کہ انسان کی دو زخ یا بہشت اس کی طبیعت ہے۔ حسینہ کو اس دو زخ کے پڑوس میں رہنا اگرچہ ناگوار تھا لیکن بے بس تھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اس کا آنا جانا بالکل روک دیا گیا۔ میکے جانے کی بھی مشکل سے اجازت ملتی تھی۔ گھر میں دس بارہ برس کا لڑکا بھی نہ آنے پاتا تھا۔ ماما اور نوکروں میں بھی کوئی جوان و کمسن آدمی نہ تھا۔ مولوی صاحب کے دماغ میں جوان و شیطان مراوف الفاظ تھے۔ جوان مرد یا عورت سے وہ اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیطان سے کوئی بھاگتا ہے۔ ہر وقت انہیں یہی وہم رہتا تھا کہ میری بیوی چونکہ جوان ہے۔ جوان مرد کو دیکھکر عاشق ہو جائیگی اور ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بھاگ جائے۔ جوان عورت سے یہ ڈر تھا کہ بیوی سے ولولہ خیز باتیں کریگی۔ بیوی کا رجحان ان باتوں کی طرف ہو گا جس کا نتیجہ بہت ہی خوفناک ہو گا۔ بہت سے اسی قسم کے مقدمات جنہیں فیصل کرنے کا انہیں موقعہ ملا تھا۔ ہر وقت پیش نظر رہتے تھے اور دل میں کہتے تھے کہ جب اس قسم کے واقعات دنیا میں ہوا کرتے ہیں تو اس بات کا تدارک پہلے سے نہ کرنا اور احتیاط نہ رکھنا ہوشمندی کے خلاف ہے۔ انسان کا دل جس کام کے کرنے کو چاہتا ہے۔ اس کیلئے وجہ قائم کر لیتا ہے ان واقعات کا مولوی صاحب کو خیال تھا۔ ان کے ہونے کی تعداد زیادہ ہے یا نہ ہونیکی

گرانوں نے واقعات دنیا میں سے انہیں کو چنا جو ان کی مرضی کے موافق تھے زوج اور زوجہ کے تعلقات کے جتنے مقدمات مولوی صاحب کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ ان میں وہ انتہائی سختی برتتے تھے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی شکایت اگر اجلاس میں کرتی تھی۔ تو اپنے آپے سے باہر ہو جاتے تھے اور غصہ کے مارے ہاتھوں میں رعشہ اور لبوں میں بے اختیاری جنبش پیدا ہو جاتی تھی۔

حسینہ بہت شوخ طبیعت عورت تھی۔ مولوی صاحب کے حرکات کا اثر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان سے بیزار تھی اس کی طبیعت میں کسی قسم کا تغیر اس کی وجہ سے نہ ہوا اس کی شوخی طبیعت شوہر کے روکھے پن اور تشدد کا برابر مقابلہ کرتی رہی پسپا نہ ہوئی۔ مولوی صاحب اس کے بناؤ سنگھار کرنے کے خلاف تھے شاید ڈرتے ہوں گے کہ در و دیوار عاشق نہ ہو جائیں اور اسے چین نہ لیں۔ مگر حسینہ کبھی اس کی پرواہ نہ کی اور جو دل چاہتا تھا پہنتی اوڑھتی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا ایک روز شام کے وقت ہلکا دھانی پھولدار ساٹن کا چست پیجامہ اس نے پہنا اور مہین ململ کا پیازی رنگ کا کرتہ اور کاسنی رنگ کا دوپٹہ۔ اتفاق سے اسی وقت اماں نے پھولوں کے گجرے لا کے دیئے۔ یہ محض اتفاق تھا یا اماں سے پہلے سے کہدیا گیا ہو جو کچھ ہو بہر حال بہت خوشی خوشی پھولوں کے گجرے لئے اور گلے میں ڈالے پھر کچھ دل میں جو آئی تو دو گجروں کی ایک بدی بنائی اور اس کو پہنا۔ گجرے اگرچہ بڑے تھے لیکن اصلی بدی کی پوری لپیٹ کو کیونکر پہنچ سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ سینے کے گرد آکر یہ بدی رہ گئی اور اس نے ایک دلفریب نمائش پیدا کر دی۔ حسینہ نے گردن جھکا کے دیکھا اور یہ انداز اسے بھلا معلوم ہوا۔

بن سنور کے تخت کے چوکے پر جا کے گاؤ سے لگ کر بیٹھی جس پر ایک سفید شفاف چاندنی بچھی تھی اور چار کونوں پر سبز مخمل سے منڈھے ہوئے میر فرش رکھے تھے۔ وسط تخت میں ایک کنول رکھا تھا جسکی شمع ابھی روشن تھی۔ حسینہ کیہ سے لگی بیٹھی کسی سوچ میں تھی

کہ مولوی صاحب گھر میں آئے اور بیوی کے اس ساز و سامان کو دیکھکر ناک بھنوں چڑھائی۔ نماز کا وقت آخر ہو رہا تھا جائے نماز مانگی اور اسی سلسلہ میں اپنے دلی پیچ و تاب کی بھی جھلک دکھا دی کہنے لگے "بیٹھی ہوئی منہ دیکھ رہی ہو جائے نماز نہیں دیتیں، تم کو سوائے بننے سنورنے کے کوئی اور بھی کام آتا ہے" کچھ دیر ٹھہر کے "یہ انداز شریف گھر میں بیٹھنے والیوں کے ہوا کرتے ہیں"

حسینہ کو نہ معلوم کیوں اس وقت یہ جملہ بہت ہی ناگوار ہوا حالانکہ اس سے بہت زیادہ سخت سخت جملے بارہا اسی معاملہ کی بابت کہے جاتے تھے اور ہنسی میں ٹالدیتی تھی۔ اس وقت ذرا جھنجھلا گئی اور کوئی جواب دینے کو تھی کہ میاں نے نماز کی نیت باندھ لی مجبوراً رک جانا پڑا مہلت پاکے دماغ اسی ادھیڑ بن میں پڑگیا۔ اور اس تھوڑی سی دیر میں دلمیں خدا جانے کیا کیا باتیں آئیں۔ گھر چھوڑ کے چلی جاؤں۔ اپنے کو مار ڈالوں یا ان کو ہلاک کردوں کیسے کمبخت آدمی سے سابقہ پڑا ہے میرے ماں باپ نے میری شادی نہیں کی تھی۔ زندہ قبر میں دفن کیا تھا اور یہ بدی کا فرشتہ میری ہڈیاں پسلیاں توڑے ڈالتا ہے۔ میری قسمت میں اپنے دل کو خوش کرنا نہیں لکھا ہے۔ یونہی مرا کروں گی بھاڑ میں جائے ایسا روپیہ پیسہ جب دل ہی کو چین نہیں ہے تو یہ سب کس کام کا۔

مولوی صاحب نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہوئے (پنشن لینے کے بعد سے مولوی صاحب نے مشغلہ مذہب کو پسند کیا تھا اور ایک بزرگ کے مرید بھی ہو گئے تھے) منہ سے کچھ بڑبڑا رہے تھے اور آنکھوں سے گھور گھور کے بیوی کو کھائے جاتے تھے۔ حسینہ جس طرح بیٹھی تھی بیٹھی رہی ان کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔ وظیفہ سے فارغ ہو کر مولوی صاحب نے جائے نماز کا کونہ الٹا اور بیوی کی طرف مڑے۔ کہنے لگے "کیا خدا نے تمہارے واسطے نماز روزہ فرض نہیں کیا۔ تم کو صرف عطر لگانے اور پھول پہننے کے لیے پیدا کیا ہے"

بیوی۔ اور تم کو خدا نے لوگوں پر اعتراض کرنے کیلئے بنایا ہے۔ دو چار دن سے نماز شروع کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر پر احسان کر رہے ہیں۔ تم دوسروں پر اعتراض کرنے والے کون ہو۔ کوئی نماز نہ پڑھیگا اپنے خدا کا گنہگار رہوگا۔ تم بیچ میں بولنے والے کون۔

اس جواب سے کچھ دیر خاموشی رہی۔ مولوی صاحب برابر سر سے پیر تک بیوی کو دیکھتے رہے جسینہ میاں کو جلانے کے واسطے تن کے سامنے بیٹھ گئی۔ اب انہوں نے پوری طرح سے بدھی کی بندش کو دیکھا اور دیکھ کے آگ ہو گئے۔

مولوی صاحب۔ اب میں دیکھتا ہوں تم ہوش میں نہیں رہی ہو۔ بالکل رنڈیوں کا طریقہ تم نے اختیار کیا ہے۔

بیوی۔ دیکھو زیادہ سے نہ بڑھو۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ مجھے رنڈی سے ملاتے ہو۔ کونسی بات تم نے میری رنڈیوں کی ایسی دیکھی۔

مولوی صاحب۔ تمہاری قطع وضع رنڈیوں کی ایسی ہے۔ آخر اس قدر بچے بنے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

بیوی۔ تو ہو بیٹیاں چیتھڑے لگائے رہیں صاف کپڑے نہ پہنیں۔

مولوی صاحب۔ یہ تو میں نہیں کہتا۔ شریفوں کی جو وضع ہے اس وضع کے کپڑے پہننے چاہئیں۔

بیوی۔ آخر معلوم تو ہو کہ شریفوں کی کیا وضع ہے۔ کپڑا جو بنکے آتا ہے۔ اس میں شاید مہر لگی ہوتی ہوگی کہ یہ شریفوں کا ہے۔ اور یہ رنڈیوں کا۔ تمہاری خوشی تو شاید یہ ہوگی کہ تمہارے ایسے ڈھیلے پائجامے اور ڈھیلے ڈھالے لمبے تکمہ لگے ہوئے کرتے میں بھی پہنو اور گھر میں کونے کھدرے میں بیٹھی رہوں۔ کسی سے ہنسو نہ بولوں تمہاری ایسی ڈانٹ کل آئے تو یہی کہے گی۔

مولویصاحب۔ نہیں تو تمہاری خوشی یہ ہے کہ عمدہ عمدہ لباس پہنکر اور پھول گجرے میں ڈالے لوگوں سے چہلیں کرتی پھرو۔

بیوی۔ یہاں لوگ نگوڑے کون ہیں۔ ایک تم ہو دن رات روتی صورت بنائے بیٹھے رہتے ہو تم سے چہلیں اور دلگیاں کس کی شامت ہے جو کرے۔

مولویصاحب۔ خیر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ لباس اور یہ وضع پسند نہیں ہے اور تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں پسند کرتا ہوں۔

بیوی۔ تمہارا ایسا مردہ دل میں کیوں بنانے لگی جیسے کپڑوں کو میرا دل چاہیگا میں پہنوں گی۔ اس میں تم دخل دینے والے کون۔

میاں۔ (غصہ کی آواز سے) تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میرا حکم ہو۔

بیوی۔ اپنا حکم لئے بیٹھے چاٹا کرو۔ جس بات میں تابعداری کرنا چاہئے میں نے کی اور کروں گی۔ اب تم یہ چاہو کہ مجھے لونڈی بنا کے رکھو تو یہ خیال دل سے نکال ڈالو۔ بندی لونڈی بننے والی نہیں ہے۔

میاں۔ اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔

بیوی۔ مجھے تم نے لاوارث سمجھا ہے کہ ڈرلے اور دھمکیاں دیتے ہو۔ نتیجہ کیا برا ہوگا یہ ہی نا کہ تم گھر سے نکالدوگے۔ اللہ میرے باپ بھائیوں کو حیتار رکھے میں بہت چین سے وہاں رہونگی۔ ان مصیبتوں سے تو بچوں گی۔

میاں۔ شریف عورتوں کی بات چیت ایسی ہی ہوتی ہے۔

بیوی۔ دیکھو تم برابر مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں ایسی باتیں سننے والی نہیں۔ اسی وقت اپنے ابا کو اور بھیا کو خط لکھتی ہوں کہ مجھے بلا لیجئے۔

میاں۔ ابا کیا کرینگے ان کی مجال ہے کہ تمہیں لے جاسکیں۔ ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ خدا کی شان وہ آکر میرا مقابلہ کریں گے۔

بیوی۔ تو تم روپیہ کے گھمنڈ میں ہو۔ میں تمہارے روپیہ پیسہ کو جوتی کی نوک پر مارتی ہوں۔ یہ کہہ کر حسینہ نے رونا شروع کیا اور روتے میں کہتی جاتی تھی۔ "مجھے یہ سمجھے کیا ہیں۔

ان کے روپیہ پیسہ کے رعب میں میں آجاؤں گی۔ اور ان کی نوکری گیری کرونگی۔ جتنا میں ٹالتی رہی یہ بڑھتے جاتے ہیں"

لڑائی اس سے زیادہ بڑھنے نہ پائی۔ اتفاق سے مولوی صاحب کے کوئی ملنے والے آگئے۔ نوکر نے اطلاع کی۔ مولوی صاحب چپکے اٹھ کے باہر چلے گئے۔ اس لڑائی سے گھر کی بربادی کا آغاز ہوا۔ حسینہ شوہر سے اور گھر سے بیزار ہوگئی۔ روز کسی نہ کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا تھا۔ حسینہ اپنا کہا کرتی تھی۔ اور مولوی صاحب بھی نکتہ چینی اور اعتراض سے باز نہیں آتے تھے۔ (باقی آیندہ)

عبدالوالی

قطعہ تاریخ وفات نواب وقار الملک مرحوم

بزم عالم سے اٹھا افسوس وہ حامیٔ قوم — جس کا ہر اک شہر میں برپا ہے ماتم ہائے ہائے
جب وہ بانی آنکھ بارش کا سماں آیا نظر — رو رہے ہیں اہل دل مانند شبنم ہائے ہائے
نیک باطن نیک خصلت نیک سیرت نیک خو — منتخب تھا سینکڑوں کو نیں وہ دم ہائے ہائے
اٹھتے ہیں دنیا سے وہ جو افتخار قوم ہیں — ڈھاتا ہے کیا کیا جفائیں چرخ ظلم ہائے ہائے
یاد کرتے ہیں یہ کہکر قوم کے خورد و بزرگ — محفل تعلیم کا صدر مکرم ہائے ہائے
اپنے حسن زندگی پر کون کر سکتا ہے ناز — جب نہ دنیا میں رہے محبوب اکرم ہائے ہائے
آشنائے تجربہ کاری وقار الملک سا — مل نہیں سکتا میان دور عالم ہائے ہائے
چل بسا دار فنا سے جانب گلشن عدم — محسن الملک اور سرسید کا ہمدم ہائے ہائے
جذب دار آخرت پیرانہ سالی میں یہ تھا — ہوگیا احباب کہنہ سے منقطع ہائے ہائے
قوم میں برسوں نہ دیکھا جائیگا جسکا کمال — ہوگیا مفقود وہ مرد معظم ہائے ہائے
کہدو اے محشر سرا فکار سے سال وفات — کاہش جان ہے وقار الملک کا غم ہائے ہائے
۱۹۱۷ء

نشاط

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

اوہم۔ اور آخر تم چاہتے کیا ہو۔

نشاط۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی شب کو تم اور ہارون میرے ساتھ چلو اور اسکو ایکٹ کرتے ہوئے دیکھو۔ نتیجہ کا مجھے کوئی خوف نہیں تم اس کی ذہانت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس وقت ہمارا فرض ہوگا کہ اس کو اس یہودی کے پنجۂ ظلم سے نکالیں آج سے تین یا کم از کم ڈھائی سال تک وہ یہودی کے ساتھ رہنے کی پابند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے کچھ نہ کچھ اس کو دینا پڑیگا لیکن ان شرائط کے طے ہو جانے کے بعد میں ایک تھیٹر قایم کروں گا۔ جو اس کے حسن حقیقی کے جلوہ آرائیوں کا مظہر ہوگا وہ ایک دنیا کو میری طرح دیوانہ کر دیگی۔

اوہم۔ مائی ڈیئر نشاط یہ غیر ممکن ہے۔

نشاط۔ نہیں یہ واقعہ ہے۔ اس کے پاس نہ محض ایک فن اور اک کامل حسن لطیف ہے بلکہ شخصیت بھی۔ اور تم نے مجھ سے اکثر کہا ہے کہ زمانہ کو ہلا دینے والی چیزیں شخصیتیں ہوا کرتی ہیں نہ کہ اصول۔

اوہم۔ اچھا پھر ہم لوگ کس دن چلیں۔

نشاط۔ ذرا مجھے غور کرنے دو۔ آج منگل ہے۔ ہم لوگ کل چلیں۔ کل وہ جولیٹ کا پارٹ کرے گی۔

اوہم۔ اچھا اب یہ طے ہے۔ کل آٹھ بجے شب کو فرخ منزل میں مجھے ملنا۔ ہارون کو میں ساتھ لیتا آؤں گا

نشاط۔ آٹھ نہیں ادہم۔ ساڑھے چھ۔ ہم کو وہاں پردہ اٹھنے کے قبل پہنچ جانا چاہیے۔ تم اسے پہلے ایکٹ میں دیکھو جبکہ وہ رومیو سے ملتی ہے۔

ادہم۔ ساڑھے چھ۔ یہ تو عجیب وقت ہے۔ سلمیٰ کو دیکھنے کے لئے جانا کھانے کے بعد شراب پینا یا انگریزی ناول کا پڑھنا ہے۔ اس کے لئے ساڑھے سات کا وقت ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی شریف آدمی سات سے پہلے کھانا نہیں کھاتا تم سے اس درمیان میں ہارون سے ملاقات ہوگی۔ یا میں خود اسے خط لکھوں۔

نشاط۔ ڈیر ہارون۔ میں نے ایک ہفتہ سے اسے نہیں دیکھا ہے۔ یہ میری بڑی زیادتی ہے۔ اس نے میری تصویر ایک نہایت نفیس اور حیرت انگیز فریم میں لگا کر میرے پاس بھیجی تھی۔ یہ فریم اس نے خود خاص طور پر میرے لئے بنایا ہے۔ اور اگرچہ میں اس تصویر پر اس لئے رشک کرتا ہوں کہ وہ مجھے کامل ایک مہینہ کمسن ہے تاہم مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس سے محظوظ و لذت گیر ہوتا ہوں۔ بہتر یہی ہوگا کہ تمہیں اسکو لکھوں میں اس سے تنہا نہیں ملنا چاہتا۔ وہ مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے جو مجھے پریشان کرتی ہیں۔ وہ تو مجھے نصیحت نیک دیتا ہے۔

ادہم۔ بعض حضرات جس چیز کے خود بیحد محتاج ہیں۔ اسے دوسروں کو دے ڈالنے کے بے انتہا شائق ہوتے ہیں۔ یہ ہے جس کو میں عمق سخاوت کہتا ہوں۔

نشاط۔ ہارون بہترین انسان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن جس وقت سے میں تم سے ملا ہوں اسی وقت سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک غیر دلچسپ تنگ خیال۔ اور خشک آدمی ہے۔

ادہم۔ مائی ڈیر نشاط۔ ہارون اپنی تمام تر دلاویزی کو اپنے فن میں صرف کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کے لئے اس کے پاس بجز اس کے تعصبات۔ اس کے اصول۔ اور اس کی فراست کے اور کچھ نہیں رہتا میں نے اگر کسی آرٹسٹ کو بذات

خود دلاویز دیا ہے تو صرف برے آرٹسٹ کو اچھے آرٹسٹ کا وجود تو صرف اُن کی تصانیف میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہے۔ وہ نہایت بدمزہ اور غیر دلچسپ ہوتے ہیں۔ آرٹسٹ میں ہمیشہ حسن صفاتی ہوتا ہے۔ ایک بڑا شاعر ایک حقیقتہً بڑا شاعر مخلوقات عالم میں سب سے زیادہ غیر شاعر ہوتا ہے لیکن شاعران کم رتبہ نہایت ہی دلکش ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار جتنے ہی ذلیل ہیں وہ خود اتنے ہی خوشنما نظر آتے ہیں محض مبتذل اور شخیف غزلوں کی اشاعت ایک شخص کو ناقابل مدافعت بنانے کے لئے کافی ہے اس کی زندگی میں وہ شاعری ہوتی ہے جو وہ لکھ نہیں سکتا۔ دوسروں کی تصنیف میں وہ شاعری ہوتی ہے جس سے عملاً لطف اٹھانے کی ان میں جرأت نہیں۔

نشاط۔ اوہم کیا یہ واقعہ ہے۔ ضرور ہوگا جبکہ تم ایسا کہتے ہو اور اب مجھے جانا چاہئے (Omegen) میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ کل کے لئے ہرگز نہ بھولنا۔ رخصت

جیسے ہی نشاط کمرہ کے باہر گیا۔ اوہم کی پلکیں جھک گئیں اور وہ کچھ غور کرنے لگا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی شخص نے اس کو اپنی طرف اتنا نہیں کھینچا تھا جتنا کہ نشاط نے باوجود اس کے اس لڑکے کی مجنونانہ پرستش غیر نے اس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکلیف یا احساس رقابت نہیں پیدا کیا تھا۔ وہ تو اس سے خوش تھا۔ اس نے نشاط کو اور زیادہ دلچسپ موضوع مطالعہ پا دیا تھا۔ اوہم ہمیشہ (Zoology) حیوانیات و نباتیات کے مطالعہ کا دلدادہ تھا لیکن ان علوم کے موضوعات و مباحث اس کو بالکل معمولی اور کم مایہ معلوم ہوتے تھے۔ حیات انسانی البتہ یہ ایک چیز ہے قابل تفتیش و جستجو۔ اس کے مقابلہ میں کوئی اور چیز اہم اور قابل توجہ نہیں نظر آتی تھی۔ اس میں کچھ ایسے لطیف و نازک زہر تھے جن کی بعض خصوصیات کا جاننا انسان کو مریض بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ اس میں کچھ ایسے طرفہ اور عجیب امراض ہیں جن کی ماہیت دریافت کرنے کے لئے پہلے ان میں مبتلا ہونا ضروری ہے۔ باوجود اس کے کہ تفتیش کو ایک بیش قیمت صلہ

ملتا ہے۔ اس کے لئے تمام عالم کتنا حیرت انگیز اور صداے عبرت سے لبریز ہو جاتا ہے ایک طرفہ اور دقیق منطق جذبات کا مطالعہ اور ایک رنگین جذبہ آمیز حیات ذہنی کا مشاہدہ یہ دیکھنا کہ ان دونوں کی سرحدیں کہاں ملتی ہیں اور کہاں پر ختم ہوتی ہیں کس نقطہ پر متحد ہیں اور کس نقطہ پر متباین۔ اس میں ایک لذت ہے۔ کیا مضائقہ کہ اس کی قیمت کیا ہے اک احساس واحد کے حصول کے لئے جتنی قیمت دی جائے اتنی ہی کم ہے۔ وہ جانتا تھا اور اس خیال نے اس کی آنکھوں میں ایک ضیا مسرت پیدا کر دی تھی۔ کہ نشاط کا سلسلے پر عاشق ہونا اور اس کی پرستش کرنا نتیجہ ہے اسی کے چند الفاظ کا چند ترنم آمیز الفاظ جو ترنم آمیز لہجہ میں کہے گئے تھے۔ بڑی حد تک نشاط موجودہ کی تخلیق کا وہی ذمہ دار تھا۔ اگرچہ یہ تخلیق قبل از وقت ہو گئی تھی لیکن یہ بھی اک بڑی بات تھی معمولی اشخاص پر زندگی کے رازہائے سربستہ انتظار گران کے بعد ظاہر ہوتے ہیں لیکن ایسے صرف چند افراد ہیں۔ چند چیدہ نفوس جن پر اسرار حیات نقاب اٹھنے کے قبل ہی منکشف ہو جاتے ہیں بعض اوقات یہ ہے اثر فنون لطیفہ کا خصوصاً فن ادب کا جس کا موضوع اصلی وہ جواہر افکار ہیں جو عقل و جذبات کی آمیزش کے نتائج ہوا کرتے ہیں لیکن بعض اوقات اک مرکب اور دلاویز شخصیت فنون لطیفہ کی جانشین ہو جاتی ہے۔ یہی شخصیتیں آرٹ کی اعلیٰ اور حقیقی تصانیف ہیں۔ زندگی کے مخزن تصنیفات میں ویسی ہی اعلیٰ ترین تصانیف موجود ہیں جیسی شاعری۔ نقاشی اور مصوری میں

(باقی آیندہ) آرنسٹ

آپ گھر بیٹھے انگریزی سیکھ لیجئے

اگر آپ انگریزی زبان جلدی عمدہ طور سے اور آسانی کے ساتھ سیکھنا چاہتے ہیں تو خورشید ٹن صاحب کا انگلش ٹیچر پڑھئے اسکی جامع سرسٹہ تعلیم کے بڑے بڑے افسروں نے نہایت عمدہ سے کی ہے اور اعلیٰ رائیں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ کتاب اس قدر پر فروخت کی جاتی ہے کہ اگر تمام انگلش ٹیچر ان سے زیادہ عمدہ اور مفید ہو تو قیمت واپس اور کتاب مفت۔

قیمت صرف ایک روپیہ محصول ۱۲ دو جلدوں پر محصول معاف ہوگا۔

ملنے کا پتہ:۔ مینیجر کارخانہ تمدن برادرس ۹ آگرہ شہر

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم جب کبھی اپنی ہستی پر غور کرتے ہیں، اور اپنی آپ خبر لینا چاہتے ہیں، تو بیچاری محدود عقل چکرانے لگتی ہے، سر پھر جاتا ہے، دماغ مختل، دل بیحس، ہو جاتا ہے، اور وہ تمام قوتیں جن پر ہم کو بجا طور پر فخر و ناز رہا کرتا ہے، اور جن کے بل بوتے پر ہم اپنے جامے میں پھولے نہیں سماتے، ہمیں صاف جواب دیدیتی ہیں۔ اس وقت ہم مجبور و عاجز ہو کر بے بسی کے عالم میں مردے کی طرح ساکت، و صامت، اور قبر کی طرح خاموش اور چپ چاپ، ہو جاتے ہیں: جس سے ہمارا عز و وقار اپنی ہی نظر میں قائم نہیں رہتا، جس کو بطور خود ہم نے اپنے منہ میاں مٹھو کی مثل کے مصداق بدرجۂ یقین فرض کر رکھا ہے۔ اور اُس شخصیت، خودداری، غرور، و تجسر کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے جس کی پُر فریب، مگر دلچسپ تاثیر قوامین قدرت کے توڑنے کی تحریک پر بارہا ہمیں آمادہ کر چکی ہوتی ہے۔ اس وقت زندگی بے سود و بہبود اور وجود بطور غیر موجود نظر آتا ہے۔

اس انقلاب گاہ میں ہر چیز تبدل، تغیر، تنزل، و انحطاط، کا مرقع ہے۔ ان میں سے انسان ہی کو لو، کیونکہ انسان کی نظر میں یہی ایک ایسی شے ہے جو کل موجودات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بچہ پیدا ہوا، اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا، اس کی نشوونما کا آغاز ہوا، مادی دنیا کی کثیف و غلیظ، آب و ہوا نے اس کی جسمانی حالت کو متغیر کرنا شروع کیا کبھی بیماری، کبھی صحت، کبھی رونا، کبھی ہنسنا یہ اور اسی قسم کی بے شمار باتیں ہوئیں جو اُس کی زندگی کا جزو لاینفک قرار پائیں۔ اور بغیر ہی بے پروائی کے عالم میں سن طفولیت نے خیرباد کہا۔ نوجوانی کا زمانہ آیا بقول حکما اعقل

کو بیخبری نصیب ہوئی۔ بھلے، برے کی تمیز آئی۔ اور اپنی زندگی ہوش، وحواس کے ساتھ بسر کرنا شروع کی۔ بے انتہا قیود، اور پابندیاں عائد ہوئیں۔ اعزہ، اقربا، دوستوں کی تالیف قلوب، حقوق، وفرائض کا بوجھ سر پر آپڑا۔ دشمنوں کے شر سے بچنے کا خیال، خدا، رسول اور حکومت وقت کے قوانین کی پابندی، اور اسی طرح اور بہت سے امور ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے۔ شادی بیاہ ہوا گویا ایک نئی آفت میں پھنسے، مصیبت، وراحت کا ساتھ رہا۔ رنج، وغم، خوشی، خرمی، یکے بعد دیگرے ہزار دکھ ہمیشہ ساتھ رہیں، بچہ مرگیا تو دل میں داغ کلیجہ میں ناسور پڑ گیا، بیوی مرگئیں تو گویا "خانہ عیش بے چراغ ہوا" راحت، آرام، آسائش خاکیں ملگیا۔ اور اگر بیوی بچے زندہ رہے تو مذکورہ بالا نکاہ، دلسوز، بہت سی مصائب نئی نئی شکلیں اختیار کر کے جلوہ نمائی کی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ پیٹ پالنے کی فکر نے تو مار ڈالا۔ زندہ درگور کر دیا۔ اب جو دیکھا تو حالت دگرگوں نظر آئی۔ نہ پہلا سا دم خم، کس بل رہا، نہ آن، بان، شان رہی۔ نہ ہمت، قدرت، اور قوت کا وجود ۔۔ صرف ڈھانچ رہگیا، ہڈیوں کا پنجرہ، رگ پٹھوں کے تانے بانے کا جال، جسپر کھال منڈھی ہوئی ۔۔ ۔۔ وہ جوش، وخروش، وہ عزم، وحوصلہ، وثبات، واستقلال، رفو چکر ہو گیا۔ ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، دل، ودماغ، غرض ہر عضو بدن نے ٹکا سا خشک جواب دیدیا کہ بھئی ہمسے اب تمہاری ہمصفیری نہیں ہو سکتی تم جانو اور تمہارا کام۔ کیا خوب! یہ انقلاب بھی نیا ہے ؎ "کیوں نہ ہو لے دور گردوں کیوں نہو" اپنے بیگانوں پر جو نظر کی تو مطلع صاف۔ کوئی منہ نہیں لگاتا، خاندانی ممبر کنبے، قبیلے کے چھوٹے، بڑے، لوگ یار، آشنا، سبھی موجود ہیں مگر اب ہم تو بدل ہی گئے وہ متوجہ ہوں تو کیسے، اور بات پوچھیں تو کیوں۔ رہ رہ کر موت کی یاد سوہان روح، قبر کی تنہائی، اور آئندہ کا خیال وبال جان۔ گذشتہ رنج وغم مسرت وعشرت ناکامی وکامیابی کی بیتی جاگتی تصویریں پیش نظر۔ لوگ کہتے ہیں "پاگل ہو گیا" گناہوں اور جرموں کی یاد آتے ہی سزا کا یقینی احساس ۔۔ خوف ۔۔ ۔۔ فنا

"ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے"

ہاتف

نپولین اور مسئلہ تقدیر

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے نپولین کی لائف کے ایک چھوٹے ٹکڑے کا ترجمہ تمدن کے لئے عنایت کیا ہے۔ آپ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے دوست منشی رسول احمد صاحب منصرم عدالت جج مرزاپور نے یہ قصہ نپولین کی لائف سے پڑھ کر مجھے سنایا۔ دلچسپ بات تھی میں اس کو ترجمہ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ منشی رسول احمد صاحب نے زحمت گوارا کی اور مضمون انگریزی ٹائپ کر کے عنایت فرمایا۔" ہم دونو حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حضرت اکبر اپنی اس عنایت کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ اور نظم و نثر سے ناظرین تمدن کو مستفید فرماتے رہیں گے۔ ایڈیٹر

نپولین نے اپنی بی بی کے سر پر تھپکی دیکر کہا کہ "جوزفائن" میری قسمت کا بھی ایک ستارہ ہے۔ میں اپنے کام کو دیکھ رہا ہوں اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ مجھکو کیا کیا کرنا مقدر ہے۔ کوئی چیز مجھکو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے۔ اہل عرب تقدیر کے قائل ہیں اور بلاشبہہ وہ برحق ہیں۔

جوزفائن نے کہا۔ جب ہر بات کا فیصلہ تقدیر نے کر دیا ہے۔ تو پھر تم کیوں تدبیریں کر رہے ہو۔

نپولین نے کہا۔ ارے بھولی نادان۔ میں تدبیر اسی لئے کر رہا ہوں کہ وہ مقدر ہے۔ تم سمجھو کہ تدبیر بھی تقدیر کا جزو ہے۔ ہمارا دماغ ایسا بنا ہے کہ ہم تدبیر کریں۔ میں ہمیشہ ایک بندش اٹھاتا ہوں۔ اور جب تک میرا کام ختم نہیں ہوتا کوئی نہیں جان سکتا کہ اس پردہ بندش میں کیا ہو رہا ہے۔

مدیر تمدن کی اجازت سے شائع کیا گیا۔ المشتہر محمد یحییٰ تنہا بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ الہ آباد

غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

تمہاری شکل میں تمہارا حسن کو جلوہ وہ دکھا دینا — قضا نے مجھکو چاہا عشق کا پتلا بنا دینا
سوال دید پر منظور ہے اُن کو سزا دینا — ذرا برق تجلی بیچ سے پردہ اٹھا دینا
مرا دل پھیکر چھوڑ آئے یونہیں کوئے الفت میں — ذرا سی بات تھی ٹھوکر سے مٹی میں ملا دینا
گریباں گیر قاتل وہ لہو رزے جزا کیوں ہو — ازل سے جسکی آب و گل میں ہے بوے وفا دینا
دل زخمی بتا آہوں کے ہاتھوں تجھپہ کیا گزری — سنا کرتے ہیں کلیوں کا ہوا سے مسکرا دینا
ہوا سے طور بن لیے آہ مجنون رات لیلیٰ میں — ذرا محمل کے پردے کو اٹھا کر پھر گرا دینا
زمیں اب کروٹیں لینے لگی گور غریباں کی — لحد میں اُن کی شوخی تھی مرا شانہ ہلا دینا
شب فرقت حجاب جسم باقی رکھ نہیں سکتی — یہ بیچ ہے کہ رشتہ وصل ہے پردہ اٹھا دینا
ہزاروں داغ ہیں دنیا کہیں پردہ نہ کھنچ جائے — ادھر آنا تو پہلے ان چراغوں کو بجھا دینا
جو سر کٹرا کے سوے تھے وہ وعدہ اٹھے ہیں — قیامت آرہی ہے حشر و انور استا دینا
تجھے اور کی خاطر چھوڑے جاتا ہوں میں اے عبرت — مرے بعد آنیوالوں کو مرا قصہ سنا دینا
سر شام جوانی سو رہا میں دل سے یہ کہکر — جو تیری آنکھ کھل جائے تو مجھکو بھی جگا دینا
بھری تھیں مرواہیں دستوں نے مجھکو غش پاکے — سنا سب تھا تمہیں بھی اپنے دامن کی ہوا دینا
دل نالاں کبھی ناکامیاں بھی کام آتی ہیں — جدھر سے کچھ نہیں ملتا اُدھر بھی اک صدا دینا
مرا دل محرم اسرار حسن و عشق تھا ثاقب — قرین مصلحت تھا مجھ کو دیوانہ بنا دینا

استاذ العلماء حضرت نجم آبادی

کوئی مجنوں کے سوا عاشق لیلےٰ نہ ہوا — پر نظر جس کو پڑی وہ تجھپہ وہ واللہ نہ ہوا

پوچھتے کیا ہیں کہ بیمارِ غم اچھا نہ ہوا ۔ ان کی پاپوش کے صدقہ سے ہوا یا نہ ہوا
تم حیادار رہی ۔ اس کے تم کیا معنی مجھ سے پردہ ہوا غیر سے پردا نہ ہوا
آپ کے پردہ کی کیا بات ہے ۔ سبحان اللہ مجھ سے پردہ ہوا ۔ اور غیر سے پردا نہ ہوا
کیا حیا کے یہی معنی ہیں ۔ بُت حیلہ جو مجھ سے پردہ ہوا ۔ اور غیر سے پردا نہ ہوا
چوٹ پر چوٹ سہے جاؤں ۔ گراں نہ کروں پتھر ۔ اے یار ! ہوا ۔ میرا کلیجا نہ ہوا
وہ عیادت کیلئے آئے تھے ۔ یہ کیا کم تھا اُن کا بیمار جو اچھا ہوا ۔ اچھا نہ ہوا
میرے اس بُت میں نظر آتی خدائی قدرت گر اے شیخ ! تجھے دیدۂ بینا نہ ہوا
میں تو قائل نہیں ۔ اے بادِ بہاری ! تیرا کہ ہرا تجھ سے مرا نخلِ تمنا نہ ہوا
آج اگر ہم سے نظر بدلی ۔ تو کل اور سہی نہ وہ اپنوں کا ۔ نہ غیروں کا ۔ کسی کا نہ ہوا
دل مرا لے کے جواب پھیرنے آئے ہیں آپ مہرباں ! یہ کوئی بازار کا سودا نہ ہوا
بُلبلو ! تم کو دکھاتا کہ یہ گل میں کیا مال اے ! اس وقت وہ میرا گلِ رعنا نہ ہوا
مر گئے دیکھتے ہی دیکھتے فردا کی راہ وعدۂ حشر ہوا ۔ وعدۂ فردا نہ ہوا
دفن کر کے مجھے سب اپنے لگائے بھاگے سونس حال مرا سبزۂ بیگانہ ہوا
قدم اُس رشکِ مسیحا نے جب اس میں رکھا روکشِ چرخِ چہارم مرا کاشانہ ہوا
واہ رے اُجڑے ہوئے خانۂ دل کی قسمت ! کہ پسند اس شہ خوباں کو یہ ویرانہ ہوا
مجھ سے کب منبسط ہوئے بحر میں تیرے نالے کب ان آنکھوں سے رواں اشک کا دریا نہ ہوا
میرے بسمل مرنے پہ یا تھا متعجب ۔ یا اب شیخ بھی دیکھ کے اس شمع کو پروانہ ہوا
شوقِ دیدار میں پھر وہ اٹھی کہہ اٹھتا گر ۔ افسوس ! ترے عہد میں موسیٰ نہ ہوا
بھر کے جام سے گلرنگ وہ کب بھیجتے ہیں جبکہ لبریز میری عمر کا پیمانہ ہوا
کیا اب امید تپِ غم سے شفا پانے کی ؟ جب مسیحا سے بھی ۔ رنجور ! مداوا نہ ہوا
فکرِ امروز میں ۔ رنجور تیری عمر کٹی لیکن اک روز بھی تجھ کو غمِ فردا نہ ہوا

عرش

حضرت حسرتؔ موہانی

اس تغافل پر بھی تو کہتے ہیں تجھ کو یاد ہم
کہئے یوں بھی دیکھ لے اے بانیٔ بیداد ہم

عقل کب آئی ہیں جب ہو چکا ناکام دل
رحم کب آیا انہیں جب ہو چکے برباد ہم

آئے تھے محفل میں تیری با ہزاراں آرزو
یاں چلے ہیں ایک لے کر خاطر ناشاد ہم

ہر طرف پیش نظر ہے وہ جمال دلفریب
دیکھتے ہیں یوں بہار گلشن ایجاد ہم

قید تنہائی میں بھی تنہا نہیں اے یاد یار
آج یہ عقدہ کھلا ہم پر کہ ہیں آزاد ہم

مار ڈالا مجھ کو حسرت یونہیں جب اُس نے کہا
مانتا ہوگا تجھے کرتے ہیں جو ارشاد ہم

حضرت دلؔ شاہجہانپوری

الحذر اے شان خاکِ دل مآل کی
تصویر کھینچ دی تری مستانہ چال کی

پردہ اٹھا دیا یہ عجب اُس نے چال کی
دیکھا تو ہم میں تاب نہ تھی عرضِ حال کی

بس انتہا یہ ہے غم و رنج و ملال کی
حالت مری سی ہو گئی پریشان حال کی

ہو اسکے بعد جملہ امیدوں کا خاتمہ
یہ آخری ہو کسی کے وصال کی

اے شوقِ وصل تو ہی بتا اب کہ کیا کروں
ہمت سکوت کی ہے نہ طاقت سوال کی

جز ظلم نارواکا ترے پردہ پوش تھا
اُس بے کفن کی لاش عبث پائمال کی

افسوس آج دل کا تقاضہ کہ کچھ کہو
جب ہم میں کچھ سکت نہ رہی عرضِ حال کی

اے بے نیاز شانِ کریمی کا واسطہ
رہ جائے آبرو عرقِ انفعال کی

خاموش ہوں جو صورتِ تصویرِ پیشِ یار
تمہید ہے یہ میرے سوال وصال کی

کل انتہائے ضعف سے اٹھنا محال تھا
آج اوڑھی ہے خاک دل پائمال کی

اس کو تو خاک میں نہ ملائے ہجوم یاس
لے دے کے اک یہی ہے تمنا وصال کی

نشتر سے کر سکا ترے ناوک کو سرخرو
ہستی ہی کیا تھی اس جگر خستہ حال کی

مخمور خون دل میں ہو سودائے عشق یار — رگ رگ میں بھر گئی ہو تمنا وصال کی
ہو کر اسیر زلف اب آزاد ہو گیا — تقدیر کھل گئی دل شفتہ حال کی
جب طالب جمال بڑھے یہ صدا سنی — ٹھہرو کہ برق کو ندرہی ہو جلال کی

دل سے کبھی نہ جائیگا اے دل خیال دوست
ہے اپنے دم کے ساتھ تمنا وصال کی

حضرت قیصر لکھنوی

جگر میں درد اٹھا ہے دھڑک کر قول ہے دل کا — خدا آساں کرے جلدی کہ یہ ہے وقت مشکل کا
بوقت ذبح وحشت سے جو کانپا ہاتھ قاتل کا — رگیں پھڑکیں تشنج بڑھ گیا کچھ اور بسمل کا
ہمارے چار آنکھوں نے تکلکر کی وہ طغیانی — نظر کو سوجھ گئی لیکن نشان پا یہ نہ ساحل کا
تری شوخی بھری آنکھوں کا سب کرتے ہیں نظارا — کوئی پرساں نہیں ہوتا مرے حسرت بھرے دل کا
شناور آئے میری چشم تر اور خشک لب دیکھے — وہ ہے تصویر دریا کی تو یہ نقشہ ہے ساحل کا
محبت میں ہے مزا اہل ہمت تو یہ کہتی رہے — مگر عنوان کہتے ہیں کہ یہ ہے کام مشکل کا
اونہیں دست حنائی اپنا سینہ پر رکھتا تھا — صدقے لے کر لیا اندازہ میرے شعلۂ دل کا
تصدق ہونیکو اس جاگریگی چرخ سے بجلی — جہاں پر خون جس جس جاگرا ہے تیرے بسمل کا
لگیں ہیں ہر طرف خلوت کدہ میں انکی تصویریں — ملا کرتا ہے تنہائی میں ہم کو لطف محفل کا
زبان نشتر فصاد حد سے بڑھتی جاتی ہے — زیادہ منہ نہ کھلوائے کہیں میری رگ دل کا
وہ اپنے ساتھ اپنے گھر مجھے لیجا نیوالے ہیں — نہ کیوں مشتاق ہوں ایسے سفر کا ایسی منزل کا
لہو کی دھار کے زخم سے ابل جوش میں نکلی — بڑے زوروں میں پھر کر جا رہا ہے تیر قاتل کا
ہر اک کے ہاتھ پر فرد عمل روز جزا ہوگی — ہمارے ہاتھ میں قیصر گریباں ہوگا قاتل کا

حسرت باسط بسوانی

ساقیٔ بزم سے ہو جائیں مری چار آنکھیں — یوں پلا جائیں تجھے شربت دیدار آنکھیں

تیم وار رہتی ہیں ہنسنے میں وہ عیار آنکھیں
تاکہ کوئی تیر چلاتی ہیں ستمگار آنکھیں

جان لیتی ہیں کبھی اور عب ملاتی ہیں کبھی
گل کھلاتی ہیں تری نرگس بیمار آنکھیں

اللہ اللہ ترا جلوۂ حیرت افزا
کھول کر رہ گیا ہر طالب دیدار آنکھیں

ہاں چھپا لیجئے بے شک رخ حسیں اپنا
دیکھئے نوٹ نہ لیں دولت دیدار آنکھیں

دختر رز کو کبھی منہ نہ لگایا ہم نے
دیکھنے پر کی ہیں اے شیخ گنہگار آنکھیں

منہ چھپا کر دم آخر بھی ستمگر آیا
ساتھ لے جائیں گی اب حسرت دیدار آنکھیں

نظر آ ہی گیا اس پردہ نشیں کا جلوہ
روزنِ دیوار نہیں روزنِ دیوار آنکھیں

باڑہ خنجر پہ ہے یہ سرمہ کی تحریر نہیں
دل کے ٹکڑے کئے دیتے ہیں طرحدار آنکھیں

وہ نظر ہی نہ رہی جس نے اڑایا نہ لگو
اب تو جھپکے سے بھی کرتے نہیں وہ چار آنکھیں

ہاں یہی چاہیے الفت کا تقاضا ہے یہی
نیر سے تلووں سے ملیں طالب دیدار آنکھیں

چل دیا توڑ کے گلچیں گل رعنائے چمن
کس کو دکھلاتی ہیں اب نرگس بیمار آنکھیں

باسط آئینہ میں دیکھو نہ رخ زرد اپنا
ایسی صورت سے ہوا کرتی ہیں بیمار آنکھیں

حضرت بیخود کلکتہی

نہ کیونکر رؤں میں تقدیر ہی کچھ اور کہتی ہے
دم وعدہ تری ظالم ہنسی کچھ اور کہتی ہے

خوشی اور غصہ دونوں میں ہم ترے تلوؤں ملیں
نظر کچھ اور کہتی ہے ہنسی کچھ اور کہتی ہے

تمناؤں کا مطلب اور ہی کچھ ہے شب وصلت
جبھی پر جا ہی یار کی کچھ اور کہتی ہے

یہ مانا اپنے بستر ہی پہ تم تھے خواب راحت میں
خبر لو گیسوؤں کی برہمی کچھ اور کہتی ہے

اوڑا کر ہوش میرے دل کو بھی سینے سے لیتا جا
اے بے دید چشم مست ابھی کچھ اور کہتی ہے

فراق دوست میں صبر اور کچھ کہتا ہے آنکھوں سے
مگر آفت یہ ہے دل کی لگی کچھ اور کہتی ہے

مریض ہجر لطف چارہ گر سے مطمئن کیا ہو
روش نبضوں کی وقت جانکنی کچھ اور کہتی ہے

دعائیں مانگتے ہیں دست میرے اچھے تپکی
مگر تکلیف دلکے درد کی کچھ اور کہتی ہے
خداوندا بخیر انجام کرنا شام وعدہ کا
دل پُرشوق کی بیخودشی کچھ اور کہتی ہے
بظاہر پارسائی کا بڑا دعویٰ ہے محشر کو
مگر رندوں سے انکی دوستی کچھ اور کہتی ہے

حضرت ہوشؔ بگرامی

ناز و انداز سے وہ آتے ہیں
دیکھیں کیا قہر آج ڈھاتے ہیں
حضرتِ دل کا یہ خیال ہے خام
وہ بھلا میرے بس میں آتے ہیں
بیٹھتے ہیں جو چھپکے پردے میں
لاکھوں فتنے وہی اٹھاتے ہیں
قتل کسکو کریں گے آج کہ وہ
بار بار آستیں چڑھاتے ہیں
کیوں نشگفتہ نہ بعد مرگ ہو دل
پھول وہ قبر پر چڑھاتے ہیں

جو ہیں دیوانے زلف پیچاں کے
ہوش میں پھر کہیں وہ آتے ہیں

جناب عارف حسین صاحب عارفؔ مرحوم

وہ میرا فیصلہ کردے وہ سب کا فیصلہ کردے
نگاہ ناز اگر چاہے تو اک محشر بپا کردے
نہیں کچھ اور خواہش ہاں مگر اتنی تمنا ہے
دیا ہے درد اگر تو نے تو اسکو لادوا کردے
اٹھائے جائے رنج ناامیدی کب تلک یارب
دل مضطر کو اب تو بے نیاز مدعا کردے
تمنا ہے بھلا بیٹھوں میں پھر فکر دو عالم کو
خدایا پھر وہی کیف ہجوم غم عطا کردے
کسے جرأت ہے عرض حال کی ہاں یہ توقع ہو
مری مجبوریوں کو بیکسی شاید ادا کردے
یہی ہیں اضطراب دل کی باعث کاش ایسا ہو
تمنا دل کو میرے قلب سے کوئی جدا کردے
عطا کر لذت درد جگر پھر اک دفعہ یارب
دل ناشاد کو میرے کہیں پھر مبتلا کردے
نہیں گر درخور اعتنا دل عارفؔ تو یارب پھر
غم محرومی جاوید کو لذت فزا کردے

ایک نظر

نواب وقار الملک مرحوم: تمدن کا ضروری نمبر چھپ چکا تھا جسوقت ہمیں اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملی جسکی تلافی آج مسلمانوں کے امکان میں نہیں ہے آج ایکماہ چند کے بعد گو نواب وقار الملک مرحوم کی موت پر ایک ہوار رسالہ کا اظہار افسوس کرنا بعد از وقت معلوم ہوتا ہے مگر نواب انتصار جنگ وقار الملک مرحوم کی موت کسی ایسے شخص کی موت نہیں ہے جو ایکھدی بھی نظر انداز کی جا سکے۔ نواب صاحب مرحوم کی اسلامی شخصیت، صداقت، قومی ہمدردی مسلمانوں کا درد یہ ایسی چیزیں ہیں جو قوم کی آنکھوں کو صدیوں تک اشکبار رکھینگی۔ نواب وقار الملک مرحوم کی شخصیت ایک ایسی شخصیت تھی جسکی نسبت بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر آج ہندوستان کے مسلمانوں میں سے ہم صرف ہی اُنکی پوری تقلید کرے تو مسلمان اس ادبار کی حالت سے یقیناً نکل جائیں جس کے آج مبتلا ہیں نواب وقار الملک مرحوم کا یوں تو ہر کارنامہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے مگر ہم اُنکی اُس محبت کی ایک مثال پیش کرتے ہیں جو انہیں علیگڈھ کالج اور اسکول کے اُن طلبہ کے ساتھ تھی جنکی سرپرستی قدرت نے انکے سپرد کر دی تھی۔ ایکدفعہ جبکہ کالج اسپتال کے احاطہ میں جہاں چیچک میں مبتلا لڑکوں کے لئے جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں آگ لگ گئی اور بہت سے طلبہ اپنے اپنے مکانوں سے آگ کے شعلوں کو دیکھکر اسپتال کیطرف دوڑے خاکسار رائیٹر بھی ان طلبہ میں تھا جنہوں نے سب سے قبل اسپتال کے احاطہ میں پہنچنے کی کوشش کی اور خاکسار رائیٹر کے بعد سے جلد پہنچنے کی ایک یہ بات بھی موجب ہوئی کہ میرا ایک چھوٹے بھائی بھی جھونپڑیوں میں مقیم تھا مگر میرے استعجاب کی کچھ انتہا نہ تھی جب مینے نواب وقار الملک مرحوم کو جو بمقتضائے عمر پورے طور سے چل بھی نہ سکتے تھے وہاں موجود پایا جس سکرٹری کو کالج کے لڑکوں کا اسقدر خیال ہو اُس کی سکرٹری شپ آخر کیونکر کامیاب نہ ہوتی کالج کے طلبہ اور مسلمان انکے غم میں جتنا بھی ماتم کریں کم ہے آج ہمیں نواب وقار الملک مرحوم کی جگہ پر مسلمانوں کا حقیقی اور معنوی لیڈر بننے کیلئے کوئی شخص نظر نہیں

آجکل مسلمانوں کے موجودہ لیڈروں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ مسلمانوں کے صحیح لیڈر بننا چاہتے ہیں تو انکو نواب دارالملک مرحوم کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔ اس سانحہ میں ہم نواب صاحب مرحوم کے پسماندگان سے ہمدردی کرتے ہیں ؛

دیوان حسرت موہانی: بیگم صاحبہ حسرت موہانی نے حضرت حسرت کا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لئے بھیجا ہے۔ جناب حسرت کا کلام تمدن میں برابر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ناظرین تمدن سے اُن کی شاعری کا تعارف کرانا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ جناب حسرت آج ہندوستان کے اُن چند شعرا میں سے ہیں جنکو اُنکے ہر دلعزیز رکھنے کی بدولت دست قدرت نے مقبولیت کا امتیازی تمغہ عنایت کیا ہے ؎

این سعادت بہ زور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت حسرت کو آج جو امتیازی حیثیت شعرا کے طبقہ میں حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جہاں آپ کے دل پر اثر کرنے والے جذبات سے مملو اشعار ایک طرف ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اپنا احترام اور عزت قایم کر لیتے ہیں وہاں وہ پرانے لوگ بھی جنہوں نے اساتذہ فن کی صحبتوں میں شرکت کی ہے آپ کو ایک اچھا شاعر ماننے میں تامل نہیں کرتے۔ ہندوستان میں ایسے بہت کم شاعر ہونگے جنہیں یہ فخر حاصل ہو کہ ان کا کلام ہندوستان کے دونوں طبقوں یعنی انگریزی تعلیم یافتہ حضرات اور پرانے زمانہ کے قدردانان فن شعر میں مقبولیت رکھتا ہو۔ اور یہ ایسی کامیابی ہے جس پر حضرت حسرت کو جسقدر مبارکباد دیجائے کم ہے۔ آپکے شاعرانہ جذبات کی نسبت بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آپکے بیشتر اشعار دل سے اور ایک دردمند دل سے نکلنے والے اشعار ہیں جو دل میں گھر کئے بغیر نہیں رہ سکتے ؛

دیوان کے تین حصے کئے گئے ہیں۔ حصہ اول میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۲ء تک کی

غزلیں موجود ہیں۔ جسے نازک خیالی روزمرہ اور عاشقانہ جذبات کا مخزن کہنے چاہئے ہم کو ذرا باک نہیں کیونکہ اس کی ہر ایک غزل قریب قریب اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے بعض بعض جگہ اس میں وہ مضامین بھی پائے جاتے ہیں جو گلدستہ تصوف کے رنگین پھول بننے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

حصہ دوم میں وہ غزلیں ہیں جو قریب قریب مشہور ادبی رسالوں اور اخباروں میں شائع ہو کر ملک میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی نسبت ہم کو کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیسرے حصہ میں جو بطور ضمیمہ ہے اس میں حضرت حسرت کی ابتدائی غزلیں ہیں جن کی نسبت باوجود ابتدائی ہونے کے کوئی بُری رائے ہرگز قائم نہیں کیجا سکتی۔

مجموعی حیثیت سے اس دیوان پر نظر ڈالنے سے ضرور یہ رائے قائم کرنی پڑتی ہے کہ آپ کے کلام میں وہ سب باتیں موجود ہیں جو ایک کہنہ مشق اور زبردست شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں۔ اگرچہ ہم نے اس دیوان کے متعلق بہت اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر یہ رائے نہایت زور کے ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ کہ دیوان جناب حسرت ضرور اس قابل ہے کہ اساتذہ کے دیوانوں کے ساتھ الماریوں کی زیب و زینت بڑھائے۔

اس دیوان کی اشاعت پر بیگم صاحبہ حسرت بھی مبارکباد کی مستحق ہیں۔ حضرت حسرت کے کلام کی مقبولیت اور اس کی پختگی کو دیکھکر ہمیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مخزنہ جاوید میں حضرت حسرت اور ان کے کلام کو کیوں جگہ نہ دی گئی۔ اور لالہ سری رام صاحب ایم اے نے کیوں حضرت حسرت کو نظر انداز کیا۔ حالانکہ حسرت کا فکر حضرت تسلیم کے بہتیرے شاگردوں کے سلسلہ میں اور ایک دو جگہ اور بھی آیا ہے اس زمانہ کا کوئی تذکرہ حسرت کا تذکرہ مکمل نہیں کہا جا سکتا جسمیں حسرت کا ذکر اور انکا کلام درج نہ ہو حضرت حسرت کا دیوان دفتر رسالہ تمدن سے زینت بیگم صاحبہ حسرت موہانی دفتر تذکرۃ الشعراء علیگڈھ سے ۱۲ میں مل سکتا ہے ✦

حضرت تعشق لکھنوی :- لکھنؤ کے چمنستان شاعری کے ایک خوشنما پھول تعشق مرحوم کی تصویر ضروری کے تمدن میں شائع کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک مضمون بھی حضرت منور دہلوی کی قلم سے نکلا ہے۔ ہمارے بعض لکھنوی احباب کو شکایت ہے کہ اس مضمون میں تعشق مرحوم کی تعریف کم کی گئی ہے اور برائی زیادہ۔ افسوس ہے کہ ہم اس خیال میں ان سے متفق نہیں ہیں۔ ہم حضرت تعشق کی شاعری کے متعلق اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ لکھنؤ کے ان ممتاز ترین شعرا میں سے ایک تھے جن کے ناموں کی تعداد بہت ہی کم ہے ہمیں حضرت تعشق کے کلام میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں جو انہیں لکھنؤ کے بہت سے اساتذہ پر ممتاز رکھتی ہیں۔ جناب منور کے مضمون کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اسمیں جناب تعشق کا دوسرے شعرا سے تقابل کرکے اکو کمتر ثابت کیا گیا ہے اور انکو سارق گردانا گیا ہے واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ کسی دوسرے استاد کا شعر لکھدینے سے یہ حسن ظن قایم کرنا صحیح نہیں ہے کہ کسی ایک استاد کا شعر دوسرے سے کمتر ہے۔ اصل میں دو استادوں کے شعر لکھدینے کا یہ مطلب ہے کہ اسبات کو نمایاں کیا جائے کہ دونوں استاد ایک ہی مضمون پر اپنے رنگ طبیعت کے مطابق کس طرح گلکاریاں کرتے ہیں۔ تو اور مضمون سے کسی ایک استاد کا سارق ثابت ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ جناب منور کے مضمون میں حضرت عزیز کے اس فقرہ[1] پر بھی نوشاد ہوئے جسکو ہم تمام ہوش گوش اہل دہلی کے مقابل میں تعریف کرتے ہیں کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ اہل لکھنؤ کیلئے تعشق کے ہر دو سہ جملہ شعرا ماضی و حال و اساتذہ دہلی کے کلام کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ چونکہ حضرت عزیز کے فقرہ کو غلط نقل کیا گیا ہے اسلئے اسکی تردید کرنا ہمارا فرض ہے اسکے ساتھ ہی حضرت عزیز کے فقرہ کو نقادان شعر کوئی خاص وقعت نہیں دیسکتے نہیں ان خیالات کے اظہار کی ضرورت اسوجہ سے پیش آئی کہ بعض لوگوں اس مسئلہ سے دہلی اور لکھنؤ اور انکی زبان کو مسئلہ پر مضامین لکھنا ہے مگر ہم کو دین جنکی ابتدا ہوگئی ہے اور چونکہ ہم دہلی اور لکھنؤ کی بحث کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں اسلئے ایسے مضامین کو درج کرنے پر مستعد نہیں ہیں البتہ کسی ایسے کامل کا مضمون حضرت تعشق کے متعلق شائع کرینگے جو دہلی اور لکھنؤ کی بحث مطلق نہو اور حضرت تعشق کی شاعری پر روشنی آجائے اور دنیائے شاعری پر جو انہوں نے کیا ہے سکو نمایاں کیا گیا ہو۔

[1] یہ فقرہ خمخانۂ جاوید سے لیا گیا ہے۔

مسلمانو! شاندار قرآن مجید مراحتاشہ پڑھو!!

یہ قرآن شریف متوسط القسم ہے خط نہایت پاکیزہ چھاپہ خوشخط اس کے حرفوں کی خوشنمائی موتی کی آب سے زیادہ کاغذ سفید چمکتا ولایتی۔ بسم اللہ کا حسن تحریر جداگانہ جلد نہایت عمدہ مبتدیوں کے لئے اس سے بہتر قرآن مجید شائع نہیں ہوا۔ ہدیہ مجلد عہ

نوجوانوں اور بچوں کو انگریزی سکھانے کی آسان کتاب

انگلش ٹیچر اردو انگریزی مع ایٹر رائٹر

اس لاجواب کتاب میں گرامر ٹرانسلیشن ایڈم اور ایٹر رائٹر وغیرہ درج ہیں لفظوں کے معنی اور تلفظ اردو لکھے گئے ہیں یہ کتاب طالب علموں کے لیے عموماً اور ان لوگوں کے لیے خصوصاً تالیف کی گئی ہے جو انگریزی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتے۔ ہر قسم اور ہر محکمہ و عدالتی بول چال کا ترجمہ عام فہم اردو میں کیا گیا ہے۔ فی جلد مجلد ایک روپیہ

پتہ:۔ ایچ محمد یوسف خان مینیجر شہرت ایجنسی دہلی فراشخانہ

میں خوبصورت نوجوان لیڈی ہوں

اور ایک نہایت خوشرو نوجوان بی اے۔ ایم۔ اے وغیرہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں معزز منٹلمین۔ رنگیلے چھبیلے جنٹلمین کو دلدادہ خبردار ہو جاؤ

پری جمال صابون

جو حسن خوبصورتی پیدا کرتا چہرہ کی رنگت سفید چمکدار اور رواں کرتا ہے۔ ایک خاندانی طبیب کی ایجاد ہے۔ فوراً منگا کر استعمال کرو یہ صابون تازہ تازہ خوشبوؤں سے تیار ہوتا ہے کالا رنگ کملایا ہوا چہرہ صرف سات روز ملکر نہانے سے گلاب کی پتی کی مانند خوبصورت ہو جاتا ہے جھائیاں اور مہاسے فوراً کھو دیتا ہے فی بکس ۳ ٹکیہ مع فیشنیبل صابون دانی عہ

پری بہار سیرائل

سر میں لگانیکا خوشبودار تیل خشکی دماغ کو دفع کرتا ہے۔ اس کے استعمال سے بال لمبے اصلی ریشم کی طرح ملائم ہو جاتے ہیں بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے۔ فی شیشی دس تولہ ایک روپیہ (صہ)

المشتہر حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ نورتن دہلی بازار فراش خانہ

بدقسمت نوجوان

جنہوں نے اُلھڑ جوانی کے جوش میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنے ہاتھوں اپنی مردی کو تباہ کر لیا ہے۔ جن کے اعضائے رئیسہ کمزور ہو گئے ہیں۔ دل ذرا سی بات میں دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ تنہائی پسند آتی ہے۔ عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔ حافظہ کمزور۔ دماغ پریشان اور خیالات منتشر رہتے ہیں۔ بصارت گھٹ گئی ہے۔ اور سر میں چکر آتے ہیں۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی۔ بدن سوکھتا جاتا اور سستی چھائی رہتی ہے۔ چہرے کی رونق اُڑ چکی ہے۔ ویرج پتلا پڑ گیا ہے۔ اور جریان یا احتلام کی شکایات سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ آئیں اور

زمانہ حال کی بہترین قوت بخش دوائی "چندر کلا" کا استعمال کریں

جس کی برکت سے اب تک ہزاروں زندگیاں موت کے منہ سے بچائی جا چکی ہیں۔ یہ اوپر کی جملہ شکایات کا بہتر سے بہتر اس لئے سستے سے سستا علاج ہے۔ جو آجتک طبی دُنیا کو معلوم ہوا ہے۔ گویا "چندر کلا" کا وجود طبی دنیا میں آیورویدی ایک عظیم الشان فتح ہے۔ اِسکے استعمال سے وہ مایوس العلاج بھی از سر نو جوانی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ جو اشتہاری دواؤں پر اپنی دولت برباد اور صحت نثار کر کے زندگی وبالِ جان سمجھ چکے تھے۔ اگرچہ یہ رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن وہ یقینی طور پر مستقل اور دیرپا ہوتا ہے جبکہ بازاروں میں فریبی دوائیوں کی بھرمار ہے تو "چندر کلا" اپنا معجزہ دکھائیگی۔ قیمت فی شیشی (۳۲ ٹکیہ) ایک روپیہ عمدہ

دُنیا کیا کہتی ہے؟

بہت مفید ثابت ہوئی | آپکی چندر کلا جریان کے واسطے واقعی بہت مفید ثابت ہوئی ہے جسکے بیان کا قلم کو یارا نہیں۔ (بھیم سنگھ سوداگر۔ لائل پور)

بہت فائدہ ہے | آپکا چندر کلا استعمال کر رہا ہوں بہ نسبت پہلے کے بہت فائدہ ہے۔ نیز میں طاقت دیکھتا ہوں۔ دل بھی برقرار ہوتا جاتا ہے۔ جریان بھی کم ہے۔ (مولوی خیر الدین پنجوڑ)

اپنے ہاں کے کسی مشہور سوداگر یا دوائی فروش سے طلب کرو یا براہ راست

کارخانہ آیورویدک فارمیسوٹیکل کمپنی لمیٹڈ گمٹی بازار لاہور سے منگاؤ

ملنے کا پتہ:۔ دفتر تمدن نیا گاؤں گڑھ مکتیسر

قابل دید کتب

کتب ذیل کی قیمت میں انتہائی تخفیف کردی ہے اور انہیں سے بیشتر کئی دوسری جگہ سے اس قیمت پر دستیاب نہیں ہوسکتیں۔

ناول

ناولہائے قاری۔ قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی (علیگ) کے اخلاقی ناول سعید۔ سعادت شاہد رعنا۔ جو دوبارہ چھپکر قدردانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں۔ اب ایک مجموعے کی صورت میں چھپوائے گئے ہیں۔ ۳۰۰ صفحہ کی مجلد کتاب جو نہایت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔ اور جسمیں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے قیمت ۲ھ

زہرا۔ ایک ترکی ناول کا ترجمہ۔ مترجمہ سید بجاد حیدر صاحب بی۔ اے۔ قیمت ۸ر

نیلالث بالخیر۔ ایضاً ۴ھ

نیرنگی دہر۔ مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان۔ شریف النساء کی بی اداؤں کا انجام مصنفہ منشی عبدالغفور صاحب صفحات ۱۳۲۔ قیمت ۴ھ

گودڑ کا لال۔ ایک نہایت دلچسپ اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح کا طبعزاد افسانہ کہ جسمیں ایک ہندوستانی خاندان کی حسن معاشرت کو نہایت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ مصنفہ محترمہ والدہ صاحبہ سید محمد افضل صاحب بی۔ اے حصہ اول و دوم صفحات ۹۴۲ عہ

روح لیلےٰ۔ اس میں مجیب روحانی مسئلہ کو حل کی کوشش کی ہے۔ ایک شخص ایک مردہ زاکی کی روح کو اس کی وفات کے وقت ایسا محبوس کرلیتا ہے کہ وہ جسم کے ساتھ وابستہ رہتی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً اس کو زندہ کرکے اس کے ذریعہ سے بہت سے روحانی مسائل کے حل کرنے کا کام نکالتا ہے۔ صفحات ۲۷۰ قیمت عہ

تمنائے دید۔ مصنفہ محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی قابل دید کتاب ۱ھ

روضۃ الکبریٰ کی آتشزدگی دلچسپ نیز قیمتی کے زمانہ کا ایک دلچسپ تاریخی قابل ملاحظہ ناول مجلد ۱ھ

حکایات دلچسپ۔ یہ ان حکایات کا اردو ترجمہ ہے جن کو سمائے ناٹک کے مہر سپہر اور علم ڈرامہ کے استاد بے نظیر شیکسپیر کے منظوم کھیلوں سے زبان انگریزی کے مشہور و معروف ادیب چارلس لیمب نے اختصار لطافت بار کے ساتھ نثر میں تحریر کیا ہے اور اب یہ حکایات شائقین کی ضیافت طبع کے لئے اردو میں نہایت قابلیت کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہیں عہ

حاجی بغلول۔ مصنفہ جناب منشی سجاد حسین صاحب مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ ۴ھ

احمق الذین۔ ایضاً ۳ھ

اٹوپیا۔ اس ناول میں سر ٹامس مور نے ایک

ملنے کا پتہ:- دفتر تمدن نیا گاؤں - لکھنؤ

خیالی ملک و قوم کے تفریحی شوق کا بیان کر کے اہل انگلستان کو بیدار کرنا چاہا۔ ۸ر

آولیس - رومۃ الکبرے کا ایک خاص واقعہ تاول کی پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ نہایت دردناک و پر تاثیر قصہ ہے۔ ۸ر

وکرم اروسی - یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ڈرامہ کا ترجمہ۔ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے قابل مصنف کتاب ہے۔ ۸ر

تاج و زمرد - منشی احمدی صاحب شوق قدوائی کا منظوم ڈرامے کے مصنف ہیں شروع سے آخر تک زبان شستہ خیالات پاکیزہ طرز ادا انتہا دلاویز شوخی اور بانکپن کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ تیجرل کیفیات و جذبات میں از سر تا پا ڈرامہ ڈوبا ہوا ہے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ۸ر

انتخاب زوج - دہلی کی ایک مشہور اخبار پردہ از خاتون کے زور قلم کا یہ تازہ کارنامہ ہے اس میں قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کی جانب سے جس زور کے ساتھ عدالت میں اپیل کیا ہے کہ شوہر کے انتخاب میں اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھ کر حاصل کر لیا جایا کرے ۳ر

وصال - منشی درگا سہائے صاحب مرحوم کی دلکش تصنیف قیمت ۸ر

بیگ بی بی - جس میں شوہروں پر عورتوں کی بے جا سختی شیخی اور بے جا شکایت کا چٹخارہ دار نقشہ دکھایا گیا ہے۔ ۸ر

جذبات بھاشا - بھاشا کے شاعرانہ رنگ کی تصویر کھینچنا ہے اس میں ۱۲ کارتب ہیں خوبصورتی بھاشا حسن محبت۔ یہ وہ جذبات ہیں جو بھاشا کی شاعری کا ستون ٹھہرا ہے یہی سادی آسان قابل فہم راگنیوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ جذبات بھاشا میں ملک کو قابل افتخار بنانے حضرت بیتاب دہلوی نے ان دونوں کے سنی بنانے کے لیے بہت محنت کی ہے قیمت ۱۲ر

تاریخ

تاریخ اودھ - نواب برہان الملک سعادت خان سے عہد سے واجد علی شاہ کی معزولی تک کے مفصل حالات درج ہیں۔ یہ مستند و نایاب کتب تواریخ سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کے مولف جناب نجم الغنی صاحب رامپوری تحقیقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں جس پر زبان اردو کو بجا ناز ہے اور دلچسپی میں زنگی افسانوں سے کہیں بڑھی ہوئی ہے یہ تاریخ نہ از دو ایران اودھ کے دربار کی پوری تصویر دکھائی ہے مکمل ۴ جلدوں کی قیمت ۱۲ر

یادگار دربار اسلام - جلد اول یعنی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم کے سوانح عمر صفحات ۵۶۴ر

" " " - جلد دوم جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہم خلفائے اول و دوم کے مفصل سوانح عمر مفتوحات۔ انتظامات ذاتی حالات وغیرہ کے پوری تحقیق کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں قابل دید کتاب ہے صفحات ۵۶۴ قیمت ہر دو حصہ علاوہ محصول ۳ر

تاریخ اندلس - مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت یورپ میں لاجواب کتاب ۸ر

علمائے سلف - مولانا محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس بھیکم پور ضلع علیگڑھ کی مشہور تصنیف جس میں علمائے اسلام کے حالات درج ہیں ۸ر

ملنے کا پتہ۔ دفتر تمدن پنا گاؤن لکھنؤ

شباب لکھنؤ ۔ اگر آپ گذشتہ لکھنؤ کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ ایک سیاح نے سلطنت اودھ کے عروج کے زمانہ کے چشم دید حالات نہایت دلکش پیرایہ میں قلم بند کئے ہیں۔ مترجمہ سید احمدی صاحب بی۔ اے۔ عہ

قدیم ہندوستان کی تہذیب بشہادت فاضل مسٹر آر۔ سی۔ دت کی بے مثل تاریخ سویلزیشن آف انشینٹ انڈیا کا ترجمہ۔ عہ

مکمل محاربات روس و جاپان ۔ حصہ اول و دوم قیمت فی حصہ ۱۲ر

تاریخ مذہب ۔ اس میں مذہب کی ابتدا اور ترقی کا حال اور نیز بڑے بڑے مذاہب مثلاً بابلی اور اسوریہ مصر اور چین اور دیگر ممالک و اقوام کے مذہب کی مختصر تاریخ درج ہے۔ قیمت ۸ر مجلد ۱۰ر

جمیع حالات جاپان جس میں ملک جاپان کی ہر قسم کے حالات مادی۔ مذہبی تعلیمی۔ وغیرہ مع جاپان کی ترقی کی تاریخ اور جاپان کے شہنشاہ نامور مدبرین سپہ سالاران و امیر البحران وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ مجلد رعایتی قیمت ۸ر

علوم طبیعہ کی تاریخ ۔ علوم طبیعہ کی ان تمام دریافتوں اور ایجادوں کی تشریح جو سالوں میں صدی قبل مسیح سے لیکر انیسویں صدی تک وقتاً فوقتاً عمل میں آتی رہی ہیں۔ مسائل کی تحقیقات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قدیم و جدید حکما نے ان علمی دریافتوں اور ایجادوں میں کیا کیا حصہ لیا نہایت مفید کتاب مضامین کی وضاحت کیلئے صاف تصویریں دی گئی ہیں قیمت ہر دو جلد مجلد ۱۰ر

تاریخ یونان سلطنت یونان کے عروج و زوال کے اسباب۔ نظام سلطنت۔ معرکہ آرائیاں اور فتوحات وغیرہ کے مفصل حالات۔ قیمت ۸ر

تاریخ مصر جس میں قدیم زمانہ کے مصریوں کی رسم و رواج۔ طرز معاشرت۔ عادات و خصائل تیرہ ادوار سجدوں۔ علم الصنام۔ نظام سلطنت معرکہ آرائیوں اور فتوحات۔ عروج و زوال کے اسباب۔ علم فنون وغیرہ کے مفصل حالات درج ہیں باتصویر کتاب ہے قیمت ۸ر

تاریخ روم ۔ اس نادر کتاب میں مقتدر مصنف نے سلطنت روما کی ابتدا سے شروع کر کے روم کے پانچ جلیل القدر قیاصرہ کے عہد انتظام بہجت التزام کے اختتام تک بڑی دلچسپ صورت میں رقم بند کیا ہے۔ قیمت ۸ر

تاریخ تمدن ۔ یعنی سرہنری طامس بکل کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف سویلزیشن" کا ترجمہ مترجمہ مرحوم منشور منشی محمد احمد علی صاحب بی۔ اے سابق ایل بی۔ وکیل۔ قیمت عہ

تذکرہ بہادران اسلام ۔ یہ ایک لاجواب اور قابل دید کتاب ہے۔ ہر ایک مسلمان کے مطالعہ میں رہنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف رہ سکے صفحات ۲۵۴ رعایتی قیمت عہ

گنج شائیگان ۔ قدیم شاہان ایران سے لیکر اس وقت تک کی دنیا بھر کی سلطنتوں ریاستوں وغیرہ کے سونے جانے کے سکوں کی دونوں رخوں کی اصلی تصویریں سنہ حالات وزن وغیرہ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ۔ دفتر تمدن۔ نیا گاؤں لکھنو

سوانحات عمری

الہارون ۔سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم معہ نقشہ سلطنت عباسیہ و منظر دار الخلافۃ بغداد ۱۲ر

حیات نور الدین محمود زنگی ملک العادل سلطان نور الدین زنگی نور اللہ تربتہ فاتح شام و جزیرہ مصر کی مفصل سوانحعمری ۰۰ر

یادگار سعدی ۔یعنی سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی سوانحعمری اور ان کی جملہ اخلاقی تصانیف نثر و نظم کا خلاصہ اور نامحمدہ اشعار و حکایات کا انتخاب ۸ر

حیات حافظ ۔جس میں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے ۸ر

بنت الرسول معلم ۔سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا کی مکمل لائف اس کتاب کو حضرت سہاب اکبر آبادی نے لڑکیوں اور مستورات کے لئے لکھا ہے حجم ۹۶ صفحات قیمت رعایتی ۵ر

جہاں آرا ۔شاہجہاں بادشاہ کی فاضل بیٹی جہاں آرا بیگم کی سوانحعمری راس کے ماں ۔سوشل اور پولیٹیکل کارناموں پر یورپ کی نکتہ چینیوں پر محققانہ نظر۔ کاغذ و غیرہ عمدہ قیمت رعایتی ۸ر

مشاہیر ہی خواہان آدم ۔یعنی ان بہبودان بنی نوع انسان کی سوانحعمریوں کا مجموعہ جس کے مطالعہ سے ہر شخص حب انسانی سے بھر جاتا ہے ۔ ۱۲ر

مشاہیر عالم ۔اس حصہ میں ان مشاہیر عالم کے اسمائے گرامی منسلک ہیں جن کی اولاد اعزہ میاں طرح طرح کے کارہائے نمایاں کے متعلق آسمان شہرت پر چمک رہی ہیں ۔قیمت ۸ر

کتب متعلق اسلام

ادلۃ الکرمی فی اثبات عقاید الاسلام جس میں ہر شک عقیدہ اسلام کا ثبوت علوم جدیدہ و سائنس کی رو سے دیا گیا ہے ۔ قابل دید کتاب ہے ۔قیمت رعایتی ۸ر

چمنستان عرب غنچہ حج ۔اس کتاب میں قرآن شریف ۔احادیث مبارک سیر و تواریخ سے حج کعبہ معظمہ ۔کعبہ مقدسہ ۔مدینہ منورہ ۔اور عرب کے تاریخی اور جغرافیائی حالات بہت تحقیق و تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ۔آج تک اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں شائع ہوئی ۱۰ر

تاریخ مسجد الحرام ۔۸ر

تہذیب الاسلام ۔جس میں فلسفہ یورپ کی تحقیقات موجودہ سائنس جدیدہ کے انکشافات کو اسلام کے مسائل حقیقیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے ۔۸ر

برکات سلطانی ۔علیا حضرت بیگم صاحبہ ایچ بھوپال کی روشن زندگی کے کارنامے اور ان کی اسلامی علمی خدمات کا مرقع باتصویر پڑھنے کے قابل کتاب ہے ۸ر

المشتہر
منیجر تمدن بک ایجنسی نیا گاؤں لکھنو

سبز مرہم

تمام جلدی امراض و زخمہائے خبیثہ پھوڑا پھنسی گلٹی کھجلی تر و خشک۔ داد کنٹھ مالا آتشک کے زخم وغیرہ کیلئے بیمثل دوا ہے۔ جملہ بلغمی و سوداوی دردوں صح مفاصل نقرس عرق النسا۔ گولا۔ کمر اور شانہ وغیرہ کا درد۔ اور اُن تمام دردوں کو جو سردی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں فوراً دور کرتا ہے۔ انگریزی دوائیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

"سبز مرہم" ناگہانی واقعات مثلاً چوٹ اور جلنے کی تکالیف کو فوراً رفع کرتا ہے۔ ہر گھر میں ایک ڈبیہ ضرور رہنا چاہیے۔ قیمت فی ڈبیہ ۸ر

"سبز مرہم" کمپنی لیمیٹڈ

کارکن و منتظم مخزن الادویہ۔ جھوائی ٹولہ۔ لکھنؤ۔

ان نمبروں کا بانکے کی بجائی خریدار کو محصول ڈاک خیس ویلیو سے معاف

پانچ پانچ روپے کے ستو خریدار فوراً مطلوب ہیں

یعنی نمبروں کا بانکا ویلیو سے جملہ اخراجات مرزا محمد یہ ہیں بھیجا جائے گا۔

(۱) انتخاب اردوے معلےٰ یعنی مرحوم رسالہ اردوے معلےٰ علیگڈھ کی گذشتہ دس جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا قابل انتخاب مجلد قیمت عہ

(۲) مکتوبات امیر مینائی۔ یعنے منشی امیر احمد صاحب مرحوم لکھنوی کے دلچسپ خطوط کا مجموعہ سہ تصویر و سوانحعمری امیر مرزا نہ ولغ دامیر حجم ۳۵۲ صفحے مجلد عہ

(۳) تذکرۃ الشعرا حصۂ اول مکمل۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحے۔ مرتبہ حضرت مولانا جس میں تذکرۂ شعرا اردو بیگر مضامین نظم و نثر کے علاوہ دیوان مضطر خیر آبادی۔ امیر شہیدی۔ تنہا۔ عیشی۔ مخمور۔ آتش۔ فاخر۔ مائل۔ ہوس۔ مومن۔ نسیم۔ تسلیم۔ رشکی۔ عالی بیقیر مست۔ و حسرت موہانی کے دواوین کا انتخاب بھی بطور ضمیمہ شامل ہے۔ ان میں سے اکثر دیوان ایسے ہیں جو کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ قیمت عہ

نوٹ۔ مع ثانی تک حسرت موہانی کا دیوان صرف بطور ضمیمہ تذکرۃ الشعرا ملسکتا ہے علیحدہ نہیں ملسکتا۔

المشتہر بیگم حسرت موہانی دفتر اردوے معلےٰ علیگڈھ سٹی

نظارہ

یہی وہ نظارہ ہے جس کی تاب حضرت موسےٰ نہ لا سکے!

یہی وہ نظارہ ہے جس کے پردہ میں قدرت کی تجلیاں مخفی ہیں۔ دیدنی کے علم کے تماشائی کہاں ہیں۔ آنکھیں کھولیں اور اس جام جہاں نما کی سیر کریں۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ ادبی۔ معاشرتی مناظر کا نظارہ نظارے ہی کے صفحات سے ہوتا ہے جو ہر مہینے آفتاب عالمتاب کی طرح میرٹھ سے نکلتا ہے اور دنیا میں ایک نئی روشنی پھیلاتا ہے +

اہل نظر نظارے کو آئینہ کی طرح سامنے رکھیں اور علم کی جیتی جاگتی تصویروں کا (جنکو ملک کے مشہور اہل قلم مختلف رنگوں میں نظارے کے اوراق پر کھینچتے ہیں) تماشا دیکھیں +

قیمت کچھ بھی نہیں صرف تین روپے بھیجنے پر نظارہ کی سیر ایک سال تک گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔ نمونہ پانچ آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

منیجر رسالہ نظارہ میرٹھ



رسالہ امراض مخصوصہ مردانہ مفت

مردوں کی پوشیدہ امراض کی مکمل تشریح اور علاج آج کل کی حالت کا فوٹو

خفیہ بدی کثرت جماع وغیر کی خرابیاں۔ اعتدال قواعد وغیرہ بخوبی بیان ہیں!

یہ رسالہ دس اور نکارک اردو ہندی و ویڈیامرت جی ملتی احمار کے ایڈیٹر۔ کام در قی شاعر۔ ترجمہ سشرت
رسالہ آتشک۔ رسالہ ر۔ رسالہ ح ل۔ رسالہ وکا ٹرکی اپنی مری یہ بیدا کنا ور رسالہ
وغیرہ دو دو درجن سے زائد رسالہ جات مشورہ فروخت دوا امرت دھارا کے خوجہ
امراض مخصوصہ ان دنوں کے سب سر سحاں کوی ولوڈ۔ ہیڈ
ٹھاکر دت رماویدی سے نہ ہے۔ اور آپ ہی اے مرض ما ا رے ہا ہزار
مزیں اس وقت تک ایدہ ٹھا چکے ہیں! ایک پیسہ کا کارڈ بھیج رسالہ مفت طلب کریں

المشتہر

منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ۔ امرت دھارا بھون۔ امرت دھارا روڈ۔ لاہور

خط و کتابت تار کے واسطے اتنا پتہ کافی ہے۔ امرت دھارا لاہور

نوسٹاب۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کاغذی جنتری ۱۹۱۵ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے۔ دل خریدی کیلئے پتہ اشخاص کے نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری نہایت بذریعہ وی پی ڈاک بھیجی جاتی ہے ۔

جس کا درد وہی جانتا ہے
دوسرا کیوں کر جان سکتا ہے

یوں تو کوئی ایسا مرض نہیں جسکی تکلیف سے مریض نالاں اور پریشان نہ ہو مگر دمہ کی خاصکر دمہ کی ناقابل برداشت تکلیف سے واقعی بہت ہی پریشان ہوتے ہیں۔ اور رات دن سر پھولنے کی وجہ سے دم نکلے جاتے ہیں اور زندہ تک حرام ہو جاتی ہے دیکھئے آج اسکو کسقدر تکلیف لیکن افسوس ہے کہ اس لاعلاج مرض کی بازاری دوا زیادہ نشہ اشیاء اور دھتورہ بھنگ بلا ڈوپوٹا ای اوفائڈ وے کرتی ہے۔ اس لئے فائدہ ہونا تو درکنار مریض بے موت مارا جاتا ہے ڈاکٹر برمن کی اصول سے بنی ہوئی **دمہ کی دوا** ایک انمول جواہر ہے یہ صرف ہماری ہی بات نہیں ہے بلکہ ہزار مریض اس مرض سے شفا پاکر مدح ہیں۔ آپ نے بہت خرچ کیا ہوگا لیکن ایک مرتبہ اسے بھی آزمائیں اسمیں نقصان نہیں قیمت صرف شیشی محصول ڈاک پانچ آنے ۵ ر

اس دوا کے دو خاص فوائد ہیں (۱) ایک خوراک میں دمہ دبتا ہے (۲) اور کچھ روز استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ اور جب تک استعمال میں رہے دورہ نہیں ہوتا ۔

ہمیشہ تندرست رہنے کی ترکیب

آپ جانتے ہیں انسان کی زندگی خون سے ہے اسلئے خون صاف رکھنا ضرور ہے اسکی ترکیب آسان ہے ڈاکٹر برمن کا آئی اوڈائر سالسہ مفید ثابت ہوا ہے اسمیں پوٹاس ای روڈائڈ وغیرہ کی ایک آزمودہ ادویات ملا کر بنتا ہے۔ اسلئے تمام سالسہ سے زیادہ مفید ہے گرمی آتشک گھٹیا وغیرہ یا پارہ ملی ہوئی ادویہ کے استعمال سے بگڑ گیا ہو تو اسکو استعمال کیجئے خون بگڑنے کی دو وجہیں آتشک و گھٹیا ایسے عارضے ہیں۔ پارہ ملی ہوا ادویہ استعمال کرنے سے خون بگڑ جاتا ہے۔ پوری حالت فہرست منگوا کر دیکھئے قیمت عام محصول ۱۰

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵۰ تارا چندوت اسٹریٹ کلکتہ

۸۹۱.۵۴۳۰۵
ممتاز جلد ۱۲ نمبر ۱
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔
۱۱۰۹۷

